دوم
عرفانِ رضا
در مدحِ مصطفیٰ
مناظرِ اہلِ سنت حضرت علامہ عبد الستار ہمدانی مصروفؔ برکاتی نوری
مرکزِ اہلِ سنت برکاتِ رضا
امام احمد رضا روڈ، پور بندر، گجرات
www.Markazahlesunnat.com

عرفان رضا

در

مدح مصطفیٰ ﷺ

(حصہ دوم)

مصنف

مناظر اہل سنت، ماہر رضویات علامہ عبد الستار ہمدانی "مصروفؔ"

برکاتی، نوری

ناشر

مرکز اہل سنت برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ، پوربندر۔ گجرات

کتاب	:	عرفان رضا در مدح مصطفیٰ (حصہ دوم)
مصنف	:	علامہ عبدالستار ہمدانی "مصروفؔ" برکاتی، نوری
کمپوزنگ	:	ارشد علی جیلانی و محمد معین ترکی
پروف ریڈنگ	:	علامہ نعمان اعظمی الازہری و جناب علی احمد، ایم-اے
ناشر	:	مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، پور بندر۔ گجرات
سن اشاعت بار اول	:	۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء
سن اشاعت بار دوم	:	۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۶ء

ملنے کے پتے

- فاروقیہ بک ڈپو، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔
- کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔
- مکتبہ شیریہ، نزد اقرأ، محمد علی روڈ، ممبئی۔

فہرست عناوین

99	ان پر درود جن کو کس بے کساں کہیں ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے	244
100	جان ہلکان ہوئی جاتی ہے بار سا بار ہے کیا ہونا ہے	250
101	یہ گھر یہ در ہے اس کا جو گھر در سے پاک ہے مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے	254
102	پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں	262
103	نہ دیکھوں شکل مشکل تیرے آگے کوئی مشکل سی یہ مشکل ہے یا غوث	287
104	جلتی تھی زمیں کیسی تھی دھوپ کڑی کیسی لو وہ قد بے سایہ اب سایہ کناں آیا	293
105	قد بے سایہ ظل کبریا ہے تو اس بے سایہ ظل کا ظل ہے یا غوث	301
106	سبب ہر سبب منتہائے طلب علت جملہ علت پہ لاکھوں سلام	308
107	گود میں عالم شباب حال شباب کچھ نہ پوچھ گلبن باغ نور کی اور ہی کچھ اٹھان ہے	314
108	شر خیر شور سور شرر دور نار نور بشریٰ کہ بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے	325

119	عین حق کا بنا محبّ رسول عین حق کا بنا محبّ رسول	399
120	باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں	403
121	روئے شہ پیش نظر دست پیمبر پشت پر کاش پاؤں برگ و پشت و ساز روئے آئینہ	409
122	فیض معروف سے ترا معروف شہر شہرہ ہے احمد نوری	416
123	پردہ دم بھی دم جلوہ مکدر ساز ہے اللہ اللہ جوش حرص و آرزوئے آئینہ	421
124	شام تک عید مہ نو ہے تمام یہ مہ جاوید ہے عید دوام	427
125	دل کشا دل کش دل آرا دل ستاں کان جان و جان جان و شان شاں	432
126	رنگ اڑے زرد رخ ماہ درخشاں ہوجائے پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہوجائے	445
127	ہوئی کالے گورے کی پلٹن میں بدلی کہ بدلی کے آتے ہی تارے تھے غائب	464
128	میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن حق یہ میرا ہے احمد نوری	474

(71)

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک گھر کی ہے

حل لغت:

معراج: زینہ، سیڑھی، اوپر چڑھنے کی چیز، درجۂ اعلیٰ، مرتبہ بلند، وہ رتبہ اور درجہ جس سے زیادہ تصور میں نہ آسکے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آسمان پر تشریف لے جانا اور تجلیات الٰہی کا نظارہ کرنا۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۶۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۱۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۶۰)

سماں: وقت، ساعت، موقع محل، ماحول، رت، موسم، فصل، کیفیت، عالم، حالت، رونق، لطف، جوبن، تماشا، سیر، نظارہ۔ (فیروز اللغات، ص۸۰۸)

زائر: زیارت کرنے والا، یاتری، حاجی، حج کو جانے والا، طے کرنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۷۳۸ ☆ لغات کشوری، ص۳۴۳ ☆ کریم اللغات، ص۸۷)

کرسی: چوکی، تخت، مسند، گدی، عمارت کی تہ کی اونچائی، زینہ، درجہ، رتبہ، پیڑھی، پشت، خاندان، شرعی اصطلاح میں آٹھویں آسمان پر تخت الٰہی کا مقام۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۰۳ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۶ ☆ کریم اللغات، ص۲۱۸)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''کرسی'' ہے اس کا مطلب ''تخت الٰہی کا مقام'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''کرسی'' ہے اس کا مطلب ''رتبہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدینہ طیبہ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری کے لئے جانے والے زائرین کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے دربار اقدس میں حاضر ہونے والے زائرین کرام! تم اپنی خوش قسمتی سے اس بارگاہ عالی میں آ گئے ہو، اور گویا کہ معراج کا سماں ہے یعنی معراج جیسا عالم، معراج جیسی رونق اور حالت وکیفیت ہے۔ تم اس در پاک پر آ پہنچے ہو کہ جس کا رتبہ آٹھویں آسمان پر جو تخت الٰہی ہے اس سے بھی بلند وبالا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضاؔ نے لفظ ''کرسی'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''کرسی'' ہے وہ تخت الٰہی کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''کرسی'' ہے وہ رتبہ اور درجہ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''کرسی'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں ''معراج کا سماں ہے'' کا جملہ بطور خاص توجہ اور لائق غور وفکر ہے۔ یہ جملہ اپنے اندر کئی معنی ومطلب سمیٹے ہوئے ہے۔ معراج صرف ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی ہوئی ہے۔ آپ حالت بیداری میں اپنے جسم اقدس کے ساتھ مکہ معظّمہ سے بیت المقدس پھر بیت المقدس سے ساتوں آسمان، سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور، جنت، دوزخ، عرش و کرسی، لوح وقلم وغیرہ کی سیر فرماتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے کہ جہاں آج تک نہ کوئی پہنچا ہے اور نہ کبھی کوئی پہنچے گا اور اپنے رب سے اتنے قریب ہوئے کہ صرف دو ہاتھ کا ہی فاصلہ رہا۔ معراج کے واقعات وحالات کی تفصیلی بحث شعر نمبر 102 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے تو چمن کو شاد وآباد کرنے والی بہاریں چلنے لگی تھیں۔ اور بلبلیں فرحت وخوشی کے نغمے گا رہی تھیں۔ زمین وآسمان

پر جشن کا ماحول تھا۔ آسمان سے نور کی بارش ہو رہی تھی۔ اور زمین چمک دمک رہی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ انور کی روشنی سے عرش تک چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ خوشی کے بادل امنڈ رہے تھے اور دلوں کے مور مچل رہے تھے۔ باد نسیم ایسی مہک رہی تھی جیسے کسی دلہن کو عطر میں بسا دیا گیا ہو اور اس کے بدن و کپڑوں سے خوشبو پھیل کر ماحول کو معطر کر رہی ہو۔ پہاڑ بھی زینت و آرائش سے باوقار نظر آ رہے تھے اور موسم بہار نے گویا سطح زمین کو ہلکے سبز رنگ کے دوپٹے سے ڈھانپ لیا ہو اس طرح ہرے سبزے لہلہا رہے تھے۔ اور خود نہروں نے نہا کر موتیوں کے لباس پہنے ہوں اور اس لباس میں بلبلے کے پھول ٹنکے ہوں۔ المختصر! ماحول اتنا حسین وخوشنما تھا کہ اس کی منظر کشی مکمل طور پر ممکن نہیں۔

اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کی طرف توجہ مرکوز فرمائیں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ مذکورہ سماں تو اس وقت کا تھا جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم اقدس کے ساتھ اپنے رب کی لقاء سے بہرہ مند ہوئے۔ یہ صرف حضور ہی کی خصوصیت ہے۔ یہ مرتبہ کسی نبی اور رسول کو بھی حاصل نہ ہوا نہ ہوسکتا ہے۔ لیکن ہم گنہگاروں کی قسمت تو دیکھو! اپنے آقا و مولیٰ کے صدقے میں ہماری قسمتوں کی معراج ہو رہی ہے۔ ایک عاشق رسول کے لئے مدینہ طیبہ کی حاضری اور بارگاہ رسالت میں باریابی ہی اس کے لئے معراج کا سماں قائم کئے ہوئے ہے۔ مدینہ طیبہ کی پر نور فضا، انوار و تجلیات کی ہمہ وقت بارش، روح پرور منظر، معطر باد نسیم، چمنستان مدینہ طیبہ کی چہک و چمک، ارمان دل کا مچلنا، جذبات قلب کا ابھرنا، تن مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشبو کا اب تک احساس، اطراف و اکناف میں نصب پہاڑوں کا دل آراء حسن، سرزمین مدینہ منورہ کی دلکش آرائش، شبنم کی ہلکی ہلکی بوندوں کے روپ میں آسمان سے ٹپکتے گوہر ایمانی، گنبد خضریٰ کا پر کیف نظارہ گویا معراج کا سماں قائم کیے ہوئے ہے۔ اور اس پر کیف ماحول میں باعث تخلیق کائنات، محبوب رب العالمین، صاحب تاج و معراج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقدس مآب آرام گاہ کے قریب حاضر ہونے کی سعادت ایک عاشق رسول کی معراج ہے۔ اس مقدس

دربار کا وقار، اس کی ہیبت، اس کا دبدبہ، اس کی عظمت، اس کی شان وشوکت، اس کا ادب و احترام اور اس کی تعظیم وتوقیر کرتے ہوئے ایک عاشق صادق مواجہہ شریف کے سامنے حاضر ہوتے وقت پانی پانی ہوجاتا ہے اور لرزتا ہے کہ کہیں کوئی بے ادبی کا عمل صادر نہ ہوجائے۔ وہ آنکھیں بند کر کے دل کی آنکھ سے اپنے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کا دیدار کرتا ہے۔ معراج میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے ''ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی'' کہ صرف دو ہاتھ کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کچھ کم، اس محبوب اور جلوے کے درمیان اور اس سے قبل ستر (۷۰) حجابات تھے۔ جب حضور اپنے رب کی لقاء کے لئے جارہے تھے تو آپ پر ایک خاص قسم کی حیرت و دہشت اور حق تعالیٰ کی جلالت وعظمت کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔ جب ایک عاشق صادق اپنے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو وہ اپنے آقا کی عظمت ومحبت کے جذبے سے ایسا لرزتا ہے کہ اس کے جسم کا ہر رونگٹا کھڑا ہوجاتا ہے۔ یہاں بھی حجابات ہیں۔ محبوب آقا کی قبر انور نظر نہیں آتی، وہ قبر انور کئی حجابوں میں پوشیدہ ہے اور ہر حجاب میں لاکھوں جلوے ہیں اور ان حجابات میں کونین کا دولہا جلوہ گر ہے۔ اور جس جگہ وہ نوشۂ بزم جنت آرام فرما ہے وہ خطۂ زمین بقول حضرت رضا بریلوی کرسی سے بھی زیادہ بلند تر ہے۔

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ''اگر کوئی یہ کہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمکن اور استقرار کے لئے آپ کے خطۂ قبر سے فردوس اعلیٰ وانسب ہے تو اس جواب میں کہیں گے کہ قبر شریف سے کون سی جنت بہتر اور شریف تر ہوگی۔ کیوں کہ جنت تو حضور کے غلاموں کے رہنے کی جگہ ہے اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس جگہ رونق افروز ہیں اس کے متعلق امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس خطہ کو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعضائے شریف سے متصل ہے تمام مقامات اور ہر جگہ سے اسے ترجیح وفضیلت دیں حتی کہ کعبہ معظّمہ اور عرش اعظم سے بھی فوقیت دیں، تو میں نہیں

جانتا کہ اس میں مومن ومسلمان توقف کرے گا‘‘۔ (مدارج النبوت اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۲۵۷)

علاوہ ازیں ملت اسلامیہ کے جلیل القدر ائمۂ دین نے یہ تشریح فرمائی ہے کہ جس جگہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم اقدس مدفون ہے، اس قبر انور کا مرتبہ خانۂ کعبہ، جنت، لوح، قلم، عرش وکرسی سے بھی افضل ہے، کیوں کہ یہ تمام حضور کے طفیلی ہیں اور حضور کے طفیل میں ہی عالم وجود میں آئے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ پیدا نہ فرماتا تو ان مقامات مقدسہ میں سے کسی کا بھی وجود نہ ہوتا۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محبوب! اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو کچھ نہ بناتا۔

الحاصل! پوری کائنات حضور کے صدقے اور طفیل میں ہی پیدا کی گئی ہے۔ اس ضمن میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

ہے انہیں کے دم قدم کی باغ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

جب یہ بات متفقہ طور پر ثابت ہے کہ قبر انور کا رتبہ عرش اعظم سے بھی اونچا ہے تو مدینہ طیبہ روضۂ انور پر حاضری میں معراج کا سماں قائم ہوا یا نہیں؟ معراج میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ عرش اعظم پر تشریف لے گئے اور یہ ان کی معراج تھی اور حضور اقدس کے فیض وکرم سے، ہم حضور کے امتی اس قبر انور کی حاضری کے لئے جائیں جس کا رتبہ عرش اعظم سے بھی افضل ہے تو یہ ہماری معراج ہوئی یا نہیں؟ بیشک اور ضرور! کیوں کہ ایک عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے روضۂ اقدس کی حاضری اس کی قسمت کی معراج ہے۔ اسی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے زائر مدینہ کو حضرت رضا بریلوی مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے مدینہ منورہ جانے والے! ذرا سوچ تو سہی! تو کہاں پہنچا ہے؟ اس مقام پر کہ جس کا مرتبہ عرش اعظم سے بھی بڑا ہے۔ ناز کر اپنی قسمت پر کہ یہ سعادت عظیم تجھے حاصل ہوئی ہے۔

۞......۞......۞

(72)

نہ دل بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اس کا شکار ہے
یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے

حل لغت:

بشر: آدمی، انسان، منش۔

(فیروز اللغات، ص ۲۰۵ ☆ لغات کشوری، ص ۹۹ ☆ کریم اللغات، ص ۲۴)

ملک: فرشتہ، جمع ملائک اور ملائکہ، جمد وت، وہ چیز جس سے کوئی کام قائم ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۸۳ ☆ لغات کشوری، ص ۳۶۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۶)

شکار کرنا: کسی جانور یا حیوان کو مارنا، قابو میں لانا، فریفتہ کرنا، مطیع کرنا، مغلوب کرنا، قصد کرنا کسی حیوان کو قتل کرنا، وہ حیوان جو قتل ہو گیا۔

(فیروز اللغات، ص ۸۴۴ ☆ لغات کشوری، ص ۴۲۵)

فگار: زخمی، گھائل، مجروح، مرکبات میں آخر میں آتا ہے، مثلاً: دلفگار، سینہ فگار۔

(فیروز اللغات، ص ۹۳۶ ☆ لغات کشوری، ص ۵۴۰ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۸)

ہژدہ: اٹھارہ جیسے کہ کہتے ہیں ہژدہ ہزار عالم، اٹھارہ ہزار عالم۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۴۱)

ہزار: بلبل، ہر چند، بہتیرا، کتنا ہی، ہزار داستان، دس سو کا عدد (۱۰۰۰)۔

(فیروز اللغات، ص ۱۴۴۰ ☆ لغات کشوری، ص ۸۱۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹۶)

دوسرے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''ہزار'' ہے اس کا مطلب ''دس سو'' (۱۰۰۰) ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''ہزار'' ہے اس کا مطلب ''بلبل'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضؔا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عالمگیر محبوبیت اور سروری کا تذکرہ فرمارہے ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ وہ ذات ہے کہ صرف انسان ہی ان کے عاشق نہیں بلکہ فرشتے بھی ان پر فریفتہ ہیں اور یہ جہاں یعنی کائنات کے اٹھارہ ہزار عالم میں جس کو بھی دیکھو وہ گل باغ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بلبل شیدا ہے۔

اس شعر کے مصرع ثانی میں لفظ ہزار کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور دونوں لفظ ''ہزار'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر بھی اردو ادب کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

پہلی مرتبہ جو لفظ ہزار ہے اس کا معنی ہزار یعنی دس سو ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ہزار ہے اس کا معنی بلبل ہے۔اس شعر میں حضرت رضا نے ابتدا میں دل بشر کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد ملک اور پھر ہژدہ ہزار یعنی اٹھارہ ہزار عالم کا ذکر فرمایا ہے۔اس ترتیب میں حضرت رضا بریلوی نے انسان کا ذکر مقدم فرما کر حضرت انسان کے ''اشرف المخلوقات'' کے وصف کی رعایت فرمائی ہے۔

شعر میں کہا گیا ہے کہ ہر انسان کا دل ان کی محبت وفراق میں زخمی ہے۔شعر میں لفظ انسان کا بغیر کسی وصف اضافی کے مطلق استعمال کیا گیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق میں بے تاب ہونے والے انسان کسی مخصوص برادری،قوم، خاندان، گاؤں،شہر، ملک، زبان یا زمانے کے ہی نہیں، بلکہ ہر ملک، ہر طبقہ اور ہر زمانے میں عشق رسول کے دیوانے اور متوالے ہوتے ہیں۔اور ہوں گے۔حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ

والسلام سے لے کر قیامت تک دلفگار عشاق رسول پائے گئے اور پائے جائیں گے۔ نسل انسانی میں انبیاء کرام کی مقدس جماعت کے ہر فرد نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور تعریف وستائش کی ہے اور آپ کے دیدار کی آرزو وتمنا کی ہے۔ تمام انبیاء کرام آپ پر ایمان لائے اور اپنی اپنی امتوں کو آپ پر ایمان لانے کی تلقین اور وصیت فرمائی۔ بلکہ اولوالعزم انبیاء کرام نے تو آپ کے امتی ہونے کی بھی تمنا کی ہے۔

- حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ بارگاہ حق تبارک وتعالیٰ میں عرض کیا کہ اے رب! میں نے توریت کے الواح میں تحریر پایا ہے کہ ایک امت علم اولین وآخرین کی وارث ہوگی، گمراہ پیشواؤں اور مسیح دجّال کو ہلاک کرے گی، اس کو میری امت بنادے۔ ارشاد ہوا کہ وہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی اے میرے پروردگار پھر تو مجھے حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں شامل فرمادے۔ (خصائص کبریٰ، علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۳۱)

- آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر آئیں گے۔ اگرچہ آپ اپنے حال پر نبی اور رسول ہوں گے، مگر پھر بھی آپ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے ایک فرد ہوں گے اور حضور کی اتباع کریں گے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت پر قرآن وسنت کے مطابق حکم فرمائیں گے۔

(خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۱۶)

- اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا میثاق لیا ہے۔ قرآن شریف سورۃ آل عمران آیت ۸۱ ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ'' میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ جو شعر نمبر 1 ''قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی'' کی تشریح میں مذکور ہے۔

● شیخ تقی الدین سبکی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''التعظیم والمنة فی لتومنن بہ ولتنصرنہ ''میں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۸۱ کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وتوقیر اور آپ کے مرتبہ اعلیٰ کے بیان میں اس قدر واضح ہے کہ اس میں قطعاً تعقید وابہام نہیں، بایں ہمہ اس تقدیر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیوں کے زمانے میں تشریف لے آئیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سب کی طرف رسول ہوں گے۔ تو گویا آپ کی نبوت اور آپ کی رسالت حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے قیامت تک کی مخلوق کے لئے عام ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی ساری امتیں آپ کی امت ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَّةً ''یعنی میں تمام نوع انسانی کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ یہ ارشاد آپ کے عہد رسالت سے زمانہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے خاص نہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل کے لوگوں کے لئے بھی محیط ہے اور یہی بات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے عیاں ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۱۳)

● انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور ان کی امتوں کے مومنین وصالحین ہمیشہ نبی آخر الزماں، سید الانبیاء والمرسلین، خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر شریف اور مدح وثنا کرتے رہے اور اپنے متوسلین کو اس کی ترغیب دیتے رہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے تادم تحریر ہر دور کے انسان حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی الفت ومحبت سے سرشار رہے اور بہت سے صالحین فنافی الرسول کے درجہ عالیہ پر فائز ہوکر ہر لمحہ یاد وفراق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تڑپتے رہے، خصوصاً صحابہ کرام کے حوالہ سے کتب احادیث وسیر میں اس طرح کے بے شمار واقعات منقول ہیں جن کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔

حضرت رضا بریلوی نے انسان، فرشتے اور کائنات کی ہر شئے کو جمال مصطفیٰ کا عاشق،

فریفتہ اور مطیع فرمایا ہے۔ یہ دعویٰ حق ہے اور جس کے حق ہونے پر ثقہ روایات احادیث و سیر شاہد عادل ہیں۔ کچھ واقعات احادیث کی روشنی میں پیش خدمت ہیں۔ جن کے مطالعے سے فرشتے، جنات، حیوانات، جمادات، نباتات، شمس وقمر اور دیگر اشیاء کائنات کا بے پناہ عشق رسول عیاں ہوتا ہے۔ فرشتوں کی مقدس جماعت میں سب سے اعلیٰ درجہ ورتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ہے۔ آپ فرشتوں کے گروہ کے سردار ہیں۔ لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ہمیشہ اپنے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم کی حیثیت دی اور حضور کی خدمت گزاری میں اپنی سعادت سمجھی اور اس خدمت کا ان کو بقول حضرت رضا بریلوی یہ صلہ ملا:

پائے جبرئیل نے سرکار سے کیا کیا القاب
خسرو خیل ملک خادم سلطان عرب

حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر حکم بجالانے میں ہمیشہ مستعد رہتے تھے اور حکم کی تعمیل میں کبھی تأمل نہیں کرتے تھے۔

- امام احمد، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دومرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ پہلی مرتبہ خود حضور کے کہنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خود کو دکھایا وہ عظیم جسامت سے افق کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور دوسری مرتبہ شب معراج میں آپ نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۲۷۶)

- ابن سعد اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۲۷۶)

- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور کو لینے کے لئے ایک خادم کی حیثیت سے آئے تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ''بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکاب میں پائے اقدس رکھنے لگے تو براق نے شوخی کی۔ اس وقت حضرت جبرئیل نے براق سے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ کیوں شوخی کرتا ہے۔ تجھ پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ بزرگ تر سوار نہیں ہوا۔ پھر براق نے شوق کا اظہار کیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی پشت پر سواری کی۔ کہتے ہیں کہ براق کی رکاب حضرت جبرئیل کے ہاتھ میں اور لگام حضرت میکائیل کے ہاتھ میں تھی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل حضور کے ردیف یعنی سواری پر پس پشت بیٹھے تھے۔ ممکن ہے کہ پہلے رکاب تھامی ہو اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اثنائے راہ اپنی محبت وعنایت کے اقتضاء میں اپنا ردیف بنا لیا ہو یا یہ کہ پہلے ردیف بنے ہوں گے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور طریقۂ ادب کی رعایت سے اتر کر رکاب تھام لی ہو۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۹۴)

- حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے تقاضے پورا کرنے کی غرض سے حضور کی امت کی بھی خدمت کرنے کی آرزو وتمنا رکھتے ہیں۔ شب معراج حضور جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو حضرت جبرئیل رک گئے اور عرض کیا کہ اگر میں بال برابر بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا اور وہیں رک گئے۔

- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جدائی کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر کوئی حاجت رکھتے ہو تو مجھ سے عرض کرو، میں جناب باری میں پیش کردوں گا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ میری یہ تمنا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں کہ روز قیامت میرے بازوؤں کو اور زیادہ کشادہ فرمادے، تا کہ پل صراط سے اپنے بازوؤں کے ذریعہ آپ کی امت

کو گزار سکوں۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۲۹۹)

صرف حضرت جبرئیل ہی نہیں، بلکہ تمام فرشتے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت رکھنے کی وجہ سے آپ کی امت کی بھی تعظیم وتکریم اور خدمت انجام دیتے ہیں۔

● حدیث میں آیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ کا زائر مدینہ کے قریب پہنچتا ہے تو رحمت کے فرشتے تحفے لے کر اس کے استقبال کو آتے ہیں اور طرح طرح کی بشارتوں سے شامل حال ہوتے ہیں اور نورانی طبق اس کے اوپر نثار کرتے ہیں۔

(جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، اردو، ص ۲۴۵)

● حدیث میں ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک جماعت فرشتوں کی پیدا کی ہے۔ جو قاصدین زیارت کے تحفۂ درود کو دربار نبوی میں پہنچاتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں کہ فلاں بن فلاں زیارت کو آتا ہے اور یہ تحفہ پہلے بھیجا ہے۔ (ایضاً)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں روزانہ ایک لاکھ چالیس ہزار فرشتے صلوٰۃ وسلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

● حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے۔ ان کی مجلس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر جاری ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو ستر ہزار فرشتے قبر پاک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد آجاتے ہیں اور درود بھیجتے رہتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو چلے جاتے ہیں اور دوسرا گروہ فرشتوں کا اسی تعداد میں آتا ہے اور جو انہوں نے کیا تھا یہ بھی کرتے ہیں۔ جب تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر شریف سے نکلیں گے، اس وقت تک یہی سلسلہ جاری رہے گا۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۲۶۹)

علاوہ ازیں جنگ بدر، جنگ احد، جنگ حنین وغیرہ کے موقعوں پر فرشتوں کی جماعت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لشکر کے سپاہی کی حیثیت سے حاضر ہوئی اور دربار رسالت کی خدمات انجام دی تھی۔ یہ تمام واقعات قرآن مجید، کتب احادیث اور سیر وتواریخ میں تفصیل سے درج ہیں۔ الغرض قول حضرت رضا بریلوی کی مختصر تشریح ووضاحت جو ہم نے کرنے کی کوشش کی ہے، وہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضاؔ بریلوی فرماتے ہیں:

یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے

یعنی ہژدہ ہزار بمعنی اٹھارہ ہزار عالم کی ہر چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلبل یعنی عاشق ہے۔ کائنات کی ہر شئے آپ کو جانتی ہے، آپ کو اللہ کا رسول مانتی ہے اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہوئے کلمۂ شہادت پڑھتی ہے۔ بلکہ جمادات وحیوانات آپ سے اتنا انس رکھتے تھے کہ آپ کے فراق وجدائی میں بے چین و بے قرار ہوکر روتے، تڑپتے اور بلکتے تھے۔ چند واقعات احادیث کی روشنی میں پیش ہیں۔

- طبرانی، ابونعیم اور بیہقی نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظّمہ میں تھے۔ آپ ایک روز کسی نواحی علاقے میں تشریف لے گئے تو جو چٹان، پتھر اور درخت ہم کو قریب راہ ملتا وہ آپ سے کہتا ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!'' (خصائص کبریٰ، اردو، جلد۱، ص۲۳۱)
- طیالسی، ترمذی اور بیہقی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے، جس رات میں مبعوث ہوا وہ پتھر مجھ سے سلام کہتا تھا۔ بیشک میں اس کو پہچانتا ہوں، جب میں اس کے پاس سے گزرتا ہوں۔ (ایضاً، ۲۳۲)
- بزار اور ابونعیم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی تو میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا اس سے آواز آتی ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!''

(ایضاً، ص ۲۳۱)

● بیہقی نے ابن اسحاق کی سند سے روایت کی کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کرامت ونبوت سے سرفراز فرمایا تو آپ جس شجر وحجر کے پاس سے گزرتے وہ سلام کرتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلمات سن کر ہر طرف دیکھتے مگر وہاں کوئی بھی نہ ہوتا۔ وہ منصب نبوت کو خطاب کے ساتھ اس طرح تحیت پیش کرتے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!'' (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۲۲۰)

جنات بارگاہ رسالت کے مطیع وفرماں بردار تھے۔ بلکہ جنات بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے، ایمان لاتے، علوم شریعت حاصل کرتے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہتے۔ بعدۂ اپنی قوم میں جا کر اسلام کی نشر واشاعت بھی کرتے۔ قرآن شریف میں سورۂ جن کی تفسیر میں تمام واقعات بالتفصیل مذکور ہیں۔ ان واقعات کے مطالعہ سے قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ یہاں خوف طوالت کی وجہ سے ان واقعات کا تذکرہ ترک کرنے کی معذرت چاہتا ہوں۔ حدیث کی روشنی میں صرف ایک دو واقعات ہی اختصاراً پیش خدمت ہیں۔

● ابن سعد، احمد، طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ مدینہ طیبہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سب سے پہلے یہ خبر آئی کہ مدینہ کی ایک عورت کے تابع ایک جن تھا۔ ایک روز وہ جن پرندے کی صورت میں اس کے گھر کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ عورت نے اس سے کہا کہ نیچے اتر آ۔ تو اس جن نے جواب دیا کہ اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ مکہ میں جو نبی مبعوث ہوا ہے اس نے ہر طرح کی بداخلاقی کو منع اور زنا کو حرام کردیا ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۲۴۲)

● ابو نعیم نے ارطاۃ بن النذر سے روایت کی انہوں نے کہا میں نے ضمرہ سے سنا ہے

وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک عورت پر جن آتا تھا وہ اچانک غائب ہوگیا۔ایک عرصہ تک نہیں آیا۔کافی دنوں کے بعد وہ خلاف معمول آیا۔عورت نے پوچھا۔پہلے تیری عادت تو یہ نہ تھی۔اس نے جواب دیا کہ مکہ مکرمہ میں اللہ کے نبی مبعوث ہوئے ہیں۔اور میں نے ان کی ہدایت میں حرمت زنا معلوم کرلیا ہے۔لہٰذا اب میرا تجھ کو سلام ہے۔

(خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۲۴۳)

- ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ ایک جن جس کا نام مسعر تھا اس نے جبل ابوقبیس سے جو مکہ میں ہے بلند آواز میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کچھ گستاخانہ اشعار پڑھے۔یہ بات تمام مکہ میں پھیل گئی۔مشرکین ان اشعار کو مزاحیہ انداز میں گنگناتے اور مہذب و باوقار مسلمانوں کی طرف اشارہ وکنایہ کرتے،حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم نے مشرکین کے اس طرز عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان کی آواز ہے جو بتوں کے ذریعہ بیہودہ گوئی کرتا ہے۔اس کا نام مسعر ہے۔اللہ تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کرے۔اس واقعہ کے تین دن بعد اچانک جبل ابوالقبیس پر ہاتف کو کہتے سنا گیا کہ ہم نے مسعر شیطان کو قتل کرڈالا جب کہ اس نے سرکشی اور تکبر کیا۔مسعر کا قتل اس بنا پر ہے کہ اس نے ہمارے پاک نبی کے ساتھ دشنام طرازی کی۔

اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنات میں ایک عفریت ہے جس کا نام سمحج ہے۔اسی نے مسعر کو قتل کیا۔میں نے سمحج کا نام عبداللہ رکھ دیا ہے کیوں کہ وہ مجھ پر ایمان لے آیا اور اس نے مجھ کو بتایا کہ وہ مسعر کی تلاش میں کئی روز سے تھا۔

(خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۲۴۶)

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ ایک مومن و عاشق جن نے نبی کی شان میں گستاخی کرنے والے شیطان کو قتل کردیا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی ''یہ جہاں کہ ہژدہ

ہزار ہے جسے دیکھواس کا ہزار ہے" کے تعلق سے کچھ واقعات احادیث کی روشنی میں قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے۔

● حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انصار کے سارے خاندان اونٹ پالتے تھے۔ ان میں سے ایک قبیلہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ یارسول اللہ! ہمارا ایک اونٹ ہے جس پر ہم پانی لاد کر لاتے ہیں، اب وہ سرکشی اور سختی کرنے لگا ہے اور اپنی پشت پر بوجھ لادنے نہیں دیتا۔ جس کی وجہ سے ہمارے نخلستان اور باغات سب پیاسے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ اٹھے اور اونٹ کی جانب تشریف لے گئے۔ جب باغ میں پہنچے تو اونٹ باغ کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ انصار عرض کرنے لگے یارسول اللہ! یہ وہی اونٹ ہے جو کتوں کی مانند کاٹتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں حضور کو ایذا پہنچائے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا کوئی خوف نہ کرو۔ پھر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اونٹ کے سامنے آئے تو اس نے اپنا سر اٹھایا اور آپ کو دیکھتے ہی سجدے میں سر رکھ دیا۔ پھر حضور نے اونٹ کی پیشانی کے بال پکڑے اور اسے کام میں لگا دیا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ا، ص ۳۴۲)

● حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بکری تھی، اس بکری نے حضور کو سجدہ کیا۔ (شواہد النبوۃ، اردو، ص ۲۲۲ ☆ مدارج النبوۃ، ص ۲۴۳)

● سیدتنا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں ایک بکری تھی، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے یہاں خواب استراحت فرماتے تو وہ بکری خاموش، پُرسکون اور آرام وچین سے رہتی اور جب حضور باہر تشریف لے

جاتے تو وہ بکری پریشان و بےقرار اور متوحش بن کر ادھر اُدھر ماری ماری پھرتی۔

(مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۳۴۳)

- حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اونٹوں کی قربانی فرماتے تو ہر اونٹ ایک دوسرے پر سبقت کر کے حضور کے قریب آنے کوشش کرتا، تا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے اسے ذبح فرمائیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۳۴۴)

- حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو حضور نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے بدوی سے فرمایا۔ جاؤ درخت سے کہو رسول اللہ تجھے بلاتے ہیں۔ اس درخت نے ادھر اُدھر آگے پیچھے جنبش کی اور زمین سے اپنی پھیلی ہوئی جڑوں کو سمیٹا، پھر زمین کو چیرتا ہوا اور اپنی جڑوں کو گھسیٹتا ہوا حضور کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ''!

آپ نے پھر اس درخت کو واپس جانے کا حکم دیا تو وہ لوٹ کر اپنی جگہ چلا گیا۔ اس کے رگ وریشے زمین میں پیوست ہو گئے اور زمین ہموار ہو گئی۔ یہ دیکھ کر اس بدوی نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی۔ پھر اس نے عرض کیا کہ مجھے دست مبارک اور قدم شریف کا بوسہ لینے کی اجازت عطا فرمائیں۔ حضور نے اس کی اجازت دی۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۳۴۹)

- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک مرتبہ جبل احد پر تشریف لے گئے۔ جب یہ مقدس حضرات پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ کانپنے لگا اس پر حضور نے پائے اقدس مار کر فرمایا کہ اے احد اپنی جگہ قائم رہ، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ چنانچہ احد کے

پہاڑ کی جنبش ختم ہوگئی اور وہ ساکن ہوگیا۔ اس حدیث کو امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور ابو حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔

- حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت صفوان بن امیہ سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیا ایک ہرن کا پیچھا کررہا تھا۔ جب ہرن حدود حرم میں داخل ہوگیا تو بھیڑیا لوٹ گیا۔ لوگ اس پر تعجب کرنے لگے اس پر بھیڑیئے نے کلام کرتے ہوئے کہا کہ اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ مدینہ میں محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم لوگوں کو جہنم کی طرف کھینچتے ہو۔

- بیہقی نے احادیث کثیرہ میں اور قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ محفل اقدس میں تشریف فرما تھے کہ اچانک بنی سلیم کا ایک بدو سوسمار (گوہ) کا شکار کرکے لایا۔ بدوی نے گوہ کو اپنی آستین میں اس لئے چھپا رکھا تھا کہ اسے گھر لے جاکر بھون کر کھائے، جب اس نے ایک جماعت کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگا کہ جماعت کے درمیان میں یہ کون شخص ہیں؟ صحابہ نے کہا کہ یہی اللہ کے رسول ہیں، اس نے گوہ کو اپنی آستین سے نکالا اور کہنے لگا کہ قسم ہے لات اور عزیٰ کی! میں اس وقت تک ہرگز ایمان نہ لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ آپ کی شہادت نہ دے۔

یہ کہہ کر گوہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا۔ حضور نے گوہ کو آواز دی کہ اے گوہ! گوہ نے سنجیدہ زبان میں جواب دیا کہ ''لَبَّیْكَ وَ سَعْدَیْكَ''

یعنی حاضر ہوں، فرماں بردار ہوں! گوہ کا یہ کلام ساری جماعت نے سنا۔ پھر فرمایا اے گوہ! قیامت میں کون آئے گا؟ گوہ نے جواب دیا کہ ساری مخلوق آئے گی۔ پھر فرمایا تو کس کی عبادت کرتی ہے؟ جواب دیا کہ اس خدائے پاک کی جس کا عرش آسمان میں ہے اور جس کی

سلطنت زمین میں ہے اور جس کا دریاؤں پر غلبہ ہے اور جنت میں اس کی رحمت اور جہنم میں اس کا عذاب ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا آپ رسول اللہ، رسول رب العالمین اور خاتم النبیین ہیں۔ ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَكَ وَخَابَ مَنْ كَذَّبَكَ'' یعنی یقیناً وہ کامیاب ہے جس نے آپ کی تصدیق کی اور نامراد ہے وہ جس نے آپ کی تکذیب کی۔ یہ سن کر وہ بدوی اسلام لے آیا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ا، ص ۳۴۶)

اسی طرح کے بے شمار واقعات کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ مثلاً:

- حضور کی رسالت کی گواہی دیتے ہوئے ایک بھیڑیئے کا بکری کے چرواہے سے کلام کرنا۔ اور اس کا ایمان لانا۔
- ایک اونٹ کا بارگاہ رسالت میں اپنے مالک کی شکایت کرنا۔
- ایک ہرنی کا بارگاہ رسالت میں دادرسی کا التماس کرنا، اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے رہائی پانا اور حسب وعدہ واپس آنا اور حضور کو دیئے ہوئے وعدے کو پورا کرنا۔
- یعفور نام کے گدھے کا حضور سے کلام کرنا اور اطاعت بجالانا۔
- انگلی کے اشارے پر چاند کا چلنا اور انگلی کا اشارہ پاتے ہی چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا۔
- مقام صہبا میں حضرت علی کی نماز عصر کے لئے ڈوبے ہوئے سورج کا واپس پلٹنا۔
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام سن کر جنگل کے شیر کا حضرت سفینہ کے لئے مسخر ہو جانا۔
- دست اقدس میں کنکریوں کا کلمہ شہادت پڑھنا اور حضور کی رسالت کی گواہی دینا۔
- ہجرت کے وقت حضور کی حفاظت کے لئے غار ثور میں مکڑی کا جالا بننا اور کبوتروں کا انڈے دینا۔
- مسجد نبوی میں استن حنانہ یعنی لکڑی کے تنے کا حضور کے فراق میں رونا۔
- دست اقدس میں انگور وانار کا تسبیح پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عالمگیر حکومت کا اعجاز بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ’’جسے دیکھو اس کا ہزار ہے‘‘۔

(73)

بے خودی میں سجدۂ در یا طواف
جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا

حل لغت:

بے خودی: بے ہوشی، مستی، سرشاری، ازخود رفتگی (فیروز اللغات، ص۲۴۶)

سجدہ: پیشانی زمین پر رکھنا، سر جھانا، خدا کے آگے سر جھکانا، نماز کا ایک رکن، سر زمین پر رکھنا، قرآن شریف کی ایک سورۃ کا نام۔

(فیروز اللغات، ص۸۷۲☆ لغات کشوری، ص۳۷۱☆ کریم اللغات، ص۸۸)

در: دروازہ، چوکھٹ، پھاٹک، اندر، بیچ۔

(فیروز اللغات، ص۶۱۸☆ لغات کشوری، ص۲۷۴☆ کریم اللغات، ص۷۰)

طواف: کسی چیز کے گرد پھرنا، کسی بزرگ یا مقدس مقام کے گرد چکر کھانا، گردش، خانۂ کعبہ کے گرد گھومنا۔ (فیروز اللغات، ص۶۱۸☆ لغات کشوری، ص۲۸۳☆ کریم اللغات، ص۱۰۶)

کیا: کیا ہوا فعل عمل۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۷۱)

کیا: کلمۂ استفہام ہے، چہ، خواہ، چاہے، کیوں، کیا ہے، کس قدر، کس لئے، کس واسطے، حیرت، تعجب۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۶۸)

دوسرے مصرع میں شروع اور درمیان میں لفظ ''کیا'' کا مطلب ''کیا ہوا فعل'' ہے۔

دوسرے مصرع میں آخر میں لفظ ''کیا'' کا مطلب ''کیا ہے؟ کلمہ سوال'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بہت ہی سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ جذبۂ عشق ومحبت وجوش الفت پر فہم سلیم اور اصول شریعت کی لگام ڈال کر اپنی شان احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی رسول کا دیوانہ اپنے عشق کی مستی اور مدہوشی کے عالم میں از خود رفتہ ہوکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در اقدس کا سجدہ یا طواف کر لیتا ہے تو اس نے کون سا برا کام کیا؟

اے عظمت رسول اور تعظیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کدورت رکھنے والو! اس عاشق نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ اچھا ہی کیا ہے۔ اس میں تجھ کو کیا؟ یعنی تجھ کو کیا تعجب ہے؟

اس شعر میں لفظ ''کیا'' کا تین مرتبہ استعمال کیا گیا ہے پہلی اور دوسری مرتبہ والے لفظ ''کیا'' ایک معنی میں مستعمل ہیں اور اس کا مطلب ہے ''کیا ہوا فعل یا عمل'' اور تیسری مرتبہ جو لفظ ''کیا'' ہے وہ کلمۂ استفہام یعنی تعجب وحیرت کے اظہار کے لئے بولا جانے والا لفظ ہے اور اس کا معنی حل لغت کے کالم میں درج ہے۔ یہ دونوں لفظ ''کیا'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

سجدہ یا طواف، یہ دونوں عبادتیں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ سجدۂ نماز، سجدۂ تلاوت، سجدۂ شکر، صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے خاص ہے اور اس کو سجدۂ تعبدی یعنی عبادت کا سجدہ کہتے ہیں۔ اس بحث کو ہم مکمل تفصیل کے ساتھ یہاں بیان نہ کریں گے، لیکن ناظرین کی تفہیم کے لئے اس کے اہم گوشے ذکر کر دیتے ہیں۔

سجدہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱)سجدۂ عبادت

(۲)سجدۂ تعظیم

سجدۂ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو عبادت کا سجدہ کرنا شرک خالص ہے۔ غیر اللہ کو عبادت کا سجدہ کرنا ہماری شریعت اسلامی میں بھی شرک ہے اور حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام تک، تمام انبیاء ومرسلین کی شریعتوں میں بھی شرک تھا۔ رہی بات تعظیم کے سجدے کی تو تعظیم کا سجدہ اگلی شریعتوں میں جائز تھا۔ انبیائے کرام، بادشاہوں اور ذی مرتبہ شخصیتوں کو عزت واحترام اور خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے تعظیم کا سجدہ کیا جاتا تھا اور یہ سجدہ جائز تھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت میں اس کی ممانعت ہے اور غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

تعظیم کا سجدہ اگر چہ بہ نیت سجدۂ تعظیم بھی کیا جائے تب بھی اس کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی شک وشبہہ نہیں۔ ایسا کرنے والا فعل حرام کا مرتکب اور یقیناً گنہگار ہے۔ اصول عقائد کی معلومات رکھنے والے ذی علم حضرات اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ فعل کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر ہی اس کے فاعل کو متصف کیا جاتا ہے۔ بت کی پرستش کرنے والے کو مشرک، ضروریات دین کا انکار کرنے والے کو کافر، گناہ کبیرہ کرنے والے کو مرتکب کبائر، فاسق وفاجر اور ایمان لانے والے کو مومن کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صفات ملحوظ رکھ کر فاعل کو متصف کیا جاتا ہے۔ مثلاً: نماز پڑھنے والے کو نمازی، عبادت وریاضت کرنے والے کو عابد وزاھد، تقوی شعار اور پرہیزگاری اختیار کرنے والے کو متقی، علم سیکھنے والے کو طالب علم، قرآن مجید حفظ کرنے والے کو حافظ، روزہ رکھنے والے کو صائم، حج کرنے والے کو حاجی، تجارت کرنے والے کو تاجر، چوری کرنے ولے کو چور، شراب پینے والے کو شرابی اور زنا کرنے والے کو زانی وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ فاعل کے فعل پر صفات کا انحصار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کسی کو موصوف نہیں

کیا جاتا۔یعنی بے نمازی کو نمازی، چوری کرنے والے کو متقی، حج کرنے والے کو پاجی، پاک باز کو زانی، روزہ رکھنے والے کو روزہ خور نہیں کہا جاتا بلکہ وہی کہا جائے گا جو فعل اس سے صادر ہوتا ہے۔اسی طرح کسی مشرک کو مومن، کسی مومن کو کافر، کسی گنہگار جس کا گناہ حرام کے درجے میں ہے ایسے شخص کو مشرک نہیں کہا جائے گا لیکن اگر کوئی شخص کسی کو اس کے فعل کے ارتکاب کے خلاف متصف کرے تو اس پر یہ انتساب غیر مناسب ، جہالت،بغض،عناد، عداوت اور حماقت میں شمار ہوگا۔

ایک اور اہم امر کی بھی وضاحت کردینا ضروری ہے کہ شرک ایسا قبیح فعل ہے جو ہمیشہ شرک ہی رہا ہے۔اس کی قباحت کی وجہ سے اس کا حکم ازل سے لے کر اب تک اور تا ابد ایک ہی رہے گا۔ اس کے احکام میں کبھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا ترمیم واقع نہیں ہوتی۔ جو کام شریعت محمدی میں شرک ہے وہ اگلی شریعتوں میں بھی شرک ہی تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اگلی شریعتوں میں جو کام شرک کے حکم میں تھا وہ اب منسوخ ہوکر جائز ہوگیا یا اگلی شریعتوں میں جو کام جائز تھا وہ اب شرک ہوگیا۔ بلکہ شرک کا حکم ہر زمانے اور ہر شریعت میں ایک ہی رہا ہے۔ جو کام حضرت آدم کی شریعت میں شرک تھا وہی حضرت آدم سے لے کر حضور اقدس علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں بھی شرک ہے۔

الحاصل! شرک کا حکم ہر شریعت میں یکساں رہا ہے بلکہ تمام مخلوق کے لئے ایک ہی ہے۔ یعنی جس فعل کا ارتکاب انسانوں کے لئے شرک کا حکم رکھتا ہے وہی فعل جنات ملائکہ اور ہر ذی شعور کے لئے شرک کا حکم رکھتا ہے۔ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جو کام انسانوں کے لئے شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے وہی کام جنات کے لئے غیر شرک ہونے کی وجہ سے جائز ہو بلکہ انسان، جنات ،فرشتے ،حور،غلمان وغیرہ تمام کے لئے شرک ایک ہی حکم رکھتا ہے۔کسی ذی شعور مخلوق کو،کسی بھی زمانے میں ،کسی بھی عالم میں،کسی بھی حالت میں اور کسی بھی شریعت میں اللہ کی

توحیداور اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا روانہیں، اگر کسی نے جانتے ہوئے ایسا کام روا رکھا تو وہ مشرک ہے اور مشرک کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ، مبغوض، نا قابل معافی اور قبیح کوئی کام ہے تو وہ شرک ہے۔ قرآن مجید میں شرک کی مذمت میں متعدد آیات نازل ہوئی ہیں۔ ان تمام آیات میں شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے، اور یہاں تک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ معاف نہیں فرمائے گا۔ تو جب اللہ تعالیٰ شرک کو اتنا ناپسند فرماتا ہے تو وہ اپنے کسی بندے سے اس عمل کو کب پسند فرمائے گا؟ اس کے باوجود قرآن مجید میں کئی مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کریں۔ ’’ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ‘‘

(سورۃ البقرہ، آیت ۳۴)

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں صاف صاف وضاحت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے جب فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندے فرشتوں کو غیر خدا کا سجدہ کرنے کا حکم دیا اور حکم صرف گفت وشنید کے درجہ میں نہ رہا بلکہ اس حکم کی تعمیل بھی کی گئی۔ یعنی فرشتوں کا حضرت آدم کو سجدہ کرنا وقوع پذیر ہوا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر سجدہ جو غیر خدا کو کیا جاتا ہے کیا شرک ہے؟ کیا ہر سجدہ، سجدۂ تعبدی یعنی کہ عبادت کا سجدہ ہے؟ جواب ہوگا، نہیں! بلکہ بعض سجدے تعظیم کے لیے بھی ہوتے ہیں اگر ہر سجدہ عبادت کا ہی قرار دیا جائے تو اس نظریہ سے شان الوہیت جل جلالہ میں توہین ہوگی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرو۔ تو کیا معاذ اللہ! فرشتوں کو اللہ نے سجدۂ عبادت کا حکم دیا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ تعظیم کا سجدہ تھا۔ اس نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کے لئے جو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ اسی طرح انبیاء سابقین کو ان کے امتی سجدہ کرتے تھے وہ بھی عبادت کا سجدہ نہیں تھا، کیوں کہ اگر وہ سجدہ عبادت کا سجدہ شمار کیا جائے تو وہ سجدہ شرک کے حکم میں آئے گا اور انبیاء کرام شرک کا ارتکاب نہیں کرسکتے، کیوں کہ ان کو توحید خداوندی کی نشر واشاعت کے لئے منصب رسالت ونبوت سے سرفراز فرمایا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ کبھی بھی شرک کا ارتکاب نہ خود کریں گے اور نہ ہی کسی کو کرنے کا حکم دیں گے، کیوں کہ وہ شرک، کفر اور گناہ کبیرہ وصغیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

ایک اور امر کی بھی وضاحت یہاں ضروری ہے جیسا کہ اس مضمون کی ابتداء میں گوش گزار کیا گیا کہ شرک ایک ایسا کام ہے جو ہمیشہ شرک کے حکم میں ہی رہتا ہے۔ اس کا حکم کسی بھی زمانے یا کسی بھی شریعت میں تبدیل نہیں ہوتا لیکن فعل حرام کے احکامات بار ہا بدلتے آئے ہیں۔ مثلاً: جو کام اگلی شریعتوں میں جائز تھا وہ اس شریعت میں حرام ہے یا اس شریعت میں جائز ہے وہ اگلی شریعت میں حرام تھا۔ یا ایسا بھی ہوا ہے کہ جو کام ابتدائے اسلام میں جائز تھا وہ بعد میں حرام ہوگیا۔ یا ایسا بھی ہے کہ جو کام بعض کے لئے پہلے جائز تھا اور اب بھی جائز ہے یا وہ کام بعض کے لئے پہلے حرام تھا اور آج بھی حرام ہے۔ اس تمہید کو اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لیے کچھ مزید وضاحت درکار ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روئے زمین میں جب نسل چلی تو شروع میں یہی ہوتا تھا کہ حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جڑواں اولاد تولد ہوتی تھی اور اس میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں ایک جوڑ کے لڑکے کا دوسری جوڑ کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ حالاں کہ وہ دونوں ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں

کی اولاد تھے۔ لیکن ہماری شریعت میں ایسا نکاح حرام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں اونٹ کا گوشت کھانا اور سنیچر کے دن مچھلی کا شکار کرنا حرام تھا، لیکن ہماری شریعت میں یہ دونوں کام جائز ہیں۔ اسی طرح ابتدائے اسلام میں شراب پینا جائز تھا۔ عورت کو بے پردہ نکلنا جائز تھا، لیکن بعد میں ان دونوں جائز کاموں پر حرام کا حکم نافذ فرمایا گیا۔ اسی طرح آج بلکہ تا قیامت بعض کام بعض کے لئے جائز اور بعض کے لئے حرام ہیں۔ مثلاً: عورت کو سونا پہننا جائز ہے اور مرد کو پہننا حرام ہے۔ مرد کو سر کا بال کٹوانا جائز ہے عورت کو جائز نہیں۔ ایسی تو بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ حرام وحلال کے احکام میں اگلی شریعتوں اور ہماری شریعت میں بلکہ ہماری شریعت میں بھی ابتدائی دور اور تقویت کے دور میں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ لیکن شرک ایسا فعل قبیح ہے۔ جو کسی بھی شریعت میں روا نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جو کام اگلی شریعتوں میں شرک تھا، وہ ہماری شریعت میں بھی شرک ہے اور جو کام ہماری شریعت میں شرک ہے وہ اگلی شریعتوں میں بھی شرک تھا۔

اب ہم سجدے کے تعلق سے گفتگو کرتے ہیں۔ اگلی شریعتوں میں عبادت کا سجدہ غیر خدا کو حرام اور شرک تھا، لیکن تعظیم کا سجدہ جائز تھا۔ جس کا ثبوت قرآن مجید میں ہے۔

''فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَه سُجَّدًا ''

(سورۂ یوسف، آیت ۹۸/۹۹)

ترجمہ: پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے، اس نے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو اللہ چاہے تو امان کے ساتھ اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لئے سجدے میں گرے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کئے جانے کا ذکر ہے۔ اس سے ثابت

ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنا جائز تھا۔ اگر موجودہ دور کے گمراہ فرقے وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی کے نظریات کے مطابق ہر سجدہ شرک ہے تو پھر قرآن میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کئے جانے کا جو ذکر ہے وہ بھی کیا معاذ اللہ شرک ہے؟ اگر یوسف علیہ السلام کو کیا گیا سجدہ جائز ہے تو ثابت ہوا کہ وہ سجدہ شرک نہیں، کیوں کہ شرک کسی بھی شریعت میں روا نہیں۔ اگر تعظیم کا سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں شرک نہیں تو یقیناً شریعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھی شرک نہیں کیوں کہ شریعت کے بدلنے پر بھی شرک کا حکم نہیں بدلتا بلکہ اسی حال پر رہتا ہے۔ اگر تعظیم کا سجدہ ہماری شریعت میں شرک قرار دیا جائے گا تو لامحالہ اسے حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں بھی شرک ماننا پڑے گا اور اگر ایسا مان لیا تو معاذ اللہ حضرت یوسف علیہ السلام پر شرک کے ارتکاب کا الزام و بہتان عائد ہوگا۔ لہٰذا لازماً یہ تخصیص کرنی پڑے گی کہ عبادت کا سجدہ اور ہے اور تعظیم کا سجدہ اور، سجدۂ عبادت ہر شریعت میں شرک تھا اور رہے گا۔ تعظیم کا سجدہ اگلی شریعت میں جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں حرام ہے۔ شرک نہیں۔

موجودہ دور کے منافقین مثلاً: وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی جماعت بات بات میں شرک کا فتویٰ صادر کرنے کی خوئے بد رکھتے ہیں۔ کسی نے درگاہ کی چوکھٹ کو چوما، مزار کی چادر چومی، کھڑے کھڑے مزار کی جالی کو چوما کہ شرک کے فتوے کی مشین گن داغ دیتے ہیں۔ شرک کے بدلے شِرَک کہہ کر ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں۔ جن کو شرک کا تلفظ بھی صحیح ادا کرنا نہیں آتا وہ شرک جیسے اہم معاملے میں بزعم خویش مفتی بن جاتے ہیں اور اپنی لال کتاب سے بے تکے اور بے ڈھنگے فتوے چسپاں کرتے ہیں۔ شرک کی تعریف کیا ہے؟ یہ تو ان جہلاء نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا، لیکن منھ پر ہر وقت شرک کا چربہ لٹکائے گھومتے ہیں۔ یہ کلمہ گو، مومن مسلمان کو بلا کسی تحقیق و تدقیق صرف وہم وگمان اور سوءِ ظن کی بنا پر مشرک کہہ کر دائرۂ اسلام کو تنگ کرتے ہیں اور مشرک گری کی تحریک میں سرگرم ہوتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اولیائے

کرام کے مزارات پر عقیدت و محبت کے جذبے سے چوکھٹ، جالی یا مزار شریف کی چادر چومنے والے کو سجدہ کرنے والا ٹھہرا دینا ہی ظلم و زیادتی ہے۔ سجدہ کرنا اور مزار کی چادر چومنا دونوں کی ہیئت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سجدہ کیا ہے؟ سجدہ کس کو کہتے ہیں؟ سجدے کے شرائط کیا ہیں؟ سجدے کے ارکان کیا ہیں؟ سجدے کی ہیئت کیا ہے؟ ان تمام امور کی بحث انشاء اللہ اس عنوان کے اختتام میں حضرت رضا بریلوی کے شعر کی تشریح میں کریں گے۔ سر دست عرض یہ ہے کہ موجودہ دور کے مفتری و منافق مزارات اولیاء کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے شرک کا واویلا مچاتے ہیں اور شرک ثابت کرنے کے لئے چوکھٹ، جالی یا چادر کو چومنا سجدہ شمار کرتے ہیں۔ چادر چومنے میں اور سجدہ کرنے میں فرق عظیم ہے لیکن پھر بھی وہ سجدے ہی کی رٹ لگاتے ہیں۔ اگر تم اپنے زعم باطل سے چوکھٹ یا چادر چومنا سجدہ شمار بھی کرلو پھر بھی شرک کا حکم نافذ کرنا بازیچۂ اطفال نہیں، کیوں کہ اگر تم نے چوکھٹ یا چادر چومنے کو سجدہ قرار دے دیا تو یہ لازمی ہے کہ اس سجدے کی تخصیص کرو یعنی یہ سجدۂ عبادت ہے یا سجدۂ تعظیم؟ اور یہ ثابت کرنا تمہارے لئے محال مطلق ہے، کیوں کہ سجدے کی قسم متعین کرنے کے لئے فاعل کے ارادۂ دل اور نیت پر مطلع ہونا پڑے گا۔ اور یہ کسی طرح ممکن نہیں، کیوں کہ تمہارے عقائد باطلہ کی بناء پر جب نبی اور ولی دل کے ارادوں پر مطلع نہیں تو تم کس کھیت کی مولی؟

سجدہ چاہے عبادت کا ہو چاہے تعظیم کا، دونوں کا دارومدار سجدہ کرنے والے کی نیت پر ہے۔ بظاہر تو دونوں سجدے یکساں ہوتے ہیں۔ دونوں کی ہیئت ایک جیسی ہوتی ہے۔ دیکھنے والا دیکھ کر امتیاز کر سکے ایسی کوئی علامت نہیں پائی جاتی کہ یہ شخص عبادت کا سجدہ کرتا ہے یا تعظیم کا۔ صرف وہ سجدہ کرنے والا ہی جانتا ہے کہ وہ کون سا سجدہ کر رہا ہے؟ مثال کے طور پر ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ دیکھنے ولا صرف یہی جانتا ہے کہ یہ شخص نماز پڑھتا ہے۔ اب یہ نماز سنت موکدہ پڑھتا ہے، سنت غیر موکدہ پڑھتا ہے، فرض پڑھتا ہے، نفل پڑھتا ہے، یا غیر ادا کی

ہوئی نماز کی قضا کرتا ہے؟ یہ تو وہ نماز پڑھنے والا ہی جانتا ہے اور اس کا رب جانتا ہے۔ جب پوری نماز کی ظاہری ہیئت دیکھ کر کون سی نماز ہے؟ اس کا تعین نہیں ہوسکتا تو چوکھٹ یا چادر چومنے کو سجدہ شمار کر کے اور وہ بھی سجدۂ عبادت میں شمار کر کے شرک کا مضحکہ خیز فتویٰ دینے والے کیا کوئی ایسا آلہ رکھتے ہیں کہ جس سے پتہ چل جائے کہ اس آدمی کی نیت کیا ہے؟ کیا یہی اسلامی تعلیم ہے؟ البتہ ہم اہل سنت و جماعت اس امر کے معترف ہیں کہ تعظیم کا سجدہ بھی غیر خدا کے لئے ناجائز اور حرام ہے۔ پھر تعظیم کا سجدہ کسی مزار کو کیا جائے، کسی بزرگ یا پیر کو کیا جائے، بہرحال تعظیم کا سجدہ کرنا حرام ہے۔ تعظیم کا سجدہ کرنے والا فعل حرام کا مرتکب ہے اور فعل حرام کا مرتکب عذاب وعقاب ربانی کا مستحق ہے۔ تاہم اسلام کے دائرے سے ہرگز خارج نہیں اور اس کو مشرک کہنا دین میں زیادتی اور نئی شریعت ''ایجاد بندہ اگر چہ گندہ'' کے مثل ہے۔ مسلم بھائی کے ساتھ ہمیشہ نیک گمان کرنا چاہیئے۔ قرآن وحدیث کی یہی تعلیم ہے کہ ''ظَنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا'' (الحدیث)

یعنی مسلمانوں کے ساتھ اچھا گمان کرو۔ بدگمانی بہت بری بیماری ہے۔ بدگمانی کرنے والا تنگ نظری کا مریض ہوتا ہے اور ساتھ میں تکبر وغرور کا شکار ہوتا ہے۔ اپنے کو دوسروں سے افضل واعلیٰ، نیک ومتقی، پابند شریعت، تارک منہیات، مرتکب حسنات اور صحیح الافعال سمجھنے کے غرور میں دوسروں کو حقارت وذلت سے دیکھتا ہے اور اس کے ہر کام میں نقص تلاش کرتا ہے اور وہ نقص اگر چھوٹا ہوتا ہے تو اس کو کھینچ تان کر بڑا بنا دیتا ہے۔ ایسے تنگ نظروں نے معاشرہ وملت میں حشر بپا کر رکھا ہے۔ اخلاق حسنہ سے بھی ایسے لوگ یکسر محروم ہیں۔ حسن ظن اور بدگمانی پر ایک عام فہم مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ نماز کے لئے طہارت اور وضو ضروری ہے۔ ایک نماز پڑھنے والا شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں آیا اور مسجد میں آتے ہی نماز میں مشغول ہوگیا۔ اس کو مسجد میں وضو کرتے کسی نے دیکھا نہیں۔ اب کوئی تنگ نظر شور وغوغا کرے کہ دیکھو! دیکھو! جناب عالی نے وضو نہیں کیا اور نماز پڑھتے ہیں۔ اس کی یہ حرکت قابل

مذمت وملامت ہوگی، کیوں کہ اس نے ایک مومن پر نیک گمان کرنے سے گریز کیا، یہ نہ سوچا کہ یہ جناب گھر سے وضو کر کے آئے ہیں اور کوئی بھی مسلمان بے وضو نماز پڑھنے کی گستاخی نہیں کرسکتا۔ اگر بدگمانی کا اتنا ہی خمار ہے تو پھر مسجد میں وضو کر کے نماز پڑھنے والے پر بھی بدگمانی کی جاسکتی ہے کہ وضو کرنے کے بعد اس سے کوئی ایسا فعل صادر ہو گیا ہے جو ناقض وضو ہے، مثلاً: ریح کا خارج ہونا، قطرۂ بول کا ٹپکنا وغیرہ، لیکن ایسا گمان بد قابل نفریں ولعن ہے۔ جب ایک مومن بے وضو ہو کر نماز پڑھنے کی گستاخی نہیں کرسکتا تو خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور شرک کا ارتکاب کرنا کہ جس کا تعلق عقائد سے ہے کیا بے احتیاطی کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ جس نے ''لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ '' کا اقرار کیا ہے اور اسلام کے دامن سے وابستہ ہوا ہے، اس کا پختہ عقیدہ اور یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی عبادت جائز نہیں۔ جو روزانہ نماز میں ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ '' متعدد دفعہ پڑھتا ہے کیا وہ غیر خدا کی پرستش کرے گا؟ اولیائے کرام کے مزارات پر بہ نیت تعظیم اور حصول برکت کے لئے چادر اور چوکھٹ چومنے والے کو مشرک کہنے والے فتنہ پرور عناصر جواب دیں کہ انھوں نے شرک کی کون سی قطعی دلیل پائی؟ تو ان کے پاس بجز اس کے کہ سجدہ یہ لوگ کرتے ہیں اور کوئی جواب نہیں ہوتا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سجدہ کرنے کا الزام ہی سراسر بے بنیاد اور غلط ہے۔ اور سمجھ لو کہ اس کی کسی حرکت کو تم نے سجدہ میں شمار کر بھی لیا تو وہ سجدہ عبادت کا ہی سجدہ ہے، یہ تم نے کہاں سے متعین کیا؟ تمہارے پاس کوئی جواب نہیں، ہم اس کا جواب عرض کرتے ہیں کہ یہ تعین صرف اور صرف بدگمانی کی بناء پر ہے۔ ارے اگر تم ملت اسلامیہ کے اتنے ہی خیر خواہ اور ہمدرد ہو تو اس شخص سے اتنا پوچھنے کی زحمت بھی گوارا کرتے کہ جناب آپ نے سجدہ کیا ہے یا نہیں؟ اور اگر سجدہ کیا ہے تو تعظیم کا سجدہ کیا ہے یا عبادت کا؟ کیا تمہاری یہ ذمہ داری نہیں کہ اس کے سر پر شرک کا فتویٰ تھوپنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ یہ عبادت کا سجدہ کرتا ہے یا تعظیم کا؟ اپنی ذمہ داری سے بے پرواہی! اور دوسروں پر بدگمانی، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

یہاں تک ہماری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ:

- شرک کے احکام کبھی بھی تبدیل نہیں ہوئے۔ جو باتیں اگلی شریعتوں میں شرک تھیں وہ باتیں ہماری شریعت میں بھی شرک ہیں بلکہ ازل سے ابد تک شرک کے احکام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔
- حلال وحرام کے احکام تبدیل ہوئے ہیں اگلی شریعتوں میں جو کام حرام تھا وہ اس شریعت میں جائز ہوا اور بعض کام اگلی شریعتوں میں جائز تھے وہ اس شریعت میں حرام ہوئے بلکہ خود ہماری شریعت میں بعض کام شروع میں حلال تھے بعد میں حرام ہو گئے۔
- عبادت کا سجدہ غیر خدا کو ہر شریعت میں ممنوع اور شرک تھا اور آج بھی ہے۔
- تعظیم کا سجدہ اگلی شریعتوں میں جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں حرام ہے۔
- کسی کو تعظیم کا سجدہ کرنے والا فعل حرام کا مرتکب اور بڑا گنہگار ہے لیکن مشرک نہیں۔

اب ہم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کی توضیح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

بے خودی میں سجدۂ در یا طواف

یعنی بے ہوشی اور خود رفتگی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کا سجدہ یا طواف جو بھی کیا اچھا کیا، یعنی حضور کے روضے کا سجدہ یا طواف دونوں میں سے جو بھی کیا اچھا ہی کیا۔ اب یہاں ایک اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنا ہماری شریعت میں حرام ہے تو پھر حضرت رضا بریلوی سجدہ اور طواف روضہ کرنے کو اچھا کیوں فرما رہے ہیں؟ جس طرح غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنا ممنوع ہے اسی طرح خانہ کعبہ کے سوا کسی بھی مقام ومکان کا بہ نیت عبادت طواف کرنا بھی ممنوع ہے۔ طواف صرف خانہ کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی عبادت کی نیت سے۔ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کا طواف عبادت کی نیت سے کرے اور دوران طواف بالکل خاموش رہے۔ لفظ اللہ بھی اپنی زبان سے نہ کہے مگر چکر لگاتے وقت طواف کی

نیت ہوتو وہ شخص یقیناً طواف کا ثواب پائے گا اور اگر کوئی شخص طواف کعبہ کی نیت نہ کرے اور صرف ٹہلنے کے لئے خانہ کعبہ کے اردگرد چکر لگا تا رہے اور تلاوت قرآن، ورد وظیفہ اور درود شریف بھی پڑھتا رہے تو ایسا شخص صرف تلاوت اور ورد و وظائف و درود شریف پڑھنے کا ثواب پائے گا، لیکن خانہ کعبہ کے طواف کا مخصوص ثواب پانے سے محروم رہے گا۔ طواف صرف خانہ کعبہ کا نیت کے ساتھ جائز ہے۔ کسی بزرگ کے مکان، مزار، خانقاہ یا اور کسی متبرک مقام کا طواف کی نیت سے طواف کرنا منع ہے۔ اور اگر طواف کی نیت نہیں اور بلا نیت وخیال کسی مقام کے گرد چکر کاٹے تو اس پر طواف کا حکم نافذ نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً: کوئی شاگرد اپنے استاذ کے مکان کی تعمیر، زینت، عرض وطول، رنگ و روغن اور تعمیر کے تعلق سے ضروری امور کا معائنہ کرنے کی غرض سے اپنے استاذ کے مکان کے اردگرد چکر لگا تا ہے تو اس پر یہ الزام صادر نہ ہوگا کہ یہ اپنے استاذ کے مکان کا طواف کر رہا ہے، کیوں کہ طواف کا حکم تب ہی صادر ہوگا جب کہ اس نے طواف کی نیت کی ہو۔ اور نیت آدمی کب کرے گا؟ جب اس کے ہوش وحواس سلامت ہوں۔ نیت دل کے ارادے کا نام ہے اور دل کا ارادہ دماغ کے فیصلہ پر منحصر ہوتا ہے۔ جب کوئی بات دماغ کو اچھی لگتی ہے تو وہ دل کو مشورہ دیتا ہے اور دل کو وہ کام کرنے کے لئے مستعد کرتا ہے۔ دماغ کا مشورہ اور دل کی رضامندی کا جب باہم اتفاق ہوتا ہے تو جسم سے کسی فعل کا صدور ہوتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے سجدۂ در اور طواف کی جو بات کی ہے اس کے پہلے آپ نے بے خودی کے لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ یعنی جس کے ہوش وحواس قائم نہ ہوں، جو بے ہوشی کے عالم میں ہو۔ اور بے ہوشی کے عالم میں روضۂ اقدس کا سجدہ یا طواف کر لیتا ہے تو شرعاً اس پر کوئی مواخذہ نہیں، کیوں کہ جو بے ہوشی کے عالم میں ہوتا ہے اور جتنی دیر تک اس پر بے ہوشی غالب رہتی ہے، اتنی دیر کے لئے وہ مرفوع القلم ہوتا ہے۔ یعنی اس پر شریعت کے قانون نافذ نہیں ہوتے۔ بے ہوشی کے عالم میں آدمی کچھ بھی کرے یا کہے اس کی گرفت نہیں۔

فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں بے ہوشی اور جنون کے تعلق سے الگ اور مستقل ابواب قائم کر کے مسائل بیان کئے گئے ہیں جن کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بے خودی میں یعنی بے ہوشی اور خود رفتگی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کا سجدہ یا طواف کرتا ہے تو اس میں کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، کیوں کہ وہ جو بھی کرتا ہے وہ بے اختیاری کے عالم میں کرتا ہے، نیت اور ارادے سے نہیں کرتا۔ اور سجدہ وطواف بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتے۔ اس پر سجدہ اور طواف کا گمان بد نہیں کرنا چاہیئے، جیسا کہ میرے آقائے نعمت، میرے ماویٰ وملجا، میرے ہادی ومقتدیٰ، میرے معین ومددگار، میرے ناصر وغم گسار، شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدی سندی مرشدی حضور مفتیٔ اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر میں فرماتے ہیں:

سنگ در جاناں پر کرتا ہوں جبیں سائی
سجدہ نہ سمجھ نجدی سر دیتا ہوں نذرانہ

اب حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی، ''جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا'' پر بھی کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ جب غیر خدا کو سجدہ اور خانہ کعبہ کے علاوہ کسی دوسرے مکان کا طواف ممنوع ہے تو کسی شخص نے بے خودی کے عالم میں سجدہ یا طواف کر لیا تو بات ٹھیک ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں، لیکن حضرت رضا بریلوی کو ''جو کیا اچھا کیا'' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ جب کہ بے خودی کے عالم میں اس نے خلاف شریعت کام کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بے خودی کی وجہ سے اس کی گرفت نہیں لیکن کام تو خلاف قانون شریعت ہے۔ اس کو اچھا کہہ کر سراہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس طرح سراہنے سے اوروں کو یہ فعل کرنے کی ترغیب ہوگی اور ان کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر پر یہ اعتراض کرنے والا بزعم خویش خوش ہوتا ہوگا کہ ہم نے اچھی گرفت کی ہے، لیکن ان معترضین کو کیا معلوم کہ ''جو کیا اچھا کیا''

کے اس چھوٹے سے جملہ میں حضرت رضا بریلوی نے علم تصوف اور علم نفسیات کے اہم نکات بیان فرمادیئے ہیں۔علم تصوف میں دل کو جسم کا بادشاہ اور دماغ کو اس کا وزیر کہا گیا ہے۔بادشاہ بھولا ہے لیکن وزیر بہت چالاک ہے۔ بادشاہ کے تمام ارادوں کو وزیر جانتا ہے کہ یہ ارادہ مناسب ہے یا نہیں؟ غیر مناسب ارادوں پر عمل کرنے سے وزیر روکتا ہے۔اس غیر مناسب ارادے کے مضر نتائج وخطرات سے دل کو آگاہ کرتا ہے اور حتی الامکان اس کے ارتکاب سے روکتا ہے۔دل بھی اپنے دماغ کے مشوروں کو اکثر قبول کرتا ہے۔اگر وزیر کی رائے میں وہ کام نامناسب ہوتا ہے تو اس کام سے بادشاہ باز رہتا ہے اور اگر مناسب ہوتا ہے تو کرتا ہے۔مختصر یہ کہ جب دل اور دماغ کسی کام کے کرنے پر متفق ہوتے ہیں تب ہی وہ کام عمل میں آتا ہے۔ مثلاً: ایک ذیابیطس کا مریض ہے۔میٹھی چیز کھانا اس کی صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔اس مریض کے سامنے حلوہ یا افلاطون پیش کیا گیا۔ دل تو چاہتا ہے کہ مرغوب چیز ہے تھوڑی کھالوں۔لیکن دماغ دل کو اپنے ارادے سے باز آنے کا مشورہ دے گا کہ میٹھائی کھانا بد پرہیزی ہے اور اس کے نتیجے میں تمہاری بیماری بڑھ جائے گی۔اسی طرح کوئی دشمن سامنے آتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ اس کی اچھی طرح مرمت کردوں،لیکن دماغ مشورہ دیتا ہے کہ اگر تم نے اس کو زدوکوب کیا تو اس کے رشتہ دار تم سے انتقام لیں گے۔اسی لئے جس کا دماغ صحیح سوچتا ہے اس کو عقلمند اور دانا کہا جاتا ہے اور جس کا دماغ چل جاتا ہے اور صحیح سوچنے سے معذور ہوتا ہے اسے کم عقل یا بے وقوف کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔دل چوں کہ اپنی اہمیت کی وجہ سے تمام اعضاءِ جسم پر بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کی اہمیت وفوقیت مسلم ہونے کے باوجود وہ دماغ کے مشورے کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔وہ دماغ کے فیصلے کو غلط نہیں کہتا۔حالاں کہ دل اپنے ارادے کی تکمیل کا خواہاں ہوتا ہے۔اس کے جذبات جوش دلاتے ہیں لیکن دماغ کی رائے کے آگے مجبور ہوجاتا ہے اور اپنے ارمانوں کو کچل دیتا ہے لیکن وہ ارمان چکنا چور ہونے کے باوجود دل کے کسی گوشے میں پنہاں رہتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ کب موقع ملے اور یہ

کام انجام دے دوں۔

دل کو بادشاہ کی حیثیت دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس طرح بادشاہ کے وجود سے حکومت قائم رہتی ہے اسی طرح دل کے وجود وزندگی سے جسم قائم رہتا ہے۔ جیسے ہی دل کا دھڑکنا بند ہوا کہ پورے جسم کا نظام رک جاتا ہے۔ اختلاج قلب میں یہی تو ہوتا ہے کہ دل دھڑکنا بند ہوا اور آدمی کام سے گیا۔لیکن دماغ میں یہ بات نہیں۔ دماغ کام نہ کرنے کی حالت میں بھی آدمی زندہ رہتا ہے۔ بہت مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی کا دماغ فیل ہوجاتا ہے۔آدمی مستقل غشی میں ہوتا ہے لیکن مرتا نہیں، کیوں کہ اس وقت اس کے جسم کا بادشاہ یعنی دل بقید حیات ہوتا ہے۔ حالاں کہ وزیر یعنی دماغ کے ماؤف ہوجانے کی وجہ سے اس کے حرکات وسکنات جامد ہوجاتے ہیں لیکن مرتا نہیں۔ دل کے زندہ ہونے کی بدولت وہ جیتا ہے۔اسی طرح کوئی شخص عارضی طور پر بے ہوش ہوجاتا ہے، اس وقت وہ بالکل بے حس ہوتا ہے۔اس کے دماغ کا توازن مفقود ہوتا ہے۔ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوکر وہ بیٹھ جاتا ہے۔

آس پاس کے ماحول تک کا بھی احساس نہیں ہوتا اور وہ مردہ کے مثل ہوجاتا ہے، لیکن فی الحقیقت وہ مردہ نہیں۔اس کے جسم کے تمام اعضاء سوائے دماغ کے سب برابر کام کرتے رہتے ہیں۔البتہ ایسی حالت میں اس کا جسم کار آمد نہیں ہوتا، لیکن مرتا نہیں۔اسی طرح ہم نے بہت سے دیوانے اور پاگلوں کو دیکھا ہے جن کے جسم بالکل صحت مند ہوتے ہیں مگر ان کا دماغ کام نہیں کرتا۔ دماغ کے کام نہ کرنے کے باوجود وہ زندہ ہوتے ہیں۔ دیگر ضروریات جسمانی بھی بجالاتے ہیں، لیکن وہ اپنے میں نہیں ہوتے۔ خود اپنے سے بھی بیگانہ ہوتے ہیں۔ وہ بولتے بھی ہیں، سنتے بھی ہیں لیکن ان کا بولنا اور دیگر حرکات کرنا صرف دل کے ماتحت ہوتا ہے۔ دماغ کا تسلط ختم ہوجاتا ہے اور دماغ کا تسلط ختم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے اندر دانش مندی، حالات سے آگہی، اچھے برے کی تمیز وغیرہ جیسی اہم خوبیاں رخصت ہوجاتی ہیں۔ اب اس کا ہر قول وفعل غیر ذمہ دارانہ ہوتا ہے۔ جو جی میں آتا ہے بکتا ہے، جو من میں آتا ہے

کرتا ہے۔کسی کو گالی دینا یا کسی کو پتھر مار دینا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں، کیوں کہ اب اس کے جسم کی سلطنت بغیر وزیر (دماغ) کے صرف بادشاہ (دل) کے ارادوں پہ چلتی ہے اور کسی قسم کے قید و بند سے پرے ہو کر بے لگام ہوتی ہے۔

اب ہم اس مرحلہ پر آ پہنچے ہیں کہ حضرت رضؔا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے مصرع ثانی ''جو کیا اچھا کیا'' کا معقول جواب معترض کو دیں۔سابقہ تمہید سے یہ ثابت ہوا کہ دماغ کی غیر موجودگی میں اعضائے جسم دل کے ایماء واشارے پر چلتے ہیں۔اب دل کے جوش پر دماغ کے ہوش کی لگام نہیں ہوتی۔دل کے وہ ارادے جو دماغ کی موجودگی میں پایہ تکمیل کو نہ پہنچے تھے اور دل کے کسی گوشے میں پنہاں ہو گئے تھے، وہ ادھورے ارمان اب دماغ کی غیر موجودگی میں انگڑائی لے کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور دل سے مطالبہ اور تقاضہ کرتے ہیں کہ طویل مدت سے ہم اپنا من مار کر ایک گوشے میں پڑے ہیں۔دماغ نے تم کو اپنی رائے سے خائف کر دیا اور تم نے ہماری حسرتیں ادھوری چھوڑ دی۔اب دماغ کی دخل اندازی نہیں ہے، اس کی روک تھام نہیں ہے، اب تو ہم کو مچلنے دے۔متواتر مطالبہ ہونے پر دل بالآخر مجبور ہو جاتا ہے اور بلا سوچے سمجھے وہ اپنے ارمان اور اپنی حسرتیں پوری کرنے کی اجازت عطا کر دیتا ہے۔بارہا کا مشاہدہ ہے کہ دیوانہ آدمی یا بے ہوش آدمی اپنی دیوانگی یا بیہوشی کے عالم میں کچھ نہ کچھ قولی اور فعلی حرکت کرتا ہے اور اس قولی و فعلی حرکت کا تعلق اب اس کے دماغ کے ذریعہ نہیں بلکہ براہ راست دل سے متعلق ہوتا ہے۔کوئی دیوانہ مسلسل گالی ہی بکتا رہتا ہے، کوئی راستہ چلتے لوگوں کو پتھر مارتا رہتا ہے، کوئی اپنے کپڑے اتار کر بالکل ننگا گھومتا ہے۔کوئی اپنے کسی عزیز کو بار بار پکارتا رہتا ہے، کوئی گندی نالی میں پڑا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح بے ہوش آدمی بھی کبھی کبھی کچھ بک بک کرتا ہے اور وہ بھی وہی بات زبان پر لاتا ہے جو اس کے دل میں ہوتی ہے۔اب حضرت رضا کے شعر کی طرف اپنا ذہن منتقل کریں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ دیوانہ اور بے ہوش آدمی کا ہر قول و فعل اس کے دل کی عکاسی کرتا

ہے۔لیلیٰ کا دیوانہ اپنی دیوانگی کے عالم میں اپنی لیلیٰ کو پکارتا ہے۔کھانے کا شوقین حالت جنون میں بس کھائے ہی جاتا ہے۔ ناجائز کاموں کا دلدادہ اپنے پاگل پن کے عالم میں بھی ان ناجائز کاموں کا اعادہ کرتا رہتا ہے۔اپنی ادھوری حسرتوں کو اپنے جنون میں پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔تو جو عشق رسول کا دیوانہ ہے، جو فراق و ہجر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے بے ہوش ہے، وہ بھی اپنے دل کی کیفیت اپنے قول وفعل سے عیاں کرتا ہے۔دنیا کے دیوانے اپنی دیوانگی کی حالت میں گالیاں بکیں، کسی کو پتھر ماریں، اپنے کپڑے اتار کر بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کریں، اپنی ناجائز معشوقہ کو پکاریں، گندی نالیوں میں پڑے رہیں، ان تمام افعال کے مرتکب دیوانوں کے نازیبا افعال کے مقابلے میں سجدۂ در یا طواف کرنے والے دیوانہ کا کام اچھا ہی ہے۔ کیوں کہ اس کے اس فعل سے اس کے دل میں موجود تعظیم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عکاسی ہوتی ہے۔البتہ اگر اس کی عقل سلامت ہوتی تو اس کا فعل یقیناً مذموم ہوتا جیسے کہ کسی کو پتھر مارنے والے دیوانے کی عقل سلامت ہوتی تو اس کا پتھر مارنا تعزیرات ملک کے اعتبار سے مذموم اور قابل سزا ہوتا لیکن اس کی عقل سلامت نہ ہونے کے عذر نے اس کو سزا سے امان و حفاظت بخشی، اسی طرح عقل کی سلامتی کے ساتھ سجدۂ در یا طواف کرنے والا ضرور مستحق عتاب وملامت ہے۔لیکن اس کی بے خودی نے اس کو مرفوع القلم بنا دیا۔ دونوں یعنی کہ سجدۂ در وطواف کرنے والا اور کسی کو پتھر مارنے والا اپنے فعل کے ارتکاب میں فقدان عقل و ہوش کی بنا پر مرفوع القلم ہیں، لیکن دونوں کے فعل میں کتنا عظیم فرق ہے۔ایک لوگوں کی ایذا رسانی پر تلا ہوا ہے اور دوسرا باعث تخلیق کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در پر جھکا ہوا ہے اور اس کا یہ فعل ایذا رسانی پر تلے ہوئے فعل کے مقابلے میں کیا ہی اچھا ہے۔

ایک ضروری وضاحت بھی لازمی ہے کہ یہاں تک کی تفصیلی بحث کے مطالعہ سے کوئی صاحب یہ نظریہ قائم نہ کرلیں کہ معاذ اللہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سجدۂ

در یا طواف کے جواز کے قائل ہیں اور اس فعل کی ترغیب دینا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ دور حاضر کے منافقین وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی وغیرہ فرقہ باطلہ کے متبعین حضرت رضا اور تمام اہل سنت و جماعت کو ''قبر پوجوا'' کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جھوٹے الزامات واتہامات کے ذریعہ بدنام کرنے کی سعیٔ بے جا کرتے ہیں۔ شریعت مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے جب غیر خدا کے لئے تعظیم کا سجدہ ہی حرام قرار دیا ہے تو ہرگز اہل سنت و جماعت اس کے جواز کے قائل نہیں اور نہ ہی حیلے حوالے، تاویل و بہانے سے اس کے جواز کی صورت نکالنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ غیر خدا کے لئے سجدۂ تعظیمی کی حرمت کے شدت سے قائل ہیں۔ اس عنوان پر امام عشق ومحبت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک معرکتہ الآراء کتاب بنام'' الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية ''تصنیف فرمائی ہے اور غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنا حرام ہونے کے ثبوت میں براہین وشواہد کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس میں آپ نے صاف صاف فرمایا ہے کہ قبر کو سجدہ کرنا تو درکنار بلکہ قبر کے سامنے خدا کو سجدہ کرنا بھی منع ہے۔ اس کتاب میں آپ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ جس مقبرہ میں قبریں ہوں وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی نیت سے بھی نماز نہ پڑھنی چاہیئے، اس فرمان کے پیچھے آپ کا یہ مقصد اور دور اندیشی ہے کہ اگر قبر کی طرف منھ کر کے ہم اللہ کی عبادت کی نیت سے بھی نماز پڑھیں گے تو کسی کو بدگمانی ہوگی کہ شاید یہ شخص قبر کو سجدہ کر رہا ہے۔

امام عشق ومحبت، حضرت رضا بریلوی کا شماران عاشقان صادق میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو ہر شئی پر ترجیح دی، دربار نبوی کا ادب واحترام اس طرح ملحوظ رکھا کہ کبھی سرمو اس میں نہ غلو ہوا نہ تنقیص، اور فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پورا لحاظ کرتے ہوئے شریعت مطہرہ کے قوانین کی پاسداری کی۔ اپنے جوش الفت کو ہوش حدود شریعت سے قابو میں رکھا اور حدود شرع سے سرمو بھی تجاوز نہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں زیارت کے لئے حاضر ہوئے

اور پیارے آقا کی مقدس آرام گاہ پر نظر پڑی تو فرط الفت اور جذبۂ عشق سے آپ کا دل نثار ہونے کے لئے مچلنے لگا اور بے قرار دل کی سوزش عشق نے وہ ساعت لا کھڑی کردی جہاں کہ عاشق کے لئے ضبط وصبر کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور بحر عشق کے جوش میں بہک جانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی نے ایسے وقت میں بھی پاس شریعت کو ملحوظ رکھا اور اپنے جوش عشق کو قانون شریعت کی لگام دی اور اپنی دلی کیفیت کا اظہار کچھ یوں فرمایا:

پیش نظر وہ نوبہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

یعنی نظروں کے سامنے کونین کے دولہا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نئی رونق کے ساتھ جلوہ فرما ہیں۔ اس مقدس آقا کے آستانے کو سجدہ کرنے کے لئے دل بے قرار ہے۔ لیکن اے عاشق! اے محبت رسول کا دم بھرنے والے! خبردار! سجدہ مت کرنا! سجدہ کرنے سے اپنے سر کو روک لے! اگر تو محبت رسول کا دعویٰ کرتا ہے تو سن لے! آج تیری محبت کا امتحان ہے سچی محبت کا تقاضا یہی ہے کہ جس سے محبت کی جائے اس کے ہر فرمان پر عمل کیا جائے! اس کے حکم کے خلاف ہرگز قدم نہ اٹھنا چاہیئے! اے رضاؔ! تو اپنے آقا کی محبت میں اس منزل پر پہنچا ہے کہ تیرا دل ہجر وفراق میں بے چین و بے قرار ہے اور اسی بے قراری کے عالم میں وصل محبوب میں تیرا دل سجدہ کرنا چاہتا ہے، لیکن اسی پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیر خدا کو سجدہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ لہٰذا آداب محبت کا تقاضا یہ ہے کہ پیارے آقا کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے سجدہ نہ کیا جائے۔ جوش عقیدت سجدہ کرنے پر اکسائے لیکن ایک عاشق صادق کے عشق کی صداقت کا یہی امتحان ہے کہ ہوش کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔

ایک دوسرے مقام پر حضرت رضاؔ بریلوی اتنی بہترین اور نفیس بات فرماتے ہیں کہ آپ کی شان احتیاط کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے، آپ فرماتے ہیں:

اے شوق دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

یعنی اے شوق دل ! اے خواہش دل! اے اشتیاق قلب! تیری آرزو تو یہی ہے کہ تو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرے، لیکن یہ ممکن نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ لہٰذا آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا روا نہیں۔ اب کیا ہو؟ سجدہ کرنے سے قانون شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور سجدہ نہ کرنے سے شوق دل کی سیری نہیں ہوتی، سجدہ کرنا شوق دل کا تقاضا ہے اور نہ کرنا شریعت کا مطالبہ ہے۔ کرنا بھی دشوار ہے اور نہ کرنا بھی مشکل ہے، کرنے میں دل کے شوق کی رواداری ہے اور نہ کرنے میں شریعت کی پاسداری ہے۔ شوق دل کی تشفی کے لئے سجدہ کرنا ضروری ہے اور ناموس شریعت باقی رکھنے کے لئے سجدہ نہ کرنا لازمی ہے۔ لیکن اے شوق دل! تیری التجا اور منت ہرگز قابل قبول نہیں شریعت مطہرہ کی حرمت کے سامنے تیری منت وسماجت کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم کسی بھی حالت میں تجھے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اے شوق دل! ہمیں تیرے جذبات اور ارمان کا ضرور احساس ہے۔ تجھے سجدہ سے روکنے میں تیری آزاری ضرور ہے۔ لہٰذا ہم ایک نیا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور یہ سجدہ کے بجائے وہ سجدہ کرنے کا تجھے مشورہ دیتے ہیں جس میں سر نہ جھکے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے کمال فن کا مظاہرہ فرماتے ہوئے دو متضاد الفاظ ''یہ'' اور ''وہ'' کا استعمال دونوں مصرعوں میں لفظ سجدہ کے پہلے فرما کر بڑے بڑے ماہرین فن کو متعجب کر دیا ہے۔ یہ سجدہ سے مراد وہی سجدہ ہے جو عوام و خواص میں مشروع، رائج اور مشہور ہے۔ یعنی سجدۂ نماز یا سجدۂ تلاوت وغیرہ۔ نماز میں جو سجدہ کیا جاتا ہے اس کی ہیئت سب کو معلوم ہے۔ اس سجدہ کے صحیح ہونے کے لئے کچھ احکام ہیں۔ فقہی مسائل کے اعتبار سے سجدہ میں کل آٹھ فرائض ہیں۔

پیشانی، ناک، دونوں ہاتھوں کے پنجے، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں زمین سے لگنا پھر اس کے بھی فرائض، واجبات، سنن و مستحبات الگ الگ ہیں، جن کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں۔ صرف پاؤں زمین پر لگنے کی ہیئت عرض کئے دیتا ہوں۔ دونوں پاؤں کے انگوٹھوں کا پیٹ اس طرح سے لگے کہ انگوٹھے کا سر جہت قبلہ کی طرف رہے اس طرح انگوٹھوں کا زمین سے لگانا واجب ہے اور چاروں انگلیوں کا لگانا مستحب ہے یہ ہوئی سجدے کی وضاحت، بہت سے لوگ سجدہ کرتے وقت مذکورہ طریقے پر انگوٹھے یا انگلیاں زمین سے نہیں لگاتے اور پاؤں کے انگوٹھے یا انگلیاں زمین سے اس طرح اٹھی ہوتی ہیں کہ زمین کو مس ہی نہیں کرتیں۔ اس صورت میں سجدہ ادا نہ ہوگا اور اگر سجدہ ادا نہ ہوا تو پھر نماز بھی ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا اس مسئلہ کی طرف التفات کرکے صحیح طریقے سے سجدہ ادا کرنا چاہیئے۔

نماز میں جس طریقہ اور ہیئت سے سجدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت ہر شخص جانتا ہے۔ اس کی ہیئت دیکھ کر ہی پتہ چلتا ہے کہ سجدہ کیا جارہا ہے۔ دونوں پاؤں، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ، ناک اور پیشانی کو زمین پر ٹیکنے کی صورت اور ہیئت کو ہی سجدہ کہا جائے گا اور اس کے خلاف کسی اور صورت یا کسی اور ہیئت سے سجدہ ادا نہ ہوگا۔ پھر چاہے سجدہ کی نیت کرے مثلاً: کوئی شخص اپنا سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کرکے زمین پر الٹا کھڑا ہوجائے یا کروٹ لیٹ جائے یا چت لیٹ جائے اور سجدہ کی نیت کرے، تو بھی اس کا سجدہ ادا نہ ہوگا، کیوں کہ سجدہ کے جو شرائط ہیں وہ نہیں پائے گئے۔ لہٰذا شرائط کی ادائیگی کے ساتھ جو سجدہ کیا جائے گا وہی سجدہ کے حکم میں آئے گا اور اسی پر سجدے کا اطلاق ہوگا اور اسی کو حضرت رضا بریلوی اپنے شعر میں ''یہ سجدہ'' سے اشارہ فرماتے ہیں۔ یعنی اے شوق دل! پیشانی، ناک اور دیگر اعضائے بدن کو ارکان سجدہ کے شرائط کے موافق ادا کیا جانے والا یہ سجدہ تو روا نہیں لہٰذا تو اپنے ارمان کی تکمیل کے لئے وہ سجدہ کر کہ سر کو بھی خبر نہ ہو۔ یعنی نہ پیشانی زمین سے لگے نہ ناک لگے نہ دونوں ہاتھوں کے پنجے لگیں نہ دونوں گھٹنے لگیں اور نہ دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین سے مس ہوں۔ یعنی کہ مشروع، رائج اور

متعارف سجدے کی ایک بھی ہیئت اس میں نہ ہوایسا سجدہ کرنے سے تیرا شوق بھی پورا ہو جائے اور قانون شریعت کی خلاف ورزی بھی نہ ہوگی۔ وہ سجدہ جس میں نہ سر جھکے بلکہ سر کو خبر تک نہ ہو اس سجدے میں دیگر اعضائے سجدہ کا حرکت کرنا ہی محال ہے، کیوں کہ سجدہ کرنے میں سر مقدم اور متبوع ہوتا ہے اور باقی اعضاء موخر و تابع ہوتے ہیں۔تو جس سجدے کا حضرت رضا بریلوی ذکر کرتے ہیں اس میں ناک، پیشانی، گھٹنے، ہاتھ اور پاؤں کو حرکت دینے کی قطعاً ضرورت نہیں کیوں کہ یہ دل کا سجدہ ہے۔ یہ سجدہ عام سجدہ کی طرح بدن کے اعضائے ظاہری سے ادا کیا جانے والا اور نظر آنے والا سجدہ نہیں، بلکہ جسم کے خاص عضو اور وہ بھی عضو باطن دل سے ادا کیا جانے والا اور کسی کو بھی نظر نہ آنے والا سجدہ ہے اور جس پر مشروع سجدے کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا اور اس کو ناروا نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ اس میں قانون شریعت کی مخالفت نہیں۔

غیر خدا کو کسی بھی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں۔اگر سجدہ عبادت ہے تو کھلم کھلا شرک ہے اور تعظیم کا سجدہ ہے تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔اس حقیقت کو باور کرانے کے لئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

نہ ہو آقا کو سجدہ ، آدم و یوسف کو سجدہ ہو
مگر سد ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

یعنی یہ کیا بات ہے کہ حضرت آدم اور حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کو تو سجدہ ہو لیکن افضل الخلق ، سید الانبیاء والمرسلین ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ نہ ہو؟ حضرت آدم اور حضرت یوسف کو تعظیم کا سجدہ کیا گیا تھا اور تعظیم کا سجدہ معظم و ذی شان شخصیت کو اس کی تعظیم و توقیر بجالانے کے لئے کیا جاتا ہے۔اس کائنات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد سب سے اعلیٰ مرتبہ اور سب سے زیادہ عزت اللہ کے پیارے محبوب، افضل الخلق ، سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔لہٰذا تعظیم و توقیر کے سب سے زیادہ لائق وہی ہیں لیکن ان کو سجدہ نہیں کیا گیا اور حضرت آدم اور حضرت یوسف کو سجدہ کیا گیا۔

حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیئے کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کیا جائے مگر ایسانہیں ہوااور ایسا نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟اس معمہ کو سلجھاتے ہوئے حضرت رضا بریلوی شعر کے مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ ''مگر سد ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا''یعنی ہماری شریعت نے اس طریقے پر عمل کرنے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ناظرین کی معلومات کے لئے ذیل میں حل لغت دیتے ہیں۔

حل لغت:

سد: اوٹ،دیوار، پردہ،روک،ممانعت،روکنا،دو چیزوں کے درمیان روک

(فیروزاللغات،ص ۷۸۵)

ذرائع: ذریعہ کی جمع ،طریقے،راستے،وسائل (فیروزاللغات،ص ۶۹۰)

داب: بوجھ،وزن،دباؤ،خو،خصلت،عادت، چھاپے کا نشان،وغیرہ(فیروزاللغات،ص ۶۰۵)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تعظیم کا سجدہ نہیں کیا گیا،اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کی شریعت نے غیر خدا کو تعظیم کا سجدہ کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔جب حضور نے تعظیم کے سجدے کی تاکید کے ساتھ حرمت اور ممانعت فرمادی ہے تو اب حضور کے حکم کے خلاف عمل کر کے حضور کو سجدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ حضور ہی کے فرمان اقدس پر عمل کر کے حکم کی بجا آوری کرنا ہی حضور کی تعظیم وتوقیر ہے۔

سجدۂ در مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے حضرت رضا ایک شعر میں فرماتے ہیں:

کالک جبیں کی سجدۂ در سے چھڑاؤ گے
مجھ کو بھی لے چلو یہ تمنا حجر کی ہے

یعنی مکہ معظّمہ میں ارکان حج ادا کرلینے کے بعد مدینہ منورہ جانے والوں سے خطاب ہے کہ اے مدینہ جانے والو! تم خوش نصیب ہو۔اس مقدس در کی حاضری کے لئے جاتے ہو

جہاں کی حاضری سے گناہ دھل جاتے ہیں۔تم جاؤ،ضرور جاؤ اوراس در کا سجدہ کر کے اپنی جبیں (پیشانی) کی سیاہی (کالک) کو صاف کر لینا۔اب یہاں پھر در پاک کو سجدہ کرنے کا اعتراض ہوسکتا ہے،لیکن جناب عالی! صبر کیجئے دوسرے مصرع میں وضاحت ہے کہ در اقدس کو سجدہ کرنے کی بات حجر اسود کر رہا ہے جیسا کہ مصرع ثانی میں ہے کہ ''مجھ کو بھی لے چلو، یہ تمنا حجر کی ہے''یعنی مدینہ شریف جانے والوں سے حجر اسود پکار پکار کر کہتا ہے کہ مجھ کو بھی مدینہ منورہ لے چلو، کیوں کہ تم تو وہاں کی حاضری سے اپنی جبیں کی سیاہی مٹالو گے لیکن میری تمنا ادھوری رہ جائے گی۔

- حدیث میں ہے کہ حجر اسود جب جنت سے دنیا میں آیا تب وہ بالکل سفید تھا۔لوگ اس کا بوسہ دیتے ہیں تو وہ بوسہ دینے والے کے گناہوں کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔اسی طرح بوسہ دینے والوں کے گناہوں کو جذب کرتے کرتے اس کا رنگ سیاہ ہوگیا ہے۔

لہٰذا سجدۂ در کی تمنا حجر اسود کر رہا ہے کہ کاش! مجھے اس در اقدس کی حاضری کی سعادت حاصل ہوجائے اور سجدہ کرنے کا موقع میسر ہوجائے تو میں سجدہ کر کے اپنے چہرے پر بوسہ دینے والوں کے گناہوں کے سبب جو سیاہی آگئی ہے اس کو صیقل کر کے اپنا اصلی رنگ وروپ حاصل کرلوں۔سجدہ کرنے کی تمنا حجر اسود کی ہے اور حجر اسود پر سجدہ کرنے سے کوئی گناہ ہونے کا سوال نہیں۔

سجدۂ در یا طواف کے تعلق سے حضرت رضا بریلوی ایک شعر میں فرماتے ہیں:

اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف
ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

اس شعر میں بھی سجدہ کرنے والے کی بیہوشی کا ذکر ہے، یہ شعر بے خودی میں سجدۂ در یا طواف سے ملتا جلتا شعر ہے اور اس کے بھی قریب قریب وہی معنی ہیں۔

(74)

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

حل لغت:

گلی: کوچہ، محلے کے اندر کا راستہ، آبادی کے اندر تنگ سڑک۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۰۵)

گدا: فقیر، بھیکاری، منگتا، مانگنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۸۴☆لغات کشوری، ص۶۱۰☆کریم اللغات، ص۱۳۳)

میں: اپنی ذات، خود، آپ، تکبر، غرور۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۳۲)

میں: اندر، بھیتر۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۳۲)

تاجدار: بادشاہ، صاحب تاج، تاج والا۔

(فیروز اللغات، ص۳۳۴☆لغات کشوری، ص۱۳۰☆کریم اللغات، ص۳۲)

پھرنا: ٹہلنا، گھومنا، چہل قدمی کرنا، سیر کرنا، گردش میں آنا، چکر لگانا، تبدیل ہونا، بدل جانا، متوجہ ہونا، براز کی حالت رفع کرنا، ٹیڑھا ہونا، مکرنا، پلٹنا، چکر آنا۔

(فیروز اللغات، ص۳۱۵)

پہلے مصرع میں پہلے لفظ ''میں'' کا مطلب ''خود'' ہے۔

پہلے مصرع میں دوسرے لفظ ''میں'' کا مطلب ''اندر'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دراقدس کی عظمت بیان کررہے ہیں اور ساتھ میں اپنے آپ کو اس دراقدس کا گدا اور منگتا کہہ کر ''وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ''یعنی اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ پر عمل کررہے ہیں۔اور یہ حقیقت ہے کہ جس کو اس دراقدس کی گدائی حاصل ہوگئی اسے دنیا کی بادشاہی حاصل ہوگئی۔اس در کے گدا کی نظروں میں دنیا کی بادشاہت کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا کی سلطنت کو وہ ہیچ سمجھتا ہے۔ بقول حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان:

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج
جس کی خاطر مرگئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

حضرت رضا بریلوی مصرع اول میں فرماتے ہیں کہ میں اس گلی کا گدا ہوں جس میں کیا ہوتا ہے؟ ارے مانگتے تاجدار پھرتے ہیں۔دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے بادشاہ اور عظیم ملکوں کے حکمراں اور وزراء جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں تو ایک بھکاری اور منگتا کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں۔کیوں کہ یہ دربار کسی دنیوی بادشاہ کا نہیں بلکہ شہنشاہ کونین کا مقدس دربار ہے۔یہاں آنے والا کوئی شاہانہ اور حاکمانہ شان سے نہیں، بلکہ سوالی بن کر حاضر ہوتا ہے۔اس شعر کے مصرع اول میں لفظ ''میں'' کا استعمال دومرتبہ کیا گیا ہے۔دونوں لفظ ''میں'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے جدا ہیں۔پہلی مرتبہ جو لفظ ''میں'' ہے وہ ضمیر ہے اور خود اپنی ذات کے معنی میں ہے۔دوسری مرتبہ جو لفظ ''میں'' ہے وہ اسم ہے اور اندر و بھیتر کے معنی میں ہے۔لہٰذا یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے دنیا کے تاجداروں کو اپنے آقا ومولیٰ تاجدار مدینہ شہنشاہ کونین کی گلی کا منگتا کہا ہے اور یہ حقیقت ہے۔اس کی تفصیل سے کتب سیر وتاریخ لبریز ہیں۔اس کی مختصر تشریح شعر نمبر 28 ''تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم'' کی تشریح

میں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ یہاں ایک بات کی وضاحت کردینا ضروری ہے کہ جو شاہان دنیا بارگاہ رسالت کے منگتا کی حیثیت سے آتے ہیں، ان سب کے پاس آسائش دنیا کے تمام اسباب موجود ہوتے ہیں۔ دنیوی مال واسباب کی انہیں قطعاً ضرورت نہیں۔ لیکن پھر بھی صرف اس نیت سے آتے ہیں کہ ہماری بادشاہی اور حکومت اس شہنشاہ کے طفیل ہی قائم ودائم ہے ان کی نظر کرم سے ہی ہماری حکومت برقرار ہے۔ ہم اپنے ملک کے بادشاہ ضرور ہیں۔ لیکن ہم بادشاہوں کا بادشاہ کونین کا شہنشاہ تو مدینہ منورہ میں آرام فرما ہے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ چھوٹا حاکم بڑے حاکم کی خدمت میں سلامی اور آداب بجالاتا ہے، تاکہ اس کی نظر کرم اس پر رہے۔ علاوہ ازیں چھوٹا بادشاہ بڑے بادشاہ کی حتی الامکان خدمت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کا حکم بسروچشم قبول کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

● ۵۵۷ھ میں سلطان نورالدین محمود شہید بن عمادالدین زنگی نے آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا کہ آپ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ مجھے ان دو آدمیوں کے شر سے بچاؤ۔ سلطان نورالدین زنگی نے اپنی دانائی سے تاڑ لیا کہ ضرور کوئی عجیب وغریب واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا ہے، اس لئے مدینہ منورہ جلد پہنچ جانا چاہیئے۔ چنانچہ سلطان اسی وقت رات کے آخری حصہ میں اپنے بیس خادموں کے ساتھ تیز رفتار سانڈنیوں پر روانہ ہوگئے۔ اپنے ساتھ کثیر مال بھی لے گئے۔ سولہ دن تک مسلسل سفر کرنے کے بعد شام کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور فوراً ان دونوں ملعونوں کی شناخت کی سبیل پیدا کی۔ سلطان نورالدین نے اعلان کرایا کہ مدینہ کا ہر باشندہ حاضر ہو اور سلطانی سخاوت میں سے اپنا حصہ حاصل کرے۔ اس اعلان کے بعد ہر شخص باری باری سلطان سے ملتا۔ سلطان اس کو مالامال کرکے رخصت کردیتے، مگر وہ دونوں شکلیں ابھی تک نہ دکھائی

پڑیں جو خواب میں دکھلائی گئی تھیں۔ سلطان نور الدین زنگی نے کہا کہ اہل شہر میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو حاضر نہ ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا اہل مدینہ میں سے کوئی شخص باقی نہ رہا۔ البتہ دو عابد وزاہد شخص جو مغرب کے رہنے والے ہیں باقی رہ گئے ہیں۔ یہ دونوں شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اور کسی سے بات چیت تک نہیں کرتے۔ ان کو دنیا کے ساز وسامان سے کوئی غرض نہیں۔ اسی وجہ سے دونوں حاضر نہ ہوئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ ان دونوں کو بھی لایا جائے۔ جب وہ دونوں سامنے آئے تو سلطان نے پہلی ہی نظر میں انہیں پہچان لیا۔ یہ وہی ہیں، جن کی طرف خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ سلطان نے ان دونوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ کہاں ٹھہرے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ حجرہ شریف گنبد خضریٰ کے مغربی جانب ایک مکان میں رہتے ہیں۔

سلطان نور الدین نے یہ معلوم کر کے ان دونوں کو وہیں چھوڑا اور خود اس مکان میں پہنچ گئے جہاں وہ دونوں مقیم تھے، اس مکان میں ایک کھڑکی مسجد کی دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ سلطان نور الدین نے اس مکان کا جائزہ لیا، ایک طرف طاق میں دو کلام مجید اور وعظ و نصیحت کی چند کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ دوسری طرف غرباء ومساکین کے لئے کچھ غلہ تھا۔ ان کے سونے اور آرام کرنے کی جگہ ایک چٹائی پڑی ہوئی تھی۔ سلطان نے چٹائی اٹھائی تو وہاں ایک گہرا گڑھا برآمد ہوا جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار شریف کی طرف کھدا ہوا تھا۔ اس مکان کے ایک گوشے میں ایک کنواں تھا جس میں گڑھے کی مٹی ڈالی جاتی تھی اور بروایت دیگر چمڑے کے تھیلے بھی پائے گئے۔ جن میں رات میں مٹی بھر کر بقیع قبرستان میں ڈال آتے تھے۔ سلطان نور الدین مکان کا جائزہ لے کر واپس آئے اور دونوں کو ڈرایا، دھمکایا اور زدوکوب کر کے اس حرکت کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے ظاہر کیا کہ ہم دونوں عیسائی ہیں۔ اور نصاریٰ نے ہم کو مال کثیر دے کر مغربی حاجیوں کے لباس میں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم کسی حیلہ

سے حجرہ شریف میں داخل ہوکر پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم (مبارک) کو یہاں سے منتقل کردیں۔ جس رات یہ سرنگ قبر شریف کے قریب پہنچنے والی تھی، کثرت سے ابر آیا اور بارش ہونے لگی، اور بجلی کی گرج وچمک نے وہ زور باندھا کہ زلزلہ پیدا ہوگیا۔ اور اسی رات کی صبح کو سلطان نورالدین مدینہ پہنچ گئے۔

ان دونوں کی باتیں سن کر سلطان کا غصہ بھڑک اٹھا اور ساتھ میں رقت بھی طاری ہوئی۔ سلطان بہت روئے۔ پھر ان دونوں ناپاک کی گردنیں اڑادیں اور ان کی لاشوں کو جلادیا۔ اس کے بعد حجرۂ مقدسہ کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھدوائی کہ پانی نکل آیا۔ پھر سیسہ پگھلا کر اس خندق میں بھروادیا تاکہ مستقبل میں کوئی مفسد ملعون قبر شریف تک نہ پہنچ سکے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد اول، ص ۱۲۷)

مذکورہ واقعہ کے عین مطابق اور بھی کئی واقعات رونما ہوئے تھے لیکن ہر مرتبہ گستاخوں کے ناپاک ارادے ناکام ہوتے رہے۔

- شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں مذکورہ واقعہ کی مدینہ منورہ کے تمام مورخین نے تصدیق کی ہے جن میں شیخ جمال الدین مطہری اور مجد الدین فیروز آبادی اور بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔ امام عبداللہ یافعی نے سلطان نورالدین زنگی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ بعض کاملین شیوخ کا قول ہے کہ سلطان نورالدین کا شمار چالیس اولیاء میں ہے۔ ان کے نائب سلطان حضرت صلاح الدین ایوبی تین سو میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ میں نے شاہان اسلام اور ان کے بعد والوں کی تاریخیں معلوم کیں، تو خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد کوئی بادشاہ سلطان نورالدین زنگی سے زیادہ نیک سیرت نہیں ملا۔ (جذب القلوب، ص ۲۱۹)

(75)

خانۂ دل کو ضیا دے روئے ایماں کو جمال
شہ ضیا مولیٰ جمال الاولیا کے واسطے

حل لغت:

خانہ: گھر، بیت، مکان، کبوتروں یا مرغیوں کا ڈربہ، آشیانہ، گھونسلا، صندوقچہ کے اندر کا حصہ، شطرنج کی بساط کا ایک حصہ، پیٹ، شکم، انگوٹھی میں وہ جگہ جہاں نگینہ ہوتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص۵۸۳☆ لغات کشوری، ص۲۵۱ ☆ کریم اللغات، ص۶۲)

ضیا: روشنی، چمک، رونق، روشنی آفتاب کی۔

(فیروز اللغات، ص۸۷۱☆ لغات کشوری، ص۴۶۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۴)

رو: چہرہ، مکھڑا، رخ، صورت، شکل، سبب، وجہ، باعث، بساط، سطح، تختہ، سامنا، آگاہ، امید، تمنا، رعایات۔

(فیروز اللغات، ص۷۲۳☆ لغات کشوری، ص۳۳۲ ☆ کریم اللغات، ص۸۱)

جمال: حسن، جوبن، روپ، خوبصورتی۔

(فیروز اللغات، ص۴۷۰ ☆ لغات کشوری، ص۱۹۹☆ کریم اللغات، ص۵۲)

شہ: شاہ کا مخفف یعنی بادشاہ، دولھا، بڑا، اعلیٰ، حمایت، ترغیب، بہکانا، استعمال، رد، ڈھیل۔ (فیروز اللغات، ص۸۵۰☆ لغات کشوری، ص۴۳۳)

ضیا: مراد حضرت قاضی ضیاء الدین المعروف بہ شیخ جیا رضی اللہ عنہ (شجرہ برکاتیہ رضویہ، ص۱۱)

جمال: مراد حضرت شیخ جمال الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ (شجرہ برکاتیہ رضویہ، ص۱۱)

پہلے مصرع میں لفظ ''ضیا'' کا مطلب ''روشنی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''ضیا'' سے مراد ''قاضی ضیاء الدین'' ہیں۔

پہلے مصرع میں لفظ ''جمال'' کا مطلب ''خوبصورتی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں ''جمال'' سے مراد ''شیخ جمال الاولیاء'' ہیں۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضؔا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کے دو عظیم المرتبت بزرگوں کے صدقے اور طفیل دو چیزیں مانگ رہے ہیں۔ اول: دل کے گھر کو روشنی، دوم: ایمان کے چہرے کو خوبصورتی، اوران دونوں کے حصول کے لئے ان مرادوں کے مترادف القاب واسماء والے بزرگوں کا واسطہ دے رہے ہیں۔یعنی خانۂ دل کی ضیا کے لئے حضرت قاضی ضیاء الدین عرف شیخ جیاء اورروئے ایمان کے جمال کے لئے حضرت سید شیخ جمال الاولیاء کا واسطہ دے رہے ہیں۔

اس شعر میں دو تجنیسات ہیں۔ پہلے مصرع میں لفظ ''ضیا'' اور ''جمال'' کا استعمال کیا گیا ہے۔اسی طرح دوسرے مصرع میں بھی لفظ ''ضیا'' اور ''جمال'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ضیا اسم ہیں، لیکن دونوں الگ الگ معنی میں مستعمل ہیں۔اسی طرح دونوں لفظ جمال بھی اسم ہیں اورا لگ الگ معنوں میں مستعمل ہیں۔لہٰذا دونوں تجنیسات فن شاعری کے اعتبار سے تجنیس کامل مماثل ہیں۔شعر کا لغوی اور ظاہری معنی یہ ہوتا ہے کہ اے رب کائنات! ہمارے دل کے آشیانہ کو روشنی، اور ہمارے رخ ایمان کو حسن اور خوبصورتی عطا فرما، واسطہ ہمارے آقا حضرت ضیاء الدین المعروف بہ شیخ جیاء کا اور واسطہ حضرت جمال الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خانۂ دل کے لئے روشنی اور روئے ایمان کے لئے جمال کا بارگاہ خداوندی سے سوال کیا ہے اور یہ دونوں ایک مومن کے

لئے اشد ضروری ہیں۔اگر گھر کے اندر روشنی نہیں ہے اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے تو وہ گھر انسان تو کیا کسی جانور کے رہنے کے قابل نہیں۔جس گھر میں اندھیرا ہوتا ہے وہاں سکونت کرنے سے جی گھبراتا ہے اور دم گھٹنے لگتا ہے۔اسی لئے جب بھی کسی نئے مکان کی تعمیر ہوتی ہے تو اس میں روشنی کی فراہمی کا خیال رکھ کر کھڑکیاں اور روشن دان کا اہتمام کیا جاتا ہے۔یہ تو ہوئی عام انسانی اجسام کے بسنے کے گھروں کی بات۔لیکن اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر وہ گھر ایسے موضع یا مقام پر واقع ہے کہ وہاں قدرتی روشنی دستیاب نہیں ہوسکتی تو پھر ایسے گھروں میں مصنوعی روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے۔جیسے بمبئی،کلکتہ وغیرہ جیسے بڑے شہروں میں تنگ جگہ میں چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل مکان تعمیر ہوتے ہیں۔ان مکانوں کے کمروں تک آفتاب کی روشنی پہنچنے کا امکان نہیں۔لہٰذا وہاں بجلی کے قمقموں کے ذریعہ روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر کبھی بجلی فیل ہوجائے تو دن کے بارہ بجے بھی ان کمروں میں رات کے بارہ بجے جیسا اندھیرا چھا جاتا ہے اور کمرے میں چند لمحہ کے لئے ٹھہرنا دشوار ہوجاتا ہے۔کمرے کا مکین روشنی کے لئے بے تاب ہوجاتا ہے۔الیکٹری سیٹی بورڈ سے رابطہ قائم کرکے جلد بجلی چالو کرنے کی گزارش کرتا ہے۔اگر مالدار ہے تو اپنا جنریٹر چلاتا ہے۔یا پھر کم از کم موم بتی یا چراغ روشن کرتا ہے تو جب پتھروں،اینٹوں،لوہا،لکڑی اور سمنٹ کے بنے ہوئے گھر روشنی کی عدم موجودگی میں راحت بخش سے متغیر ہوکر وبال جان بن جاتے ہیں تو دل کے گھر کو روشنی کی اس سے بھی سخت ضرورت ہے۔اور دل کے گھر کی روشنی ہے ایمان اور ایمان کی جان ہے محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر دل کا ذکر آیا ہے۔اور جو دل عداوت خدا اور رسول (جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور دشمنیٔ اسلام سے ملوث ہوتا ہے،اس دل کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے اور اس دل کو مریض اور پتھر کہا گیا ہے، بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت فرمایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: ''فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَرَضٌ'' (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۰)

ترجمہ: ان کے دلوں میں بیماری ہے (کنزالایمان)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِنۡ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالۡحِجَارَةِ اَوۡاَشَدُّ قَسۡوَةً''

(سورۃ البقرۃ، آیت ۷۴)

ترجمہ: پھراس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے۔ تو وہ پتھر دل کی مثل ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ کرّے۔ (کنزلایمان)

مذکورہ آیات میں ایمان سے خالی دلوں کو مریض اور پتھر کہا گیا ہے۔ قرآن مجید کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں جو مثال دی جاتی ہے وہ اتنی برمحل ہوتی ہے کہ صرف اشارے اور کنائے میں کثیر جامعیت کی حامل ہوتی ہے۔ دل کو پتھر کی طرح سخت کہا گیا ہے لوہے کی طرح نہیں۔ حالاں کہ پتھر کے مقابلے میں لوہا زیادہ سخت ہوتا ہے۔ لوہے کی سختی کا یہ عالم ہے کہ وہ پتھر کو بلکہ بڑے بڑے پہاڑوں کو بھی کاٹ ڈالتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں دلوں کو لوہے کی طرح سخت کہنے کے بجائے پتھر کی طرح سخت کہا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوہا پتھر سے ضرور زیادہ سخت ہے، لیکن لوہے میں روشنی پیدا کرنے کا وصف ہے۔ ہمارے گھروں میں بجلی کے جو بلب ہوتے ہیں وہ باہر سے تو شیشہ (کانچ) کے ہوتے ہیں لیکن اس کے اندر لوہے کا باریک تار ہوتا ہے جس کو ''فلامنٹ'' کہا جاتا ہے اور وہی بلب کی جان ہے۔ جب ہم بجلی کا بلب روشن کرنے کے لئے سوئچ دباتے ہیں تو بلب کے اندر کا وہی تار جگمگا اٹھتا ہے اور روشنی پھیلاتا ہے۔ کسی بھی بلب یا ٹیوب لائٹ میں پتھر کا فلامنٹ نہیں ہوتا کیوں کہ پتھر میں روشنی اخذ کرنے اور ارسال کرنے کی صلاحیت نہیں۔ اسی لئے بے ایمان دلوں کو قرآن مجید میں پتھروں سے تشبیہ دی گئی۔ تو جو دل عداوت رسول کی وجہ سے پتھر کی طرح ہوجاتا ہے اس دل کا گھر کبھی روشن نہیں ہوتا، بلکہ اندھیرے میں غرق رہتا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ نے خدائے تعالیٰ سے دل کی ضیا کا سوال کیا ہے۔صرف روشنی کا سوال نہیں کیا۔لفظ ''ضیا'' لغوی اعتبار سے روشنی اور رونق دونوں معنوں کا حامل ہے۔یعنی خانۂ دل کی روشنی اور رونق دونوں مانگ رہے ہیں۔روشنی کے تعلق سے تو ابھی ہم نے بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کی اور اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ ایمان کے نور سے دل کا آشیانہ روشن ہوتا ہے۔لیکن روشنی کے ساتھ ساتھ رونق کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔بارہا کا مشاہدہ ہے کہ بجلی کا بلب عرصہ دراز تک کسی کپڑے وغیرہ سے صاف نہ کیا جائے تو اس پر گردوغبار کی تہہ جم جاتی ہے۔نتیجتاً جب بلب روشن کیا جاتا ہے تو اس کی روشنی مدھم اور ماند محسوس ہوتی ہے۔ بلب روشن تو ضرور ہوتا ہے،لیکن اس میں رونق نہیں ہوتی۔اس میں رونق لانے کے لئے کسی کپڑے وغیرہ سے اس کو صاف کرنا ضروری ہوتا ہے۔دل کی روشنی کا بلب بھی گناہ ومعاصی کے گردوغبار سے بے رونق ہوجاتا ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الْمُؤ مِنَ اِذَا اَذْنَبَ کَانَتْ نُکْتَۃٌ سَوْدَاءُ فِی قَلْبِہٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صَقَلَ قَلْبُہٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوَا قَلْبَہٗ فَذَالِکُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ''

ترجمہ: یعنی بلا شبہ جب مومن بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ کا نقطہ لگ جاتا ہے۔پس اگر وہ توبہ واستغفار کرلے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرے تو یہ سیاہ داغ بھی بڑھتا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کے پورے دل پر چھا جائے گا۔ یہی وہ زنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا۔ (ترمذی شریف)

لہٰذادل کے آشیانہ میں ایمان کی روشنی کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کی رونق بھی ضروری ہے۔اوراسی کوحضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رب کریم ورحیم جل جلالہٗ سے مانگ رہے ہیں کہ اے رب کریم! ہمارے دلوں کوایمان کی روشنی اور نیک اعمال کی رونق سے آراستہ فرما۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خانۂ دل کی ضیا کے حصول کے لئے جن کاواسطہ بارگاہ الٰہی میں پیش کیا ہے،اس ذات گرامی حضرت قاضی ضیاء الدین عرف شیخ جیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۹۲۵ھ میں قصبہ نیوتنی،ضلع لکھنؤ میں ہوئی۔آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر پر ہی ہوئی۔اس کے بعد اعلیٰ علوم دینیہ کے حصول کے لئے آپ احمد آباد (گجرات) حضرت علامہ شاہ وجیہہ الدین بن نصر اللہ علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔دوران تعلیم حضرت علامہ وجیہہ الدین علیہ الرحمہ نے اپنی لڑکی کا عقد آپ سے کردیا۔ آپ نے علوم باطن حضرت شیخ محمد بن یوسف قرشی برہانپوری قدس سرہٗ سے حاصل فرمائے۔ شاہ تراب علی قلندری قدس سرہٗ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''کشف المتواری'' میں آپ کے متعلق تحریرفرمایا ہے کہ آپ صاحب تحقیق وصاحب باطن وصاحب کشف وکرامات تھے۔

(برکات الاولیاء،ص۸۱)

آپ حصول علم کے لئے بہت ہی چھوٹی عمر میں اپنے وطن سے احمد آباد جانے کے لئے نکلے۔گجرات کے جنگل میں راستہ بھول گئے۔اس وقت آپ کی رہبری کے لئے حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے ارشاد فرمایا کہ تم کو چالیس روز تک میرے ساتھ رہنا ہوگا۔آپ نے برضا وخوشی یہ دعوت قبول فرمائی اور چالیس دن تک خضر علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں رہ کر آپ جمیع علوم ظاہری وباطنی سے آراستہ ہوئے۔ (سلاسل الانوار)

آپ جب زیارت حرمین شریفین کے لئے گئے اور مکہ معظّمہ کی حاضری کے بعد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری سے مشرف ہوئے تو ایک رات آپ سرکار ابد

قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر تھے کہ اسی دوران حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور بہت سی نوازشات سے سرفراز ہوئے۔

زیارت حرمین شریفین کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شہر میں سکونت پذیر ہوکر علوم وعرفان کے دریا بہائے اور کثیر افراد کو رشد وہدایت کی راہ پر گامزن کر کے ان کو اسلام کا سچا وفادار بنا کر چمکایا۔

آپ کا وصال مبارک ۲۱/رجب المرجب ۹۸۹ھ میں قصبہ نیوتنی، ضلع اناؤ میں ہوا اور وہیں پر آپ کا مزار شریف بھی ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں خدائے تعالیٰ سے دوسری چیز جو مانگی ہے وہ ہے روئے ایماں کا جمال، انسان کا چہرہ اس کے دل کی عکاسی کرتا ہے۔ مثلاً: اگر کسی کو کسی شخص سے دل میں عداوت اور نفرت ہوتی ہے تو جب وہ شخص سامنے آتا ہے تو چہرے پر کبیدگی اور کدورت نمایاں ہوجاتی ہے۔ دل کی کیفیت چہرے سے عیاں ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح اپنا کوئی محبوب سامنے آتا ہے تو چہرے پر فرحت وانبساط کی جھلک وچمک نمودار ہوجاتی ہے۔ چنانچہ دل کی کیفیت چہرے سے نمایاں ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ چہرے کے تعلق سے آیات وارد ہیں۔ قرآن مجید میں ذکر ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کے چہرے سفید اور چمکدار ہوں گے اور بے ایمانوں کے چہرے سیاہ اور پژمردہ ہوں گے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ'' (سورۂ عبس، آیت ۳۸ تا ۴۱)

ترجمہ: کتنے منھ اس دن روشن ہوں گے۔ ہنستے خوشیاں مناتے اور کتنے منھوں پر اس دن گرد پڑی ہوگی۔ ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے۔ (کنزالایمان)

مذکورہ آیت میں مومن کے چہرے کو خوشیاں مناتے اور روشن وبارونق اور کافر کے چہرے کو کالا اور بے رونق بتایا گیا ہے۔ دل کی سفیدی بھی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے اور دل کی سیاہی بھی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ جو دل کی حالت ہوتی ہے اس کے آثار چہرے پر نمودار ہوتے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ گستاخ رسول کا چہرہ مسخ ہو جاتا ہے۔ اس کے چہرے پر رونق ہوتی ہی نہیں اگر وہ پیدائشی گورا بھی ہے پھر بھی اس کا چہرہ بھدا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اسی حقیقت کو اپنے ایک شعر میں یوں عرض کیا ہے:

بغض نبی سے کالے دل کی کالک چہرے پر پھیلی
پڑے نظر تو لاحول پڑھ لو منحوس صورت رکھتے ہیں

(مصروفؔ)

دور حاضر کے وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی، غیر مقلد وغیرہ فرقہ باطلہ کے متبعین کے چہرے عداوت انبیاء واولیاء کی وجہ سے مقبوح ومبغوض دکھائی دیتے ہیں۔ یہ تو ہوئی ان لوگوں کی بات جن کے دلوں میں ایمان ہی نہیں ہے، جن کے خانۂ دل میں گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے، لیکن اگر مومن بھی گناہوں میں ملوث ہوگا تو اس کے چہرے پر بھی وہ رونق نہ ہوگی جو ہونی چاہیئے۔

ایک ولی اللہ دن میں کئی مرتبہ آئینہ میں چہرہ دیکھا کرتے تھے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے ازراہ تواضع فرمایا کہ میں اپنا چہرہ بار بار آئینہ میں اس لئے دیکھتا ہوں کہ میرا دل گناہوں سے لبریز ہے کہیں دل کی سیاہی چہرے پر تو نہیں آئی۔

اسی طرح حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید نے گناہ کا ارادہ کیا تو اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا۔ جس کی تفصیل شعر نمبر 98 میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روئے ایماں کا جمال مانگ کر تمام گناہوں سے اجتناب کی توفیق خدا سے مانگی ہے۔ کیوں کہ گناہوں میں مبتلا انسان اللہ تعالیٰ کے اسرار

باطنی کوکبھی بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ گنہگار نور باطن سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے۔ علاوہ ازیں حقیقی علم جواللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے گنہگار اس سے بھی محروم رہتا ہے۔ علم حقیقی تب حاصل ہوتا ہے جب انسان گناہوں سے توبہ کرکے پاکیزہ ہوجائے، پاکیزگی سے مومن میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔ گناہوں سے کثافت پیدا ہوتی ہے۔ گناہ کے اثرات چہروں پرظاہر ہوتے ہیں جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے، پھر گناہ پر مداومت کی وجہ سے اس کا دل بالکل سیاہ ہوجاتا ہے۔ پھر دل کی تاریکی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ گناہوں کی سیاہی اور چہرے کی تاریکی کا مشاہدہ معاشرے کے ایسے لوگوں کے چہرے پر بآسانی کیا جاسکتا ہے، جولوگ دنیوی عشق ومحبت اور نفسانی جذبات وخواہشات کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اکثر نمایاں ہوجاتے ہیں۔ آنکھوں پر جب گنہگاری کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں تو چہرے کا باقی حصہ بھی اثرات قبول کرتا ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کے چہرے اس سیاہی سے بالکل مبرّا ہوتے ہیں۔ اوران کے چہروں پر اللہ کی رحمت کا نور نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور اگران کو عام انسانوں میں کھڑا کردیا جائے تو چہرے کے نور کی وجہ سے وہ سب سے ممتاز نظر آئیں گے۔ ان کے چہرے کی رونق نرالی ہوتی ہے اس کے برعکس گناہ کرنے والا خود کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہومگر اس کے چہرے پر کبھی نورانیت ورونق نہیں آتی۔ اسی لئے تو عام اصطلاح میں عوام الناس دعا میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں سرخ روئی عطا فرمائے۔

حضرت رضؔا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ! ہمارے دلوں کو ایمان کے نور سے مزین فرما کر روشنی اور رونق عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ چہروں کو بھی ایمانی جمال عطا فرما۔

حضرت رضا بریلوی نے روئے ایماں کے جمال کے حصول کے لئے جن کے وسیلے سے دعا کی ہے وہ حضرت شیخ جمال الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حضرت مخدوم جہانیاں بن

بہاؤالدین سالار عالم ہیں۔ جن کی ولادت باسعادت ۹۷۳ھ میں بمقام کورہ، جہان آباد میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش کے قبل ہی حضرت فقیر خدا بخش علیہ الرحمہ جن کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوگئی تھی۔ انہوں نے بشارت دی کہ حضرت مخدوم جہانیاں کے گھر میں جمال آئے گا۔ لہٰذا جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کا نام شیخ جمال رکھا گیا۔

آپ کا شجرۂ نسب تیس واسطوں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

آپ اپنے والد ماجد حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے۔ پھر آپ کے والد نے آپ کی تعلیم وتربیت کی تکمیل کے لئے آپ کو حضرت قاضی ضیاء الدین عرف شیخ جیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔ جہاں پانچ سال تک تحصیل علوم ظاہری و باطنی فرمایا۔

آپ کے فضائل ومناقب بے شمارے ہیں۔ آپ مادرزاد ولی ہیں اور نسبت عالی رکھتے ہیں۔ جب آپ سات سال کے ہوئے تو فقراء کی خدمت کرنے لگے۔ آپ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشارۂ درخواب پر تحصیل علوم دینیہ میں ۲۰ر سال بڑی محنت و مشقت کرکے کمال حاصل کیا۔ آپ نے بلاواسطہ ارواح مبارکہ سیدنا غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی، خواجہ بہاؤالدین نقشبندی اور حضرت شاہ بدیع الدین قطب مدار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فیض روحانی حاصل فرمایا۔

ابتدائی عمر میں آپ کی طبیعت نہایت غبی تھی۔ مدرسہ کے طلباء ازراہ تمسخر آپ کو جمال الاولیاء پکارتے تھے۔ یہ مذاق آپ کو ناگوار معلوم ہوا اور مدرسہ سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے۔ ایک روز حضرت شیخ ضیاء الدین عرف شیخ جیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ جمال کہاں ہے؟ طلبہ نے بتایا کہ تین دن ہوئے مدرسہ سے غائب ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے تلاش کرو اور میں بھی تلاش کرتا ہوں۔ حضرت شیخ ضیاء الدین تلاش کرتے کرتے

جنگل میں پہنچے۔تو انہوں نے دیکھا کہ آپ ایک غار میں بیٹھے رو رہے ہیں۔شیخ نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے کہا کہ طلبہ میرا مذاق اڑاتے ہیں اور جمال الاولیاء کہہ کر پکارتے ہیں۔شیخ کامل کا دریائے لطف وکرم جوش میں آ گیا۔اور شیخ نے فرمایا کہ میں نے تم کو ''جمال اولیاء'' کیا۔پھر آپ غار سے اٹھ کر باہر تشریف لائے تو شیخ نے اپنا پیراہن مبارک آپ کو عطا فرمایا اور اسی وقت سے ولایت کے تمام اسرار آپ پر منکشف ہو گئے،اور ایسی ذکاوت ذہن پیدا ہوئی کہ طلبہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔تحصیل علوم ظاہری کے بعد شیخ نے آپ کو راہ سلوک طے کروا کے خرقہ قادریہ سے مشرف فرمایا اور اپنا خلیفہ خاص بنایا۔ (برکات الاولیاء،ص۱۰۰)

آپ کا وصال مبارک شب عیدالفطر ۱۰۴۷ھ میں ہوا۔آپ کا مزار شریف کورہ جہان آباد،ضلع فتح پور ہنسوا میں ہے۔آپ کا عرس مبارک پہلی تاریخ شوال المکرّم کو ہوتا ہے۔

❁......❁......❁

(76)

کب سے پھیلائے ہیں دامن تیغِ عشق
اب تو پائیں زخمِ دامن دار ہم

حل لغت:

دامن: آنچل، داماں، کور، کنارہ، آنچل یا پلو، لب، حاشیہ، انگرکھے وغیرہ کا لٹکا ہوا جو حصہ ہوتا ہے، تلیٹی یعنی پہاڑ کے نیچے کی زمین جیسے دامن کوہ۔

(فیروز اللغات، ص۶۱۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۷۰)

پھیلانا: بچھانا، لمبا کرنا، کھولنا، بڑھانا، تقسیم کرنا، بانٹنا، حساب کرنا، مشتہر کرنا، شروع کرنا، پڑتال کرنا۔ (فیروز اللغات، ص۳۲۱)

تیغ: تلوار، شمشیر، چھری، خنجر، مراد کبھی پشت یعنی پیٹھ، مراد کبھی ماہ یعنی چاند سے۔

(فیروز اللغات، ص۴۰۴ ☆ لغات کشوری، ص۱۷۶ ☆ کریم اللغات، ص۴۵)

زخم: گھاؤ، ناسور، نقصان، خسارہ، ضرر، زیاں، سڑ جانا، پوست کا گھاؤ۔

(فیروز اللغات، ص۷۴۲ ☆ لغات کشوری، ص۳۴۶ ☆ کریم اللغات، ص۸۷)

دامن دار: چوڑا یعنی کشادہ، وسیع دامن والا۔ (فیروز اللغات، ص۶۱۰)

دار: گھر، محلّہ، پھانسی، لاحقہ میں بمعنی رکھنے والا جیسے آبدار، دل دار۔

(فیروز اللغات، ص۶۰۷)

پہلے مصرع میں لفظ ''دامن'' کا مطلب ''آنچل، پلو'' ہے

دوسرے مصرع میں لفظ ''دامن'' کا مطلب ''کشادہ'' ہے

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ تیغ عشق نے اپنا دامن پھیلا رکھا ہے۔ یعنی عشق کی تلوار زخم اور وار کرنے پر تلی ہوئی ہے اور تیغ عشق کا وار کوئی معمولی وار نہیں اور نہ ہی اس کا زخم معمولی ہوتا ہے، بلکہ سخت اور گہرا ہوتا ہے۔ اس شعر میں لفظ ''دامن'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ دامن ہے اس کے ساتھ ''دار'' کی اضافت کی گئی ہے۔ لفظ دار کا معنی ''رکھنے والا'' ہے۔ جیسے دل دار یعنی دل رکھنے والا مراد محبوب۔ اس شعر میں لفظ ''دار'' کی اضافت دامن کی طرف کی گئی ہے اور دامن آنچل کو کہتے ہیں اور آنچل بمقابل دیگر حصۂ لباس یعنی آستین، گریبان وغیرہ کے زیادہ کشادہ ہوتا ہے اور اس شعر میں دامن کے ساتھ لفظ دار کی اضافت ہونے سے لفظ ''دامن'' کشادگی کے معنی کا حامل ہو گیا ہے۔ نیز باعتبار صفت کے وارد ہوا ہے یعنی وہ زخم جو کشادہ ہے مثل دامن کے۔ لہٰذا اس شعر میں مصرع اول میں جو لفظ دامن ہے وہ آنچل کے معنی میں ہے اور مصرع ثانی میں جو لفظ دامن ہے وہ کشادگی کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ دامن حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صفت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی ایک عاشق رسول کی کیفیت کا ذکر فرما رہے ہیں جو عشق میں فنا کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ اپنے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق میں وارفتہ ہو کر عشق کی راہ میں اپنا سب کچھ نثار کرنے کی آرزو رکھتا ہے، دنیا کی کوئی شئے بلکہ خود اس کا وجود اپنے محبوب آقا کے سامنے ہیچ ہوتا ہے۔ راہ عشق کے امتحان میں وہ زخم دامن دار کا متمنی رہتا ہے۔ بلکہ راہ عشق میں جو زخم لگتے ہیں وہ اس کے لئے تکلیف دہ ہونے کے بجائے فرحت

بخش ہوتے ہیں۔عشق کا امتحان لینے والی تلوار یعنی تیغ عشق اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہے اور بھگاڑ زخم کرنے کے درپے ہے۔لیکن عاشق صادق کا جذبۂ عشق کشادہ سے کشادہ زخم کھانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہے۔کشادہ زخم تو کیا، بلکہ پورا وجود بھی ختم ہوجائے، یہ وجود ایک مرتبہ نہیں بلکہ کروڑوں مرتبہ ختم ہوجائے،تب بھی محبوب آقا کے نام پہ قربان ہونے سے نہیں گھبراتا بلکہ نثار ہونے کا جذبہ مزید بڑھتا جائے گا۔بقول حضرت رضا بریلوی:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروروں جہاں نہیں

کتب احادیث وتاریخ وسیر میں ایسے بے شمار واقعات مرقوم ہیں کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشقوں نے اپنے محبوب آقا کے عشق میں اوراپنے آقا ومولیٰ کی عظمت وتعظیم کی خاطر ہر مصیبت اور تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔اپنا عیش وآرام، جاہ وجلال، اہل وعیال، زر ومال، بلکہ اپنے وجود تک کی پرواہ نہ کی۔تمام سے منھ موڑ کر ناموس رسالت کے لئے سر کٹانے کے لئے نکل پڑے اور دنیائے عشق ومحبت میں اپنے محبوب آقا کی لافانی محبت کی مثالیں قائم کردیں۔بقول حضرت رضا بریلوی:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

کچھ واقعات احادیث کی روشنی میں پیش خدمت ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ صحابۂ کرام اپنے محبوب آقا کی محبت وجاں نثاری میں مر مٹنے کا کیسا جذبۂ عقیدت رکھتے تھے۔

- جنگ احد میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے حضور کے آگے کھڑے ہوگئے اور پنے وجود کو حضور کے لئے ڈھال بنائے ہوئے تھے تاکہ دشمن کا کوئی تیر حضور تک نہ پہنچے۔حضرت ابوطلحہ فن تیراندازی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔وہ نعرہ لگا کر تیر کو اپنے ترکش سے نکال کر پھینکتے تھے۔ان کے پاس پچاس تیر تھے

اور ہر تیر پر جب دشمن کی طرف اسے پھینکتے تو نعرہ لگاتے اور کہتے ''یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَفْسِیْ اَذْلٰی مِنْ نَفْسِكَ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاكَ''

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! میری جان آپ کی جان سے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔ (مدارج النبوت، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۲۱۴)

● حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری کی شادی جنگ احد کی رات میں ہوئی تھی۔ شب زفاف میں اپنی زوجہ کے ساتھ تھے کہ اچانک سنا کہ احد میں صحابہ پر تنگ وقت آن پڑا ہے۔ یہ سنتے ہی بے چین ہو کر احد کی جنگ میں شریک ہونے کے لیے دوڑے۔ میدان جنگ میں شجاعت و بہادری کی داد دی اور بہت سے کافروں کو جہنم رسید کیا۔ بالآخر شداد بن الاسود نے حضرت حنظلہ پر تلوار کا وار کیا اور آپ کو شہید کر دیا۔ حضرت حنظلہ کے شہید ہونے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ فرشتے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی حضرت جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حال دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ ان کو غسل کی حاجت تھی۔ دعوت جنگ کی آواز کان میں پڑی تو فوراً اسی حالت میں وہ شریک جنگ ہو گئے۔ اسی لئے حضرت حنظلہ کو ''غسیل الملائکہ'' کہا جاتا ہے۔

(سیرت ابن ہشام)

● حضرت عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاؤں کے لنگڑے تھے۔ انھوں نے جنگ احد میں شرکت کرنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو اور تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ تمھارے چار جوان فرزند تو حضور کی خدمت میں موجو ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میرے فرزند تو جنت میں چلے جائیں اور میں تمھارے سامنے بیٹھا رہوں۔ ان کی بیوی نے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ تم جنگ سے بھاگ کر لوٹ آؤ گے۔ عمرو بن جموح نے یہ سن کر ہتھیار تھاما اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی: ''اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ'' یعنی اے اللہ! مجھے میرے گھر نہ لوٹانا۔ اور باہر

نکل گئے ۔ جنگ احد میں لڑتے لڑتے وہ اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ شہید ہو گئے ۔ حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر عمرو بن جموح اور اپنے بیٹوں کی لاشوں کو اونٹ پر لاد کر مدینہ لا کر دفن کرنا چاہتی تھیں مگر اونٹ لادنے نہ دیتا۔ اونٹ دوزانو بیٹھ جاتا اور جب اونٹ کو جھڑک کر اٹھانا چاہتیں تو وہ سو جاتا۔ عمرو بن جموح کی زوجہ ہند نے یہ ماجرا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے ان سے پوچھا کہ عمرو نے گھر سے نکلتے وقت کیا کہا تھا؟ عرض کی کہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے میرے گھر کی طرف نہ لوٹانا۔ حضور نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا۔ (مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۲۱۶)

● جنگ خیبر کے موقع پر ایک حبشی غلام ایک یہودی کی بکریاں چراتا تھا اور نگہبانی کرتا تھا۔ وہ حضور کے پاس آیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ حضور نے اس سے فرمایا کہ اگر تم اس پر ثابت قدم رہے تو تمہیں جنت ملے گی۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ بکریاں بطور امانت میرے قبضے میں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ انھیں ان کے مالک کے سپرد کر دوں۔ حضور نے فرمایا کہ ان بکریوں کو لشکر کے باہر لے جا کر ہنکال دو اور ان کے پیچھے چند کنکریاں پھینک دو، بلاشبہ حق تعالیٰ تمہاری طرف سے اس امانت کو ادا فرمادے گا۔ غلام نے ایسا ہی کیا۔ تمام بکریاں دوڑتی ہوئی اپنے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصرف اور معجزہ تھا کہ تمام بکریاں بے توقف اور بے اختیار دوڑتی ہوئی یہودی کے گھر آ گئیں۔ اس کے بعد وہ حبشی غلام ہتھیار اٹھا کر میدان جنگ کی طرف چلا گیا اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کر گیا۔ اسلامی لشکر کے مجاہدین اس کی لاش اٹھا کر خیمہ میں لائے اور حضور کو اس کے حال کی خبر دی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’عَمَلًا قَلِیْلًا وَّاَجْرًا کَثِیْرًا ‘‘یعنی کام تھوڑا کیا اور مزدوری زیادہ پائی۔ مطلب یہ کہ اس نے نہ نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا اور نہ کوئی اور طاعت وعبادت کی، سیدھا ایمان کے بعد ایک ہی عمل کیا اور وہ اسلام پر جان

قربان کرنا ہے، لیکن خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جو عمل ہے ایمان کے ساتھ تمام اعمال کا اصل اصول ہے۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد۲، ص۴۰۹)

- ۵ھ میں غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ ان کو کئی زخم لگے۔ لیکن زندہ بچ گئے۔ جب لشکر اسلام یہود کے قتل سے فارغ ہوا تو حضرت سعد بن معاذ کے زخم کھل گئے اور خون بہنے لگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے سرہانے تشریف فرما تھے اور ان کے سر کو اپنے زانوئے اقدس پر رکھے ہوئے تھے۔ فرمایا: اے خدا! سعد کو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ لے، انھوں نے تیرے رسول کی تصدیق کی اور اسلام کے حقوق ادا کئے، ان کی روح کو بہترین طریقے سے قبض فرما۔ حضرت سعد نے حضور کی آواز سنی تو آنکھیں کھول دیں اور عرض کیا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے تبلیغ رسالت کی ذمہ داری ادا فرمادی۔ پھر اپنے سر کو حضور کے زانوئے مبارک سے اٹھا لیا اور معذرت خواہی کرتے ہوئے رخصت کی اجازت مانگی، چند لمحہ بعد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحمت الٰہی سے واصل ہوئے۔ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ریشمی عمامہ باندھے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے حضور! آپ کے اصحاب میں سے کسی نے وفات پائی ہے جس کی روح کے استقبال کے لئے آسمانوں کے دروازے کھلے ہیں۔ پھر حضور ان کے مکان میں تشریف لے گئے اور تجہیز و تکفین فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ستر ہزار فرشتے ان کے جنازے میں موجود ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طویل القامت اور بڑے تنومند تھے لیکن ان کا جب جنازہ اٹھایا گیا تو نہایت ہی ہلکا تھا۔ لوگ اس پر بہت حیران ہو رہے تھے۔ حضور نے فرمایا کہ ان کے جنازہ کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، اس بنا پر یہ ہلکا ہے۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد۲، ص۳۱۴)

● ابونعیم بروایت محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے ایک مٹھی مٹی لی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ مٹی تو مشک ازخر ہے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''سُبْحَانَ اللّٰہِ، سُبْحَانَ اللّٰہِ'' فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ کے چہرۂ انور پر حیرت وخوشی کے آثار نمودار ہوئے۔ ابن سعد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے حضرت سعد کی قبر کھودی تھی تو اس سے مشک کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ یہ کرامت و بزرگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی ورضا حاصل کرنے کی بدولت تھی۔ (مدارج النبوت، جلد۲، ص۳۱۵)

مذکورہ واقعات اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیوانے عشق ومستی میں سرشار ہوکر کبھی بھی اپنے جسم کے زخموں کی بلکہ اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کا مقصد حیات صرف یہی ہوتا تھا کہ اپنے محبوب آقا کے نام پر اپنا سر کٹا دیں، آیئے! عشق رسول کے دیوانے دو نوعمر بچوں کا ایک واقعہ دہرائیں۔

● حضرت معاذ اور حضرت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کمسن نوجوان تھے۔ ان کے بے حد اصرار اور گزارش کرنے پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جنگ بدر میں شرکت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ ان کا واقعہ علامہ محمد بن عمرو واقدی نے یوں بیان فرمایا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف روایت کرتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کو ہماری صفوں کو آراستہ کیا کہ صبح تک ہم اپنی صف میں حاضر تھے۔ ناگاہ میں نے دونوجوان دیکھے کہ ہر ایک کے گلے میں تسمہ اس کی تلوار کا لٹکتا تھا۔ پھر ان میں سے ایک میری طرف ہوکر بولا۔ اے چچا! ان کفار قریش میں ابوجہل کون ہے؟ میں نے کہا، اے میرے بھتیجے! تو اس کے ساتھ کیا کرے گا؟ اس نے کہا، میں نے سنا ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کو گالیاں دیتا ہے تو میں نے حلف لیا ہے کہ اگر میں اس کو دیکھوں تو قتل کروں یا اس کے پاس مارا جاؤں۔ تب میں نے اس کو ابو جہل کی طرف اشارہ کیا۔ بعدازاں اس دوسرے لڑکے نے بھی مثل اسی پہلے کے خطاب کیا تو اس کو بھی میں نے ابو جہل کی طرف اشارہ کیا۔ پھر میں نے ان دونوں سے پوچھا تم دونوں کون ہو؟ انھوں نے کہا، ہم دونوں حارث کے پسر ہیں۔ پھر میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ وہ طرفۃ العین ابو جہل کی تاک سے غافل نہ تھے۔ یہاں تک کہ لڑائی شروع ہوئی تو وہ دونوں نوجوان اس کی طرف گئے اور قتل کیا۔

(المغازی الصادقہ، ترجمہ مغازی الرسول، از علامہ واقدی، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ، سال طباعت ۱۹۰۳ء)

- شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جہل کو زخمی کر کے اس کی پنڈلی جدا کر دی اور ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے مجھے زخمی کر دیا۔ جس سے میرا ہاتھ میرے کندھے سے کٹ گیا۔ چنانچہ وہ ہاتھ ایک جانب لٹک گیا اور میں اس کے باوجود جنگ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اس ہاتھ سے تنگ آ گیا اور اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو دونوں پاؤں سے دبا کر اپنے پہلو سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت معوذ نے تلوار کی ایک ضرب ابو جہل کو لگائی اور اسے زمین پر گرا دیا۔ مروی ہے کہ حضرت معاذ اس زخم کے باوجود حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے تک زندہ رہے۔ قاضی عیاض روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا ہاتھ ان کی کھال سے لٹکا ہوا تھا۔ پھر حضور نے اپنا لعاب دہن مبارک اس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا اور وہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اس کے بعد وہ حضرت عثمان ذوالنورین کے زمانے تک زندہ رہے۔ حضرت معاذ کے بھائی معوذ اسی روز بدر کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ (مدارج النبوت، جلد۲، ص۱۵۰)

(77)

ثنا کا نشاں وہ نورفشاں کہ مہر وشاں بہ آں ہمہ شاں
بسایہ کشاں مواکب شاں یہ نام و نشاں تمہارے لئے

حل لغت:

ثنا: تعریف، ستائش، مدح، حمد، نعت، توصیف

(فیروزاللغات، ص ۴۳۷ ☆ لغات کشوری، ص۱۸۱ ☆ کریم اللغات، ص۴۵)

نشاں: فوج کا علم، لشکر کا جھنڈا، بادشاہ کا فرمان، آثار، کھوج، پتہ، سراغ، ٹھپا، چھاپا، یادگار، جھنڈا، علم، مقام، داغ، دھبہ، تمغہ، اثر، علامت، کارخانے کی مہر، ٹریڈ مارک، کھرا، کھوج، پھوڑے یا زخم کا داغ، ہدف، نشانہ، کسی جماعت کی علامت۔

(فیروزاللغات، ص۱۳۵۹ ☆ لغات کشوری، ص۵۷۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۲)

فشاں: جھاڑتا ہوا، جھاڑنے والا۔ (لغات کشوری، ص۵۳۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۹)

نورافشاں: روشنی چھڑکنے والا، منور کرنے والا۔ (فیروزاللغات، ص۱۳۸۵)

مہر: محبت، حب، دوستی، الفت، پیار، شفقت، ہمدردی، رحم، ترس، مامتا، الفت مادری، آفتاب، سورج، شمس، ہر شمسی مہینہ کی سولہویں تاریخ۔ نیا سولہواں دن۔

(فیروزاللغات، ص۱۳۲۲ ☆ لغات کشوری، ص۵۶۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۷۵)

شاں: عظمت، شوکت، دبدبہ، عزت، توقیر، قدرت، طاقت، انداز، طرز، وضع، نسبت، حق میں، خاصیت، خوبی، حال، حق، کام، بلندی، ذی رتبہ، خوشنما، رعب۔

(فیروزاللغات، ص۸۳۴ ☆ لغات کشوری، ص۴۱۰)

ب: ساتھ، مع، لئے، واسطے، سے، از، قسم، مطابق، میں، اندر، پر، اوپر، مقابل

(فیروزاللغات، ص۱۵۳)

آں: وہ (فیروز اللغات، ص۳۱ ☆ لغات کشوری، ص۶۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۷)

ہمہ: کل، سارا، جملہ، تمام۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۴۹ ☆ لغات کشوری، ص۸۲۱)

بسا: بہت، اکثر، تمام، اور نام ایک شہر کا فارس میں۔

(فیروز اللغات، ص۲۰۳ ☆ لغات کشوری، ص۹۷ ☆ کریم اللغات، ص۲۴)

کشاں: کھولنے یا حل کرنے والا، کھینچنے والا، برداشت کرنے والا، قتل کرنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۱۴)

نام: پہچاننے کا لفظ، اسم، شہرت، نسل، لقب، عزت، الزام، متعلق، یادگار۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۴۵)

مواکب: سواروں کے گروہ، لشکر، رسالہ، سواروں کے لشکر، سواروں کے رسالے، جمع ہے موکب کی۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۰۹ ☆ لغات کشوری، ص۷۵۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۷۲)

نام ونشاں: اتا پتہ، ٹھور ٹھکانہ، یادگار، آثار۔ (فیروز اللغات، ص۱۳۴۷)

پہلے مصرع میں شروع میں لفظ ''شاں'' کا مطلب ''شوکت'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں لفظ ''شاں'' کا مطلب ''بلندی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''شاں'' کا مطلب ''دبدبہ'' ہے۔

پہلے مصرع میں لفظ ''نشاں'' کا مطلب ''جھنڈا'' ہے

دوسرے مصرع میں لفظ ''نشاں'' کا مطلب ''یادگار'' ہے

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع واعلیٰ اور سلطنت قاہرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے

بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! خدا کی حمد وثنا کا جھنڈا آپ نے اس طرح بلند فرمایا کہ وہ توحید کا علم ہر طرف نور برساتا، کفر وشرک کی تاریکی چھانٹتا اور ظلمت کو نیست و نابود فرما کر ایمان کا نور ہر طرف جھاڑتا یعنی پھیلانے والے آفتاب کی عظمت وشوکت کے ساتھ مراتب ودرجات کی تمام بلندیوں کے ساتھ لہرارہا ہے۔اور کفر وضلالت کی تاریکی کی وجہ سے پیش آنے والے مراحل کو آپ اپنی شان رحمت اور طاقت وصلاحیت سے اس طرح حل فرماتے ہیں جس طرح کسی لشکر کا امیر پیچیدہ معاملے کو ہمیشہ حل کرتا ہے، اور اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کا دبدبہ سواروں کے گروہ کے دلوں میں بٹھا دیتا ہے اور اس کی عزت اور یادگار تمام شان وشوکت کے ساتھ قائم رہتی ہے۔اسی طرح یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ نے گروہ انبیاء کے امیر کی حیثیت سے کفر وضلالت کو نابود فرما کر توحید کے پرچم کو اس انداز سے بلند فرمایا کہ توحید کے پرستاروں میں آپ کی عزت وعظمت اور شوکت ودبدبہ کی یادگار ہمیشہ باقی رہے گی۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے لفظ ''نشاں'' کا دو مرتبہ اور لفظ ''شاں'' کا تین مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔مصرع اول میں جو لفظ نشاں ہے اس کا مطلب جھنڈا، علم، پرچم، پھریرا وغیرہ ہوتا ہے، دوسرے مصرع میں جو لفظ نشاں ہے اس کے معنی یادگار، آثار، علامت وغیرہ ہیں۔اسی طرح مصرع اول میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''شان'' ہے اس کا مطلب شوکت، عظمت، خوبی وغیرہ ہوتا ہے۔مصرع اول میں دوسری مرتبہ جو لفظ ''شان'' ہے اس کا مطلب بلندی، طاقت، خوبی، خاصیت وغیرہ ہے۔مصرع ثانی میں جو لفظ ''شان'' ہے اس کا مطلب دبدبہ، رعب، عزت، توقیر وغیرہ ہے۔اس شعر میں دونوں لفظ ''نشان'' اور اسی طرح تینوں لفظ ''شان'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہیں اس شعر میں فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل پائی جاتی ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکمل سوانح حیات بیان فرمادی ہے۔ پیدائش سے لے کر دنیا سے پردہ کرنے تک کے احوال کا تذکرہ ایسے بہترین انداز سے فرمایا ہے کہ بے ساختہ زبان سے آفرین آفرین کے الفاظ نکل پڑتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس شعر کو احوال قیامت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ ثنا کا نشان سے ''لواء الحمد'' مرادلیا جاسکتا ہے اور نور فشاں، مہروشاں، مواکب شاں، نام ونشاں کی تشریح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روز قیامت ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ کے ساتھ قبر انور سے باہر تشریف لانا، میدان محشر میں تمام اولین وآخرین کے سامنے آپ کی شان محبوبیت کا ظاہر ہونا، بے شمار لوگوں کی شفاعت فرمانا وغیرہ سے لے کر آپ کا اپنی امت کے ساتھ جنت میں تشریف لے جانا وغیرہ کہ جس کا تذکرہ چند اشعار کی تشریح میں ہو چکا ہے۔

❁......❁......❁

(78)

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

حل لغت:

عشق: محبت، فریفتگی، پریم، پیار، چاہ، شوق، خواہش، عادت، لت، سلام رخصت، کسی شئے کونہایت دوست رکھنا، بہت محبت کرنا کسی شئے سے، ایک قسم کا جنون۔

(فیروز اللغات، ص ۸۹۷ ☆ لغات کشوری، ص ۴۹۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۰)

صدقے: صدقہ کی جمع، قربان، فدا، طفیل، بدولت، واری، خیرات، وہ چیز جو خدا کے نام پر دی جائے، وہ کھانا وغیرہ جو سر سے اتار کر دیا جائے۔

(فیروز اللغات، ص ۸۶۱ ☆ لغات کشوری، ص ۴۴۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۲)

سستے: آسانی سے بلا دفع ہونا، تھوڑا سا نقصان یا تاوان دے کر بچ جانا۔

(فیروز اللغات، ص ۷۹۹)

آگ: آتش، جلن، تاب، گرمی، کام کا شوق یا جذبہ، پریم، محبت، عشق، دھن، شوق، اشتیاق، دشمنی، شہوت، آفت، پیاس، آتشک، مصیبت، خفگی، کھولتا ہوا، گرم، جلتا ہوا، حسد، عداوت، نہایت گراں، تیز مزاج، سرخ، انگارا، دہکتا ہوا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۵)

لگانا: چھونا، جوڑنا، ملانا، پیوست کرنا، سینا، ساتھ جوڑنا، شامل کرنا، بونا، اکسانا، ابھارنا، چغلی کھانا، سجانا، ترتیب سے رکھنا، مشغول رکھنا، مصروف رکھنا، بلانا، پھنسانا، سدھانا، الجھانا، بنانا، تہمت دھرنا، عیب لگانا، مقرر کرنا، قیمت لینا، مارنا، داؤ پر رکھنا، بازی پر رکھنا، پان بنانا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۶۱)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''آگ'' کا مطلب ''آتش'' ہے

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''آگ'' کا مطلب ''عشق'' ہے

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے والہانہ جذبۂ عشق کا اظہار فرمارہے ہیں اور ملت اسلامیہ کو عشق نبی کا پیغام دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق وہ نعمت اور وہ سعادت عظمیٰ ہے کہ اس جذبۂ عشق کے طفیل جہنم میں جلنے سے آسانی سے چھوٹ گئے، کیوں کہ دل میں عشق رسول کی جو آگ جل رہی ہے اس کی حرارت سے جہنم کی آگ بھی ٹھنڈی ہوجائے گی۔

اس شعر میں لفظ ''آگ'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ آگ ہے اس سے مراد جہنم کی آگ ہے اور دوسری مرتبہ جو آگ ہے اس سے مراد عشق مصطفیٰ ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ اس شعر میں دونوں مرتبہ آگ کا لفظ حقیقی معنی میں نہیں بلکہ دونوں مرتبہ آگ کا لفظ بطور محاورہ استعمال ہوا ہے آگ لگانا، اور آگ بجھانا، دونوں کثرت معنی کے حامل ہیں۔

(فیروز اللغات، ص ۲۶/۲۵)

ایک حیرت انگیز امر یہ بھی ہے کہ اس شعر میں آگ سے آگ بجھانے کا ذکر ہے۔ حالاں کہ آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لیکن آگ آگ کو بجھائے عجب معنی آفرینی ہے۔ مصرع اول میں ''ستے چھوٹنا'' یہ بھی محاورہ ہے۔ لہٰذا اس ایک شعر میں تین محاورات کا استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع ثانی میں دو مرتبہ لفظ آگ ہے، وہ دونوں اسم ہیں۔ لہٰذا یہ شعر اردو ادب کے فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل مماثل میں شمار ہوگا۔

اس شعر میں پہلے مصرع کی ابتداء ''اے عشق ترے صدقے'' سے کی گئی ہے۔اس کے دو معنی ہیں اور دونوں معنی اپنی جگہ موزوں و مناسب ہیں۔ پہلا معنی یہ ہے کہ اے عشق تیرے طفیل ہم جلنے سے بچ گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اپنے دل میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لازوال دولت رکھتا ہے وہ یقیناً جہنم میں جلنے سے محفوظ رہے گا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اے عشق تجھ پر واری جاؤں یعنی تجھ پر قربان جاؤں کہ تیری وجہ سے جہنم کی آگ میں جلنے کی بلائے عظیم ٹل گئی۔ یہ فطری امر ہے کہ کسی کی وجہ سے کوئی بڑی آفت ٹل جاتی ہے تو اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کردینے کی خواہش ہوتی ہے۔تو ذرا غور فرمائیں کہ جس ذات پاک کے ساتھ کیا گیا عشق اتنا فیض بخش اور دافع البلیات ہے تو خود اس ذات پاک کی فیض رسانی کا کیا عالم ہوگا۔

''جلنے سے چھٹے ستے'' یہ بھی دو معنوں کا حامل ہے۔ پہلا معنی یہ کہ آسانی سے اور کسی قسم کی اذیت کے بغیر چھٹکارا پانا اور دوسرا معنی یہ کہ تھوڑا نقصان اٹھا کر یا تاوان دے کر بچ جانا، ان دونوں معنوں کی تفصیلی وضاحت کے لئے کئی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔لیکن یہاں اس کا ماحصل عرض کرنے پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔ روز قیامت مومنین کے دو گروہ ہوں گے۔ ایک نیک اور دوسرا بد، پھر بدگروہ کے بھی دو طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ خوش نصیب طبقہ ہے کہ جو شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین کی شفاعت کبریٰ کا حقدار اور محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے طفیل کسی قسم کی سزائے جہنم بھگتے بغیر سیدھے جنت میں جائے گا۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو اپنے بداعمال کی سزا پانے کے لئے جہنم میں تو جائے گا۔ کچھ عرصہ عذاب جہنم میں گرفتار ہونا پڑے گا، لیکن بالآخران کو بھی پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے کرم سے جہنم سے چھٹکارا دلوادیں گے۔

قرآن شریف میں ہے کہ ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى''

(سورۃ والضحیٰ ،آیت ۵)

ترجمہ: اور بیشک قریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے۔ (کنزالایمان)

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِذًا وَاللّٰہِ لَا اَرْضٰی وَ وَاحِدٌ مِنْ اُمَّتِی فِی النَّارِ ''یعنی اب خدا کی قسم اس وقت تک میں راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوگا۔

(الایمان بعوالم الآخرہ، ص ۲۰۵)

اور یہی معنی ہیں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے استعمال کردہ محاورہ ستے چھوٹنے کے۔

دوسرے مصرع میں حضرت رضا نے آگ سے آگ بجھانے کا جو جملہ استعمال فرمایا ہے اس کا منبع و ماخذ وہ حدیث پاک ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو پل صراط سے گزرنا ہوگا۔ پل صراط کے نیچے جہنم کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے لیکن جب کوئی مومن پل صراط سے گزرے گا جہنم کی آگ پکار کر کہے گی کہ اے پل صراط سے گزرنے والے جلدی گزر جا کیوں کہ تیرے دل میں جو ایمان کا نور ہے اس کی حرارت سے میری آگ سرد ہو رہی ہے اور ایمان نام ہے عشق مصطفیٰ کا بلکہ ایمان کی جان ہی عشق نبی ہے۔

اب قارئین کو آگ سے آگ بجھانے کے معنی اچھی طرح سمجھ میں آ گئے ہوں گے۔ پھر بھی مزید وضاحت کے لئے پھر ایک مثال عرض ہے۔ بجلی یعنی الیکٹری سٹی کی وجہ سے لائٹ جلتی ہے۔ پنکھے، فیکٹریاں وغیرہ چلتی ہیں۔ اس کے ننگے تار کو اگر کوئی چھو لے تو وہ کرنٹ لگنے کی وجہ سے فوراً مر جائے گا اور اس کا جسم جل کر کوئلہ کی طرح ہو جائے گا۔ وہ کرنٹ اس کے حق میں آگ کا شعلہ ثابت ہوگا۔ لیکن گرمیوں کے دن میں دوپہر کے وقت سخت دھوپ میں ہمارا جسم گرم ہو کر آگ کی طرح جلنے لگتا ہے اور باہر سے آکر کمرے کا ایرکنڈیشن چالو کرتے ہیں۔

وہ مشین بجلی کی ہی وجہ سے چلتی ہے۔بجلی کا کرنٹ جسم کو جلا دیتا ہے،لیکن اب وہ آگ کا شعلہ (کرنٹ)ہی ایک آلہ کے ذریعہ ہمارے بدن کی آگ بجھا رہا ہے اور ایسی ٹھنڈک پہنچا رہا ہے کہ مئی،جون کے مہینہ میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دسمبر،جنوری کا مہینہ ہے۔

❁......❁......❁

(79)

یہ مرحمتیں کہ کچی متیں نہ چھوڑیں لتیں نہ اپنی گتیں
قصور کریں اوران سے بھریں قصور جناں تمہارے لئے

حل لغت:

مرحمتیں: مرحمت کی جمع، مہربانی، رحم، رحم کرنا، کرم، عنایت، نوازش، الطاف۔
(فیروز اللغات، ص۱۲۲۶ ☆ لغات کشوری، ص ۶۸۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۵۰)

کچی: کچا کی تانیث، خام، ناپختہ، بودا، ملائم، بن چکا، ناتجربہ کار، ادھ گلا، ایسا مکان جو صرف مٹی کا ہو، اڑ جانے والا رنگ، پھوڑا جس کا مواد پکا نہ ہو، وہ بچہ جو پیدا ہونے کے معمولی اوقات سے پہلے ہو جائے۔ (فیروز اللغات، ص۹۹۵)

مت: سمجھ، بوجھ، عقل، دانش، فہم، ادراک، دانائی، عادت، رائے، نصیحت، مذہب، ملت، عقیدت، دھرم، اعتقاد۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۹۴)

گت: حرکت، چال، چلن، رفتار، حالت، کیفیت، طرز، کریا کرم، مردے جلانے یا دفنانے کی رسم، مار پیٹ، زدوکوب، لے، تار، سر، نغمہ، ایک قسم کا ناچ، خوشی، فرحت، جلوس، چالاکی، عیاری، سلیقہ، ترکیب، ٹال مٹول۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۸۱)

لت: عادت، خو، خصلت، بری عادت، لیکا، لات کا مخفف، دولتی۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۴۸)

قصور: خطا، بھول، چوک، غلطی، کوتاہی، عاجز ہونا، قاصر ہونا،
(فیروز اللغات، ص۹۵۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۳)

قصور: قصر کی جمع محل، ایوان، حویلی، مکان، کمی، تخفیف، اختصار، وہ نماز جو حالت سفر میں مقررہ رکعتوں سے کم پڑھی جائے، نام ایک شہر کا توابع لاہور سے۔
(فیروز اللغات، ص۹۵۷ ☆ لغات کشوری، ص۵۶۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۳)

جناں: جنت کی جمع، بہشتیں۔

(فیروز اللغات، ص۴۷۳ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۱ ☆ کریم اللغات، ص۴۹)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''قصور'' کا مطلب ''خطا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسرے لفظ ''قصور'' کا مطلب ''محل'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ:

یارسول اللہ! آپ کی مہربانی، آپ کی عنایت اور ہم گنہگاروں پر آپ کے رحم وکرم کا کیا کہنا کہ ہم خطا کاروں کی متیں بھی کچی ہیں۔ ہم اپنی خام عقلوں کی بنا پر اپنی بری عادتیں نہیں چھوڑتے اور نہ ہی ہماری گتیں یعنی خلاف شریعت چال چلن درست ہوتے۔ الحاصل ہم مت، لت اور گت تینوں اعتبار سے قصوروار ہیں لیکن آپ کے رحم وکرم کا کیا کہنا کہ ہم مسلسل قصور کرتے رہتے ہیں۔ اپنے قصور کی بنا پر ہم سزا کے مستحق ہیں مگر سزا دینا تو درکنار ہم جیسے قصورواروں سے آپ جنت کے قصور یعنی جنت کے محلات بھر رہے ہیں۔ ہمارے افعال تو ایسے ہیں کہ جن کا بدلہ دوزخ ہے۔ لیکن آپ کی شان رحیمی وکریمی کے طفیل ہم کو بجائے جہنم کے جنت میں جگہ مل رہی ہے اور کیوں نہ ہو؟ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، آپ پوری کائنات کے لئے رب کی رحمت بن کر تشریف لائے ہیں۔ آپ کی رحمت کائنات کے ذرے ذرے کو حاصل ہے۔ بلکہ کافر ومرتد تک بھی آپ کی رحمت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جب کافر ومرتد آپ کی رحمت سے حصہ پاسکتے ہیں تو پھر ہم تو آپ کے غلام، آپ کے نام لیوا آپ کے در عالی کے منگتا ہیں، آپ کا کلمہ پڑھتے ہیں، مومن ہونے کا ہم کو شرف

حاصل ہے،اور آپ کی ایک شان یہ بھی ہے ’’بِالْمُؤْ مِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ‘‘

(سورۃ توبہ،آیت ۱۲۸)

یعنی مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔ (کنز الایمان)

یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت پر اتنے زیادہ مہربان ہیں کہ ایک ماں اپنی اولاد پر بھی اتنی مہربان نہیں ہوتی۔میدان محشر میں جب ماں باپ اپنی اولاد سے اور اولاد اپنے ماں باپ سے اجنبیت کا اظہار کرتے ہوئے نفسی نفسی پکارتے ہوں گے ایسے سنگین ماحول میں پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے گنہگار امتیوں کو یہ فرما کر اپنے دامن کرم میں چھپائیں گے کہ:’’شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِی‘‘

یعنی میری شفاعت میرے ان امتیوں کے لئے ہے جنہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں۔

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے بہت کم الفاظ میں بہت زیادہ کچھ کہہ دیا ہے۔مت،لت اور گت کو ترتیب سے اس طرح ذکر کیا ہے کہ اگر اس پر بنگاہ عمق غور وفکر کیا جائے تو حضرت رضا کے علم نفسیات کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔اس کو اس طرح سمجھیں کہ مت،لت اور گت کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے اور وہ بھی بالترتیب ہے یعنی کہ جب مت خراب ہوتی ہے تب لت خراب ہوتی ہے اور جب لت خراب ہوتی ہے تب گت خراب ہوتی ہے۔یعنی حالت خراب ہوتی ہے۔مثلاً:ایک شخص کی مت خراب ہوئی اور اس کے زیر اثر اس نے شراب پینا شروع کر دیا۔لہٰذا اب اس کی لت یعنی عادت خراب ہوئی۔نتیجتاً اب اس کی گت بھی خراب ہوگی کہ نشہ کی حالت میں سڑکوں پر لڑکھڑاتا ہے۔گندی نالیوں میں پڑتا ہے۔بیہودہ بکواس کرتا ہے وغیرہ وغیرہ،اس شعر میں حضرت رضا نے اشارۃً و کنایۃً قوم کی رشد و ہدایت کا فریضہ بھی انجام دیا ہے کہ اے لوگو! موجودہ دور میں تمھاری

پراگندہ حالت تمہاری فاسد مت کا ثمرہ ہے۔لہٰذا تم اپنی مت کو پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں سنوارو، تو تمہاری عادت اور حالت خود بخود سنور جائے گی ،مت سنوری تو لت سنوری اور لت سنوری تو گت بھی سنوری اور اگر مت ہی خراب ہوگئی تو سمجھو کہ بنیاد ہی خراب ہوگئی۔اب لت اور گت کی فرع بھی چوپٹ۔

علاوہ ازیں اس شعر میں حضرت رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے مرحمتیں، متیں، لتیں، گتیں، کریں اور بھریں کی قافیہ بندی کے موتی پرو کے فصاحت و بلاغت کا بہترین مظاہرہ فرما کر شعر وادب کو بھی چار چاند لگا دیا ہے۔

(80)

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا

حل لغت:

خاک اڑانا: گرد اڑانا، بدنام کرنا، آوارہ پھرنا۔ (فیروز اللغات، ص۵۸۱)

خاک اڑنا: دھول اڑنا، گرد اڑنا، رسوا ہونا، مٹی پلید ہونا، تباہ ہونا، برباد ہونا، کچھ نہ رہنا، پریشان نظر آنا، رونق نہ رہنا۔ (فیروز اللغات، ص۵۸۱)

خاک: مٹی، دھول، زمین، کچھ، ذرا، کچھ نہیں، بالکل نہیں، کیوں کر، کس طرح، راکھ، خمیر، سرشت، دھرتی۔ (فیروز اللغات، ص۵۸۱ ☆ لغات کشوری، ص۲۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۶۱)

آباد: بھرا ہوا پانی، معمور، آدمیوں سے بسا ہوا، بسنے والا، رہنے والا، پھلا پھولا، خوب، خوش، آفریں، سرسبز، شاداب، پررونق، چہل پہل کی جگہ۔

(فیروز اللغات، ص۴ ☆ لغات کشوری، ص۹ ☆ کریم اللغات، ص۳)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''خاک'' کا مطلب ''آوارہ پھرنا'' ہے

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''خاک'' کا مطلب ''زمین'' ہے

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب ومقدس دربار مدینہ طیبہ سے محبت کا اظہار فرما رہے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اگر مدینہ طیبہ کی مقدس زمین یا مٹی ہم کو نصیب نہ ہوئی تو ہم یوں ہی آوارہ

پھرتے رہیں گے کیوں کہ یہ وہ سرزمین ہے جس پر شہر مدینہ بسا ہے اور اسی شہر میں گنبد خضریٰ میں کونین کے دولہا آرام فرما رہے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اس شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''جو وہ خاک نہ پائی'' اس جملہ کے دو معنی ہیں۔ ایک تو ظاہری خاک مدینہ جس کی احادیث میں بہت سی فضیلتیں وارد ہیں۔ شیخ محقق علے الاطلاق حجۃ اللہ فی الارض عاشق رسول شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

- مدینہ منورہ کی مٹی اور پھل شفاء کی خاصیت رکھتے ہیں۔ بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ مدینہ کے غبار میں شفا ہے۔ اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جذام اور برص کی بیماریوں سے آرام ہوجاتا ہے۔ مدینہ منورہ کی وادی بطحان کی مٹی ان امراض کے لئے خصوصیت رکھتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ سے حکماً فرمایا تھا کہ بخار کے مرض کا علاج اس پاک مٹی سے کرو۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں یہ بات یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی چلی آرہی ہے دوا کے لئے اس مٹی کو لے جانے کی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اکثر علماء اس علاج کو مجرب کہتے ہیں۔ (جذب القلوب، اردو ترجمہ، ص ۲۷)

- شیخ مجد الدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ میں نے خود تجربہ کیا ہے کہ میرا ایک غلام ایک سال تک متواتر بخار کے مرض میں گرفتار رہا۔ میں نے اس جگہ کی تھوڑی سی مٹی لی اور پانی میں ڈال کر غلام کو دی۔ ایک ہی دن میں صحت یاب ہوگیا۔ (جذب القلوب، ص ۲۸)

- شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں مدینہ منورہ میں میرا قیام تھا۔ میرے پیروں میں ایک ورم ہوا کہ طبیبوں نے بالاتفاق اس کو ہلاکت اور فنا کی علامت تجویز کیا۔ میں نے اس مٹی سے اپنا علاج کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں سہولت اور آسانی کے ساتھ آرام ہوگیا۔ (جذب القلوب، ص ۲۸)

- مدینہ منورہ کی مقدس مٹی کی فضیلت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر جو گرد اور غبار پڑ جاتا آپ اس کو صاف نہ فرماتے اگر صحابہ میں سے کوئی شخص اپنے چہرے اور سر کو گرد و غبار کی وجہ سے چھپاتا تو آپ منع فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ خاک مدینہ میں شفا ہے۔ جیسا کہ اس شہر کے نام ''شافیہ'' سے ظاہر ہے۔

(جذب القلوب، ص ۲۱)

● حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو قید کرنے اور تین درّے مارنے کا فتویٰ دیا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے۔ باوجودیکہ وہ شخص لوگوں میں بڑی قدرومنزلت والا تھا۔ اور کیا تعجب ہے کہ اس شخص کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا جائے جو معاذ اللہ یہ کہے کہ وہ مٹی کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں خراب اور غیر خوشبودار ہے۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۵۵۶)

● اس مقام مقدس، شہر مطہر کے رہنے والے مٹی، در و دیوار اور پاکیزہ فضاؤں سے ایک خاص قسم کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ جسے کسی خاص خوشبو سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی اسے زبان بیان کرسکتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ کسی سونگھنے والی ناک نے ایسی خوشبو کہیں اور سونگھی بھی نہ ہو۔ حضرت اشبیلی جو کہ علمائے صاحب وجدان میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں خاص قسم کی خوشبو ہے جو کسی مشک و عنبر میں بھی نہیں ہے۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۵۵۷)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''جو وہ خاک نہ پائی'' کا جملہ مرقوم فرمایا ہے اس کا دوسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کی خاک میں دفن ہونا اور ہر مومن کی یہی دلی تمنا ہوتی ہے کہ کاش! مدینہ طیبہ میں موت آجائے تو قسمت کا ستارہ بلند ہو جائے۔

● حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی حج کیا۔ جب فرض حج ادا کر چکے تو دوبارہ مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ اس لئے نہیں گئے کہ شاید مدینہ منورہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ موت آجائے تو مدینہ طیبہ کی مٹی میں دفن ہونے کی سعادت سے محروم ہونا پڑے گا۔ لہٰذا مدت العمر آپ مدینہ منورہ ہی میں رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔ اور

مدینہ منورہ میں ہی دفن ہوئے۔ (جذب القلوب، ص۲۳)

● مدینہ منورہ سے بلا وجہ شرعی نکلنے پر وعید آئی ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد بہت جلد مدینہ شریف واپس آجاتے تھے۔ مکہ معظّمہ میں ضرورت سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے اور ساکنان مدینہ طیبہ کی یہ عادت باسعادت اب تک اسی روش پر ہے۔ (جذب القلوب، ص۳۰)

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ:

آباد رضؔا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

لفظ آباد ضد ہے برباد کی، لہٰذا مطلع یہ ہوا کہ حوادث وفتن زمانہ کی وجہ سے مدینہ منورہ برباد ہونے سے محفوظ اور سلامت ہے۔ یہاں تک کہ دجال لعین کے فتنہ اور شر سے یہ شہر مقدس سلامت اور امن میں رہے گا۔

مسلم کی احادیث میں آیا ہے کہ دجال کا خروج مشرق کی جانب سے ہوگا۔ اس کے بعد وہ مدینہ کا ارادہ کرے گا۔ جبل احد کی پشت پر پڑاؤ ڈالے گا۔ لیکن ملائکہ اس کے چہرے کو شام کی جانب موڑ دیں گے اور وہ خود شام میں ہلاک ہوگا۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ مدینہ شریف کے بہترین اشخاص میں سے ایک صاحب دجال کے سامنے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے خروج کی خبر رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے، ابوحاتم معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔

(81)

پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضاؔ
ان سگان کوٗ سے اتنی جان پیاری واہ واہ

حل لغت:

پارہ: پارچہ، ٹکڑا، ریزہ، جزو، پرچہ، قاش، پرزہ، پھانک، پیوند، جوڑ، پتھر کی چھوٹی سی دیوار، حقہ، تحفہ، تبرک، ہندی میں مشہور نام ایک دھات کا، لوہے کا گرز، عورت جو کنواری نہ ہو، ایک مٹھائی کی قسم جس کو شکر پارہ کہتے ہیں، رشوت۔

(فیروز اللغات، ص ۲۶۵ ☆ لغات کشوری، ص ۱۱۵ ☆ کریم اللغات، ص ۲۸)

دل: ایک اندرونی عضو، قلب، من، کسی شئے کا باطن، حوصلہ، کلیجا، جرأت، دلیری، ہمت، خواہش، رغبت، ہوس، رخ، توجہ، مرضی، خوشی، سخاوت، وسط، فیاضی، درمیان، مرکز۔ (فیروز اللغات، ص ۶۳۳ ☆ کریم اللغات، ص ۴۷)

دل سے: شوق سے، رغبت سے، توجہ سے، (فیروز اللغات، ص ۶۳۷)

تحفہ: ہدیہ، سوغات، زور، پیش کش، انعام، انوکھا، عجیب، نادر، عمدہ، بہت خوب، بہتر، نفیس، جمع تحائف۔ (فیروز اللغات، ص ۳۴۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۳۷ ☆ کریم اللغات، ص ۳۴)

کوٗ: گلی، کوچہ، محلّہ، گھر۔

(فیروز اللغات، ص ۱۰۳۸ ☆ لغات کشوری، ص ۶۰۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۱)

واہ واہ: سبحان اللہ، شاباش، مرحبا، حیرت وتعجب اور طنز کے موقع پر بولتے ہیں۔

(فیروز اللغات، ص ۱۴۰۴)

پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''دل'' ہے اس کا مطلب ''قلب، دل'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''دل'' ہے اس کا مطلب ''شوق، رغبت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس شہر، خیر البلاد، مدینہ اور اہل مدینہ کی عظمت و بلندی اور مرتبہ عالیہ کا ذکر فرمانے کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ کے بسنے والوں پر چاہے وہ انسان، جانور حتی کہ کتّا ہی کیوں نہ ہو، اسی پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کا جذبہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے احمد رضا! تو مدینہ گیا اور وہاں سے صحیح و سالم اور زندہ واپس آیا، کیا تجھ سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ تو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوچہ کے سگ (کتّے) کے سامنے شوق محبت میں اپنے دل کا ٹکڑا پیش کرتا اور وہ سگ کوچۂ نبی تیرے دل کو قبول کرتا اور تناول کرتا۔ لیکن اے احمد رضا! تو نے ایسا نہیں کیا تجھے آقا کے کوچہ کے سگ سے اپنی جان پیاری ہے، تعجب ہے تجھ پر اور حیرت ہے!

اس شعر میں لفظ ''دل'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''دل'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے مختلف۔ اس لئے یہ شعر اردو ادب اور فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہوا۔

پہلی مرتبہ جو دل ہے اس کا مطلب دل ہی ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ دل ہے اس سے مراد شوق اور رغبت ہے۔ حضرت رضا بریلوی خود اپنے آپ کو مخاطب فرما کر فرماتے ہیں کہ سگان کوچۂ نبی کی خدمت میں دل کا ٹکڑا دل سے یعنی رغبت و شوق سے پیش کرنا چاہیئے۔ ''دل سے'' اردو زبان کا محاورہ ہے اور اس کا استعمال شوق، رغبت اور محبت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی ملازم اپنا کام خوب رغبت اور احتیاط کے ساتھ حسن اسلوبی کے ساتھ

انجام دیتا ہےتو اس کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ملازم اپنا کام دل سے کرتا ہے۔ حالاں کہ وہ ملازم اپنے ہاتھ پاؤں سے کام کرتا ہے۔لیکن کام کے ساتھ اس کی لگن اور رغبت کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ دل سے کام کرتا ہے، اسی طرح آداب محبت اور عبادت میں بھی دل کی اہمیت ہوتی ہے۔مثال کے طور پر ایک شخص شوق ورغبت سے نماز پابندی سے پڑھتا ہے اس کے لئے کہا جائے گا کہ دل سے عبادت کرتا ہے اور ایک شخص شوق ورغبت سے نہیں بلکہ دکھاوے کے لئے پابندی سے نماز پڑھتا ہے تو اس شخص کو ریا کار، اور اس کی عبادت کو دکھاوے کی عبادت کہا جائے گا۔لیکن عشق صادق میں ریا کاری کا کچھ بھی دخل نہیں، عشق صادق میں تو جذبۂ ایثار و قربانی کو ہی اہمیت حاصل ہے۔ایک عاشق کا مقصد حیات صرف اپنے محبوب کی محبت کے آداب بجالانا ہوتا ہے، اور محبت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جس سے محبت کی جاتی ہے اس سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت کی جائے۔اس کی تعظیم وتکریم کی جائے اور اس پر اپنا سب کچھ نثار کر دیا جائے بلکہ اپنے محبوب پہ یا اس سے نسبت رکھنے والی شئے پہ مرمٹنا ہی عشق صادق کی منزل ومعراج ہے۔ ویسے تو دنیا میں بہت سے عاشق پیدا ہوئے ہیں۔کوئی لیلیٰ کا عاشق، کوئی شیریں کا عاشق، کوئی کسی کا عاشق یہ سب عاشق عشق مجازی کے دلدادہ تھے۔اس کے باوجود انھوں نے معیار عشق ومحبت کو بلندی بخشی، حالاں کہ وہ عاشق بھی ختم ہوگئے۔ان کے محبوب بھی فنا کے پردے میں گم ہوگئے۔لیکن اس کائنات میں ایک ذات گرامی ایسی ہے جو کروڑوں مومنین کے محبوب ہیں۔ بلکہ خالق کائنات تبارک وتعالیٰ کے بھی محبوب اعظم ہیں۔ اس محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رب فنا ہونے سے پاک ہے۔ اور اپنے محبوب کو بھی فنا ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ بلکہ جو اس محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عاشق صادق ہوتا ہے اس کو رب تعالیٰ حیات جاودانی عطا فرماتا ہے۔ یہ ہے عشق حقیقی جس میں کسی غرض ولالچ کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔عشق حقیقی میں تو فنا کا ہی جذبہ کارگر ہوتا ہے۔محبوب کی محبت میں فنا کی منزل

میں پہنچ جانے والے کو کائنات کی ہر شئ میں محبوب کے ہی جلوے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کے عشق میں ہر لمحہ تڑپتا اور بلکتا رہتا ہے۔ اپنے محبوب کی یاد ہی اس کے لئے سبب حیات وزندگی ہوتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی بہانے اپنے محبوب کو یاد کر لیتا ہے۔ اور یاد کے ذریعہ فراق وہجر محبوب کی کلفت کو زائل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن عشق حقیقی میں ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ:

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

محبوب کے ساتھ بے پناہ عشق میں اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ محبوب تو درکنار بلکہ محبوب کی ادا جیسی ادا یا اس ادا کی تشبیہ رکھنے والے پر بھی وارفتہ اور فریفتہ ہوتا ہے۔ محبوب جیسی ادا کی نسبت یا اس کے شہر، محلّہ، گلی، کوچہ، مکان یا اس کی کوئی چیز جس کو محبوب سے تھوڑی بہت بھی نسبت ہوتی ہے، وہ عاشق کے لئے اس لائق ہوتی ہے کہ اس پر اپنی جان نثار کرنا بھی محبت کا کما حقہ، حق ادا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ کس پر جان نثار کروں تا کہ محبوب کے ساتھ نسبت رکھنے والے کی تعظیم وتکریم ہو سکے۔ اور اسے کبھی ایسا موقع ملتا بھی ہے، لیکن وہ مرمٹتا نہیں۔ تو اسے دلی رنج ہوتا ہے اور وہ اس رنج کے عالم میں اپنے کو ملامت کرتا ہے کہ ہائے میں نے یہ کیا کیا؟ ایسا سنہری موقع ہاتھ سے جانے دیا۔ تیرے عشق کا جذبہ سرد ہو گیا ہے۔ کہ تو نے اپنے آپ کو مٹانے سے باز رکھا اور اپنی جان کو پیاری سمجھا۔ تجھ پر افسوس اور تعجب ہے!

یہی انداز وکیفیت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہے جو آپ کے شعر سے عیاں ہے۔ مدینہ منورہ کے سگ کی خدمت میں اپنا پارۂ دل یعنی دل کا ٹکڑا پیش نہ کر سکنے کے افسوس وغم میں وہ اپنے آپ کو کوستے ہیں کہ تو اپنی جان کو سگ مدینہ سے زیادہ پیاری سمجھ کر قربان کرنے سے باز رہا۔ تیرا یہ فعل حیرت انگیز وتعجب خیز ہے۔

حضرت رضؔا بریلوی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ اپنے عشق کے جذبات میں

بہہ کر شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کرتے تھے، بلکہ شریعت کے دائرے میں محدود ہوتے تھے۔ آپ غلو اور بے جا مبالغہ سے یک لخت پرہیز کرتے تھے۔ آپ جو کچھ بھی تقاضائے عشق کے تحت کہتے تھے یا کرتے تھے، اس کا ثبوت قرآن، حدیث یا بزرگان دین کے اقوال و افعال سے ہوتا تھا۔ سگ کوچۂ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم بھی خالی از ثبوت نہیں۔

- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''حَقِيْقٌ عَلٰى اُمَّتِى حِفْظُ جِيْرَانِى''

ترجمہ: میری امت پر لازم ہے کہ میرے ہمسایہ کی حفاظت و حرمت کریں۔

(جذب القلوب، اردو، ص ۳۰)

- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''مَنْ حَفِظَهُمْ كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ''

ترجمہ: جو شخص ان کی حرمت کی حفاظت کرے گا، میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔ (جذب القلوب، اردو، ص ۳۱)

- حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مرید حج بیت اللہ شریف کے لئے جا رہا تھا۔ حج کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے وہ مرید اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعائے خیر اور نصیحت کا خواستگار ہوا۔ آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور یہ نصیحت و ہدایت فرمائی کہ ارکان حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ ضرور جانا اور مدینہ طیبہ کا ادب ملحوظ رکھنا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کے جانوروں کا بھی ادب بجالانا۔ اور ان کی تعظیم و تکریم میں کسی قسم کی کوتاہی مت کرنا۔ وہ مرید آپ کی نصیحت پر کامل عمل کرنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوا۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ مبارکہ کے مقدس سفر سے واپسی پر سب سے پہلے وہ اپنے پیرو مرشد حضرت بو علی شاہ قلندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ مرید تو دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ میں مقدس مقامات کی زیارت کا شرف حاصل کر کے لوٹا ہوں۔ لہٰذا حضرت مجھے خوب مبارک بادی

دیں گے۔اور مجھے اپنے سینے سے چمٹالیں گے۔اس حسن ظن میں آگے بڑھتا ہوا جب وہ اپنے پیرومرشد کے سامنے آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت کے چہرے پر ناراضگی اور نفرت کے آثار نمایاں ہیں۔اس شخص کو دیکھ کر حضرت نے چہرہ پھیر لیا۔اور اس پر نظر التفات بھی نہ فرمائی۔ مرید تعجب وحیرت میں ہے کہ آج حضرت کو نہ جانے کیا ہوگیا ہے۔شاید پہچانا نہیں۔لہٰذا وہ اس طرف ہوگیا۔جس طرف حضرت نے اپنا چہرہ گھمار کھا تھا۔وہ مرید جیسے ہی حضرت کے چہرہ کے قریب آیا آپ نے اپنا چہرہ پھر دوسری جانب کرلیا۔اس طرح تین مرتبہ ہوا۔اب مرید کی حالت غیر ہوگئی۔اس کو یقین ہوگیا کہ حضرت ضرور مجھ سے خفا ہیں۔لیکن کس وجہ سے خفا ہیں اس کا پتہ نہیں چلا۔ہوسکتا ہے کہ کسی حاسد نے میرے خلاف حضرت کے کان بھر دیئے ہوں۔ اور حضرت کو مجھ سے کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو۔اس لئے اس مرید نے گفتگو کا آغاز کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ کر اپنا تعارف کرایا کہ حضور میں آپ کا فلاں بن فلاں مرید ہوں اور زیارت حرمین شریفین سے واپس آیا ہوں اور شاید حضرت کو یاد ہوگا کہ زیارت حرمین شریفین سے پہلے آپ کی خدمت میں نیاز حاصل کرنے حاضر ہوا تھا۔اور آپ نے اس ناچیز کو اپنی مخصوص دعاؤں سے نوازا بھی تھا۔مرید کی یہ التجا سن کر حضرت بوعلی شاہ قلندر کو جلال آ گیا، جلال کے اثرات آپ کے چہرے پر اور آنکھوں سے نمایاں تھے۔آپ نے اس مرید سے فرمایا کہ میری نظروں سے دور ہو جا۔میں تیری صورت بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔یہ سنتے ہی وہ مرید لرز گیا اور آپ کے قدموں پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور تڑپ کر کہنے لگا کہ حضرت ایسا نہ فرمائیں۔آپ اپنے دربار سے نہ نکالیں۔میں کہاں جاؤں گا، آپ کے در کے سوا میرے لئے کہاں پناہ ہے؟ اگر مجھ سے کوئی غلطی یا خطا ہوگئی ہو تو میں توبہ اور معافی کا طلب گار ہوں۔اس پر آپ نے فرمایا کہ تو نے میری نصیحتوں کو سنا اور ان سنی کر دیا۔میں نے تجھے تاکید کے ساتھ وصیت کی تھی کہ جب مدینہ منورہ جانے کا موقع ملے تو وہاں کا خوب ادب کرنا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کے

جانوروں کا بھی ادب کرنا، لیکن تو نے میری نصیحتوں پر توجہ نہیں دی۔ مرید نے عرض کیا کہ حضور یہ ممکن ہی نہیں کہ میں آپ کی نصیحت کو فراموش کردوں۔ مجھے آپ کی نصیحت ہر لمحہ یاد تھی اور حتی الامکان میں نے اس پر عمل کیا۔ یہ سن کر حضرت بوعلی شاہ قلندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مزید جلال آیا اور ہیبت ناک لہجہ میں فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، مرید لرزتے ہوئے عرض کرتا ہے آپ میرے پیرومرشد ہیں۔ میں مرجانا زیادہ پسند کرتا ہوں بمقابل اس کے کہ آپ کے سامنے جھوٹ بولوں۔ حضرت نے فرمایا کہ یاد کر مدینہ منورہ کے جانوروں کے ساتھ تو نے کوئی گستاخانہ سلوک کیا ہے؟ مرید سکتہ اور خاموشی کے عالم میں ڈوب کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑا غوروفکر کرنے کے بعد اسے کچھ یاد آیا اور کہا کہ حضرت ایک دن میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں تیزی سے جارہا تھا۔ لوگوں کی کافی بھیڑ تھی میں جلدی میں تھا۔ نماز کی جماعت قائم ہونے میں چند لمحات ہی باقی رہ گئے تھے۔ میں عجلت میں چل رہا تھا۔ تاکہ وقت پر مسجد نبوی میں پہنچ کر شریک جماعت ہوسکوں۔ اچانک لوگوں کی بھیڑ بڑھ گئی اور کسی نے میری پشت پر زور سے دھکا دیا۔ میں گرتے گرتے بمشکل بچا لیکن سامنے ایک کتا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بازو پر میرے پاؤں کا انگوٹھا لگا تھا۔ میں نے کوئی توجہ نہ دی۔ کیوں کہ میں نے ایسا قصداً نہیں کیا تھا۔ بلکہ کسی نے مجھے دھکا لگایا اور میرا پاؤں سگ مدینہ کے پاؤں پر پڑ گیا۔ اس پر حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے دائیں ہاتھ کی آستین اوپر کی تو مرید یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ آپ کے داہنے ہاتھ پر ایک زخم ہے حضرت نے فرمایا کہ یہ تیرے پاؤں کے انگوٹھے کا زخم ہے۔ اس وقت میں مدینہ شریف میں اس کتے کی شکل میں حاضر تھا جس کو تیرے پاؤں کا انگوٹھا لگا۔

- حضرت شاہ عبدالرحیم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہے جو بہت طویل ہے۔ مختصر یہ کہ جب ان کے صاحبزادے حج سے واپس آئے تو آپ نے ان سے کہا کہ مدینہ طیبہ میں تم نے ایک کتے کو تین مرتبہ چھڑی سے مارا تھا۔ صاحبزادے نے اعتراف

کیا۔تو آپ نے اپنا کرتا اٹھا کر اپنی پیٹھ دکھائی تو آپ کی پشت پر مار کے تین نشان موجود تھے۔آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں تم نے جس کتے کو مارا تھا وہ میں ہی تھا۔

ایسے کئی واقعات مروی ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ ممکن نہیں۔انہیں تمام واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا نے یہ شعر کہا ہے بلکہ ایک مقام پر تو عشق سے لبریز شعر میں فرماتے ہیں:

رضا کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

عاشق مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی پاک کے عشق ومحبت میں اتنے دیوانے تھے کہ تعظیم رسول کے لئے وہ اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال دیتے لیکن تعظیم رسول میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آنے دیتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے سامنے حدیث بیان کررہے تھے۔دوران بیان آپ کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا۔حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ متغیر ہوگیا، چہرہ زرد پڑ گیا،مگر حدیث کو درمیان میں قطع نہیں فرمایا۔جب بیان حدیث سے فارغ ہوئے اور سب لوگ چلے گئے۔تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ اے ابوعبداللہ! میں نے آج آپ کا عجب حال دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجلال و تعظیم کی بنا پر صبر کرتا رہا۔

(مدارج النبوۃ،جلد۱،اردو،ص۵۴۲)

اسی تعظیم و آداب محبت کا صلہ عشاق رسول کو یہ ملتا ہے کہ وہ دنیا سے رحلت کرنے کے بعد بھی قیامت تک لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں اور داد عشق حاصل کرتے رہتے ہیں۔

(82)

شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام
راحت انھیں کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے

حل لغت:

شوریدہ: عاشق، دیوانہ، پریشان، حیران، جنونی۔

(فیروز اللغات، ص۸۴۹☆لغات کشوری، ص۴۳۲)

سر: سر، کھوپڑی، کسی چیز کا اوپر کا حصہ، چوٹی، ابتداء، شروع، فکر، خیال، زور، قوت، سردار، خلاصہ، خواہش، ارادہ، کنارہ، عنوان، عشق، دماغ، برابر۔

(فیروز اللغات، ص۷۸۶☆لغات کشوری، ص۳۷۴☆ کریم اللغات، ص۸۹)

راحت: آرام، آسائش، آسودگی، قرار، سکھ، استراحت، امن، چین، سکون، خوشی، مسرت، محنت کا، تکلیف کا اور بے آرامی کا ختم ہونا، محنت سے آزادی، ہاتھ کی ہتھیلی۔

(فیروز اللغات، ص۶۹۶☆لغات کشوری، ص۳۱۵☆ کریم اللغات، ص۷۷)

پہلے مصرع میں لفظ ''شوریدہ'' کا مطلب ''عاشق'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''شوریدہ'' کا مطلب ''پریشان'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار عالی وقار میں حاضر ہو کر صلاۃ وسلام پیش کرنے والے عشاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کے پیارے محبوب، رحمۃ للعالمین کے دربار عالی وقار

سے ایک عاشق جو والہانہ عقیدت رکھتا ہے اور اپنے ہجر وفراق سے تنگ ہو کر راحت وسکون حاصل کرنے کے لئے صرف اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوتا ہے تو اسے راحت قلب و جان مل جاتی ہے، کیوں کہ یہی مقام ہے جہاں پریشان سروں کو راحت ملتی ہے۔

اس شعر میں لفظ ''شوریدہ'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ شوریدہ ہے اس کا معنی عاشق یا دیوانہ ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ شوریدہ ہے اس کا معنی حیران اور پریشان ہے۔ دونوں لفظ ''شوریدہ'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں درود وسلام عرض کرنے کی کیفیت کا ذکر کر رہے ہیں۔ درود وسلام ایسا فعل مستحسن ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا'' (سورۃ احزاب، آیت ۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عالی کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجیں۔ صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ درود شریف پڑھنا اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلاۃ وسلام بھیجنا امر الٰہی ہے۔ بلکہ ایسا مبارک کام ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں۔ ایک نکتہ ذہن میں رہے کہ قرآن شریف میں اللہ

تعالیٰ نے متعدد مقامات پر مومنین کو مختلف عبادات کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً:

''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ'' (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۷۸)

ترجمہ: نماز قائم رکھو۔ (کنزالایمان)

''یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ارۡکَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا'' (سورۃ الحج، آیت ۷۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔ (کنزالایمان)

''وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' (سورۃ البقرہ، آیت ۴۳)

ترجمہ: اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔ (کنزالایمان)

''کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ'' (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۳)

ترجمہ: اور تم پر فرض کیئے گئے روزے۔ (کنزالایمان)

''وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ'' (سورۃ آل عمران، آیت ۹۷)

ترجمہ: اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے۔ (کنزالایمان)

''وَلۡیَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَیۡتِ الۡعَتِیۡقِ'' (سورۃ الحج، آیت ۲۹)

ترجمہ: اور اس آزاد گھر کا طواف کریں (کنزالایمان)

''جَاھِدِ الۡکُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ'' (سورہ التوبہ، آیت ۷۳)

ترجمہ: جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر (کنزالایمان)

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ نماز قائم رکھو، رکوع اور سجدہ کرو، زکوٰۃ دو، روزہ رکھو، حج کرو، طواف کرو اور جہاد کرو۔ لیکن پورے قرآن مجید میں ایسا ذکر کہیں بھی نہیں ہے کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے فرشتے نماز پڑھتے ہیں، رکوع وسجدہ کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں وغیرہ، لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی نماز پڑھو، رکوع وسجدہ کرو، روزہ رکھو وغیرہ، صرف اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے معاملے میں ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اور پھر اس کی متابعت

کرنے کے لئے حکم نافذ فرمایا گیا ہے کہ اے ایمان والو، ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے تعلق سے یہ ذکر ہوا کہ اللہ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ لیکن جب ایمان والوں کو حکم دیا گیا تو اس میں درود کے ساتھ سلام پڑھنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، بلکہ ''وَسَلِّمُوا تَسۡلِیۡمًا'' کے ساتھ مؤکد کیا گیا یعنی خوب سلام بھیجو۔ جس کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلاۃ (درود) بھیجتا ہے اور اللہ کے ایمان دار بندے اللہ کے محبوب پر صلاۃ (درود) وسلام بھیجتے ہیں۔ یعنی صلاۃ وسلام بھیجنا ایمان والوں کا کام ہے اور صلاۃ وسلام کی ممانعت کرنا بے ایمانوں کا کام ہے۔ قابل غور بات ہے کہ سورۂ احزاب کی آیت درود میں ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' فرمایا گیا ہے۔ ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ'' یعنی اے لوگو! نہیں کہا گیا۔ جس سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہر انسان کو صلاۃ وسلام کا نذرانہ بارگاہ رسالت میں بھیجنے کی سعادت میسر نہیں بلکہ صرف ایمان والوں کی خوش قسمتی ہے۔ وہ سنت الٰہیہ ادا کر کے بارگاہ رسالت میں صلاۃ یعنی درود بھیجنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور اس سعادت عظمیٰ کے ساتھ ساتھ حکم الٰہی ''وَسَلِّمُوا تَسۡلِیۡمًا'' کی بجا آوری اور تعمیل میں محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خوب سلام بھی بھیجتے ہیں۔ یعنی صلاۃ وسلام کی کثرت کرتے ہیں۔ اور جو بے ایمان ہوتا ہے وہ سلاۃ وسلام کے ناجائز اور بدعت ہونے کا فتویٰ دیتا ہے۔ ایک اہم نکتہ کی طرف قارئین کی توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنی عبادت کا عام حکم دیا ہے تب مخاطب سب انسانوں کو بنایا ہے۔ مثلاً:

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ'' (سورہ البقرہ، آیت ۲۱)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کو پوجو، جس نے تمہیں پیدا کیا۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پوری نوع انسانی کو مخاطب فرمایا

ہے۔لیکن قرآن مجید میں آپ کو متعدد آیات ایسی ملیں گی کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر بجالانے کا حکم دیا ہے۔مگر ان تمام آیات قرآنی درباب تعظیم رسول کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان آیات میں ''یٰاَیُّھَا النَّاسُ ''یا ''یَا اَھْلَ الْکِتَابِ ''یا ''یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ ''یعنی اے لوگو!اے اہل کتاب!اے کافرو!نہیں ہے بلکہ ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ''یعنی اے ایمان والو!ہے۔مثلاً:

''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا''

(سورۃ البقرہ،آیت۱۰۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا نہ کہواور یوں عرض کروکہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو۔ (کنزالایمان)

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو کچھ تعلیم وتلقین فرماتے اور کوئی بات کسی صحابی کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ یوں عرض کیا کرتے ''رَاعِنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ''یعنی یارسول اللہ!ہمارے حال کی رعایت فرمایئے اور کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجئے یعنی دوبارہ ارشاد فرمایئے۔صحابہ کرام لفظ ''رَاعِنَا'' کا استعمال نیک نیت سے کرتے تھے،لیکن یہودیوں کی لغت اور اصطلاح میں لفظ ''رَاعِنَا''خراب مطلب رکھتا تھا۔اس کا ایک معنیٰ''ہمارا چرواہا'' بھی ہوتا تھا۔صحابہ کرام نے جو لفظ اچھی نیت سے کہا تھا اسی لفظ ''رَاعِنَا'' کو یہودیوں نے توہین کی نیت سے کہنا شروع کیا۔وہ یہ لفظ بول کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور آنکھوں آنکھوں میں اشارے کرکے مسکراتے۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہود کی اصطلاح سے واقف تھے۔وہ یہودیوں کی اس سازش پر مطلع ہوگئے اور ایک روز ان یہودیوں کی زبان سے یہ کلمہ سن کر فرمایا کہ اے دشمنان خدا!تم پر اللہ کی لعنت!اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اس کی گردن ماردوں گا۔یہود نے کہا کہ آپ ہم پر خواہ مخواہ برہم ہوتے ہیں۔مسلمان بھی تو یہی

کہتے ہیں۔اس پر حضرت سعد رنجیدہ ہوکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۲۹)

خلاصہ یہ کہ جن الفاظ کے بولنے سے مخالفین کو گستاخی کرنے کا موقع ملتا ہو ان الفاظ کے استعمال کی مومنین کو ممانعت فرمائی گئی اور یہ درس دیا گیا کہ نبی کی تعظیم وتوقیر کو ملحوظ رکھو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ''

(سورۂ حجرات، آیت ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔

(کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چند اشخاص نے عید الاضحیٰ کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کردیا۔ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی سے تقدم نہ کرو۔یعنی تمہیں لازم ہے کہ تم قول وفعل میں نبی سے تقدم مت کرو کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب واحترام کے خلاف ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۲۷)

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ'' (سورۂ حجرات، آیت ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے

ہو۔ (کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی ہے، کیوں کہ ان کو ثقل سماعت یعنی کان سے کم سننے کی بیماری تھی۔ اور جو شخص اونچا سنتا ہے اس کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ خود بھی اونچی آواز میں بات چیت کرتا ہے۔ حضرت ثابت کان کے نقص کی وجہ سے بلند آواز سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو گفتگو کرتے تھے۔ لہٰذا اس آیت میں حضور کی شان وشوکت اور ادب واحترام کی تعلیم دی گئی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، صفحہ ۹۲۷)

اسی طرح قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مومنوں سے خطاب کرکے محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کے ادب واحترام کی تعلیم فرمائی گئی ہے جس کی تفصیلی گفتگو نہ کرتے ہوئے صرف آیت اور اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ طول تحریر کے خوف سے تفسیر بیان نہیں کی گئی۔ جن حضرات کو معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق ہو وہ سنی صحیح العقیدہ مفسرین کرام کی کتب تفاسیر کی طرح رجوع کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

قرآن مجید میں ہے:

”یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ“ (سورۃ انفال، آیت ۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔ (کنزالایمان)

قرآن مجید میں ہے:

”یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَكُمۡ“

(سورۃ احزاب، آیت ۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اذن نہ پاؤ۔

(کنزالایمان)

الحاصل! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت، تعظیم

توقیر، ادب اور احترام تعلیم فرمانے کے لئے جو آیات قرآنیہ نازل فرمائی ہیں ان آیات کی ابتداء میں ''اے ایمان والو'' فرما کر مومنین کو مخاطب کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو مومن ہوتے ہیں وہی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر بجالاتے ہیں۔ بے ایمان اور منافق عظمت رسول سے بھاگتے ہیں۔ اسی طرح سورۂ احزاب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود اور خوب سلام بھیجنے کا حکم بھی خصوصی طور پر مومنین کو ہی دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عالم الغیب والشھادۃ ہے۔ اس کی صفت علیم وخبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازل سے ابد کو محیط ہے۔ اس کا علم لامحدود ولامتناہی ہے۔ اس کے علم میں تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ کچھ لوگ صورت وشکل سے تو مسلمان نظر آئیں گے، لیکن توہین رسول کے ارتکاب کی وجہ سے وہ مومن نہیں ہوں گے، اور وہ لوگ رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عداوت رکھتے ہوں گے اور اسی عداوت کی بنا پر درود وسلام کے منکر ہوں گے۔ لہٰذا سورہ احزاب میں ایسے منافقین کو مستثنیٰ کر کے صرف ایمان والوں کو ہی حکم دیا گیا کہ اس نبی پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ ثابت ہوا کہ اہل سنت وجماعت صلاۃ وسلام کا ہدیہ بارگاہ رسالت میں بھیج کر قرآن مجید کے فرمان پر عمل کر رہے ہیں اور صلاۃ وسلام کو ناجائز، بدعت اور شرک کہنے والے قرآن مجید کے صریح حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام بھیجنا ایمان کی علامت اور ایمان کا جذبہ صادق ہے۔ اسی لئے حضرت رضا بریلوی نے شعر کے مصرع اول میں فرمایا ہے کہ:

شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان شعر کے مصرع ثانی

راحت انھیں کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے

میں ایک حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ اسی سرکار عالی کی بارگاہ ہے

جہاں ہر پریشان حال کو ان کے قدموں میں راحت میسر ہوتی ہے۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابن جوزی نے اپنی کتاب ''مثير الغرام الساكن الیٰ اشرف الاماكن ''میں بروایت محمد بن حرب ہلالی اس طرح بیان کیا ہے کہ محمد بن عبید اللہ بن معاویہ المعروف بہ عتبی (متوفی ۲۲۸ھ) نے کہا کہ میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کر کے حضور کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایک اعرابی نے آ کر زیارت کی اور یوں عرض کیا کہ یا خیر الرسل ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی۔ جس میں یوں ارشاد فرمایا ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا''

(سورۂ النساء، آیت ۶۴)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (کنز الایمان)

میں آپ کی خدمت میں آپ کے پروردگار سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا طالب اور آپ کی شفاعت کا امیدوار بن کر حاضر ہوا ہوں۔ پھر اس نے رو کر یہ اشعار پڑھے:

يَاخَيْرَمَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظَمُهُ فَطَابَ مِنْ طَيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمِ
نَفْسِى الْفِدَاءُ لِقَبْرٍاَنْتَ سَاكِنُهٗ فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمِ

ترجمہ: اے سب سے بہتر جن کا جسم اقدس میدان میں مدفون ہے۔ پس ان کی خوشبو سے پست اور اونچی زمین مہک گئی۔ میری جان اس قبر انور پر فدا جس میں آپ ساکن ہیں۔ اس میں پاکیزگی ہے اور اس میں جودو کرم ہے۔ اس کے بعد اس اعرابی نے توبہ کی اور چلا گیا۔ میں سو گیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں ''تم اس شخص سے ملو اور اسے بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس کے گناہ

معاف کردیئے۔'' میری آنکھ کھلی تو میں اس کی تلاش میں نکلا مگر وہ شخص نہ ملا۔

(وفاءالوفاء، از علامہ سمہودی، جلد۲، ص۴۱۱)

علامہ سمہودی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن حسن دمیاطی کو بیان کرتے سنا ہے کہ مجھ سے عبدالقادر تینیسی نے حکایت کی کہ میں فقیروں کی طرح سفر کر رہا تھا۔ میں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ عرض کیا اور بھوک کی شکایت کی۔ پھر میں روضہ انور کے احاطہ میں سو گیا۔ ایک نوجوان نے مجھے جگایا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے ثرید کا ایک پیالہ اور کئی قسم کی کھجوریں اور بہت سی روٹیاں پیش کیں۔ میں نے کھانا کھایا۔ اس نے گوشت و نان اور تمر سے میرا توشہ دان بھر دیا اور بیان کیا کہ میں نماز چاشت کے بعد سویا ہوا تھا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں یہ کھانا پیش کروں۔ حضور نے مجھے تمھاری جگہ بھی بتادی اور فرمایا کہ تم نے حضور سے یہی تمنا کی تھی۔ (سیرت رسول عربی، از علامہ توکلی، ص۷۲۱)

ایک سال مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فریاد کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر اس میں ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو، تاکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ خوب بارش ہوئی اور خوب گھاس اُگی اور اونٹ ایسے فربہ ہو گئے کہ چربی سے پھٹنے لگے۔ اس سال کو ''عام الفتق'' کہتے ہیں۔

(سنن دارمی، باب: ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد موتہ)

(83)

بہہ چلی آنکھ بھی اشکوں کی طرح دامن پر
کہ نہیں تار نظر جز دو سہ تار دامن

حل لغت:

بہنا: جاری ہونا، رواں ہونا، پھیل جانا، مواد نکلنا، پگھلنا، پریشان ہونا۔

(فیروز اللغات، ص ۲۲۸)

دامن: آنچل، انگرکھے وغیرہ کا لٹکا ہوا حصہ، داماں، کور، کنارہ، آنچل یا پلو، لب، حاشیہ، تلیٹی یعنی پہاڑ کے نیچے کی زمین، جیسے دامن کوہ۔

(فیروز اللغات، ص ۶۱۰ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۹ ☆ کریم اللغات، ص ۷۰)

تار: تاگا، دھاگا، سلسلہ، اندھیرا، تاریکی، ریزہ، پارہ، تانا بانا، انگوٹھی، چھلہ، زیور کا حصہ، بادلہ، دھات کا ڈورا، میان سر یعنی مانگ، ڈورا، سوت، فائل، خطوط پرونے کا تار، قوام، چیپ، تار برقی یعنی ٹیلی گرام، وہ خبر جو تار کے ذریعہ آئے۔

(فیروز اللغات، ص ۳۳۴ ☆ لغات کشوری، ص ۱۳۰ ☆ کریم اللغات، ص ۳۳۵)

تار نظر: نظر کا سلسلہ، نگاہ کا سلسلہ۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۵)

جز: جزء کا مخفف، حصہ، ٹکڑا، ریزہ، پارہ، ماورا، سوائے، علاوہ، بن، قطع نظر، بغیر، بدون۔ (فیروز اللغات، ص ۴۵۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۲ ☆ کریم اللغات، ص ۵۰)

دوسہ: دو تین، چند، ۲ اور ۳۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۸، ص ۸۲۳)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''تار'' کا مطلب ''سلسلہ'' ہے

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''تار'' کا مطلب ''دھاگا'' ہے

شعر کی تشریح اوراس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق وفراق میں اپنی بے تابی کا اظہار فرمارہے ہیں اور اپنے بے چین دل کی کیفیت اوراس کی وجہ سے اپنی حالت گریہ وآہ وفغاں کا ذکر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ پیارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق ہجر میں روتے روتے یہ حالت ہوگئی ہے کہ آنکھ سے اشک تو رواں تھے ہی، لیکن روانی اشک اتنی کثرت سے ہوئی کہ اب آنکھ سے آنسو ٹپک کر دامن پر نہیں گرتے، بلکہ اب خود آنکھ بھی آنسو کی مانند دامن پر ٹپک آئی ہے اور آنکھ ونظر کا سلسلہ (تار) اب دامن کے دوتین دھاگے کی مانند ہوگیا ہے۔ یہ تو ہوئے شعر کے ظاہری اور لغوی معنی۔ شعر کی مزید وضاحت وتشریح سے قبل اس امر کی طرف توجہ درکار ہے کہ یہ شعر عشق کے اعلیٰ تصور وتخیل کی عکاسی کرتا ہے۔ اس شعر میں ایک عاشق صادق کے قلبی تاثرات پیش کیے گئے ہیں، جن کا اندازہ شعر کی تشریح کے مطالعہ سے بخوبی ہوگا۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مصرع ثانی میں لفظ ''تار'' کا دومرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ دونوں لفظ ''تار'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن باعتبار معنی ومطلب متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر اردو ادب وفن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''تار'' ہے وہ سلسلہ کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''تار'' ہے اس کا مطلب دھاگا، تاگا، ڈورا وغیرہ ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فراق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایک عاشق کی حالت اوراس کی بقائے زندگی کو تار دامن اور وہ بھی صرف دوتین تار سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی عاشق کا دل فراق محبوب میں مضطرب اور عاشق کی آنکھ حسرت دیدار

میں رو رو کر اب اپنی بقا کی آخری منزل میں ہے، اب فنا ہوتی ہے تب فنا ہوتی ہے۔ جیسے کہ دامن جب بوسیدہ ہو جاتا ہے تو پھٹ جاتا ہے۔ اس دامن کے تار تار الگ ہو جاتے ہیں۔ تاہم اس کے دو تین تار ہنوز دامن سے ملحق ہیں۔ بظاہر تو وہ منقطع نظر آتا ہے۔ لیکن صرف دو تین تار کی وجہ سے ابھی تک اس کا دامن سے رشتہ باقی ہے۔ لیکن وہ رشتۂ الحاق اتنا ضعیف اور کمزور ہے کہ ایک معمولی سا جھٹکا بھی برداشت کرنے کی اس میں تاب نہیں۔ کسی بھی وقت اس کا دامن سے رشتہ جو صرف دو تین تاروں کے سہارے ہے، ٹوٹ جانے کا امکان ہے اور اس کے ٹوٹ جانے کے بعد دامن سے ہمیشہ کے لئے رشتہ ختم ہو جائے گا۔ یہی حالت فراق عشق میں تڑپنے والے عاشق کی ہوتی ہے۔ اس کا زندگی سے رشتہ دامن کے دو تین تار کی طرح باقی ہے۔ وہ رشتہ ٹوٹتے ہی اس کی نظر کا سلسلہ یعنی تار نظر منقطع ہو جائے گا اور اس کی آنکھ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی۔ لیکن دامن کے دو تین تار پر اٹکے ہوئے کپڑے میں اور زندگی کے دو تین تار پر زندہ عاشق میں زمین آسمان کا فرق ہے، کیوں کہ دامن کا کپڑا بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے تار تار ہو جاتا ہے اور پھر دامن سے کامل طور پر علاحدہ ہو جانے پر بے کار ہو جاتا ہے، لیکن عاشق کا دل کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔ عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فراق کی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ قوی ہوتا رہتا ہے اور اس کی قوت ایمانی اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی طاقت ایمانی کے بل بوتے پر دنیا و مافیہا سے علاقہ و رشتہ خود ہی منقطع کرنے کی کوشش وسعی کرتا ہے، لیکن دو تین تار سے دنیا سے اس کی حیات متصل ہوتی ہے اور اس کی دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ دو تین تار سے جوڑا ہوا اس کا رشتہ حیات جلد از جلد منقطع ہو جائے۔ کیوں کہ دنیا سے کامل طور پر رشتہ منقطع ہو جانے پر اس کو وہ صلہ حاصل ہونے والا ہے جس کی ہر عاشق دل سے تمنا کرتا ہے۔ مثلاً:

- حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کا جب وقت آیا تو ان کی بیوی گریہ و

زاری کرنے لگیں، اور ایک روایت میں ہے کہ غم وافسوس کرنے لگیں۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ کتنی خوشی اور مسرت کی بات ہے کہ میں کل صبح اپنے آقا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب واحباب سے ملاقات کروں گا۔

(مدارج النبوۃ، اردو، ص ۵۲۴)

- عبدۃ بنت خالد بن معدان سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ میرے والد خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی گھر میں سونے کے لئے لیٹتے تو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب ومہاجرین اور انصار سے شوق ملاقات کا اظہار کرتے اور ان کا نام لے کر یاد کرتے اور کہتے کہ وہ ہماری اصل ہیں۔ ان کی طرف میرا دل کھنچ رہا ہے اور ان سے ملاقات کی تمنا طویل ہوگئی ہے۔ اے خدا! میری جان جلد قبض فرما۔ پھر وہ روتے اور آہ وزاری کرتے رہتے، اور یہی کلمات ان کی زبان پر جاری رہتے، یہاں تک کہ نیند غلبہ کرلیتی۔ (مدارج النبوۃ، ص ۵۲۴)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عشق وہ عشق صادق ہے کہ آپ کے عشق میں عشاق ہر وقت آپ کے خیال وتصور میں رہتے ہیں۔ آپ کے احوال وصفات کا تذکرہ ہمیشہ ان کی زبانوں پر رہتا ہے اور وہ اسے ورد جان بنائے رکھتے ہیں۔ علامات محبت رسول میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر شریف کے وقت آپ کی تعظیم وتوقیر بجالانا ہے۔ آپ کے اسم مبارک کے سننے پر اظہار خشوع وخضوع اور انکساری کرنا اور آپ کی یاد وفرقت میں تڑپنا بھی شامل ہے۔ صحابہ کرام کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حال تھا کہ جب وہ حضور کا تذکرہ کرتے تو رونے لگتے اور خشوع کا اظہار کرتے یہاں تک کہ حضور کی غایت تعظیم اور آپ کی ہیبت وجلال سے ان کے جسموں کے ایک ایک رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ یہی حال تابعین اور ان کے بعد والوں کا تھا۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

کچھ واقعات اس تعلق سے پیش خدمت ہیں۔

- حضرت ابوایوب سختیانی کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ لوگوں کو ان کی حالت پر رحم آتا۔
- حضرت جعفر بن محمد ایک کثیر المزاح اور ہنس مکھ شخص تھے، لیکن اس کے باوجود جب ان کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو ان کا رنگ زرد پڑ جاتا۔
- حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ رونے لگتے، یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تک بھی باقی نہ رہتے۔
- حضرت امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے با اخلاق اور سادہ زندگی رکھنے والے بزرگ تھے۔ مگر جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ ایسے ہو جاتے گویا ان کو نہ تم جانتے ہو اور نہ وہ تم کو جانتے ہیں۔
- حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عابد و زاہد لوگوں میں سے تھے۔ جب ان کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور ان کو اسی حال میں اپنی جگہ چھوڑ دیتے۔
- حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی سنتے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور وہ رونے لگتے۔
- حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سید القراء حضرت محمد بن المنکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے کہ ہم ان کے قریب گئے اور حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ ان پر اتنا گریہ طاری ہوا کہ ہم ان کی حالت پر رحم کھانے لگے۔ بلاشبہ جب ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تو ہم ان کے چہرے کو دیکھتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے چہرے سے خون کھینچ لیا گیا ہے اور ہیبت

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو ان کی زبان بند ہو جاتی۔

● حضرت ابراہیم یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے ذکر کیا جائے تو وہ خشوع و خضوع کا اظہار کرے اور بدن کو ساکن کر کے جنبش تک نہ دے۔ اور خود پر ہیبت و جلال طاری کرے۔ گویا کہ اگر وہ حضور کے روبہ رو ہوتا اور اس وقت جیسا ادب فرض تھا ویسا ہی ادب اس وقت بھی کرے۔

(مذکورہ تمام واقعات ماخوذ، از: مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۵۲۸/۵۲۹)

انہیں تمام واقعات کے پیش نظر حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''بہہ چلی آنکھ بھی اشکوں کی طرح دامن پر'' یہی نہیں بلکہ جس نعت شریف کا یہ شعر ہے اس کا ہر ہر شعر حضرت رضا بریلوی نے سوز و گداز اور عشق نبی سے لبریز کر دیا ہے۔ مثلاً:

عشق مولیٰ میں ہوں خوں بار کنار دامن
یا خدا جلد کہیں آئے بہار دامن

●

اشک برساؤں چلے کوچۂ جاناں سے نسیم
یا خدا جلد کہیں نکلے بخار دامن

●

اشک کہتے ہیں یہ سودائی کہ آنکھیں دھوکر
اے ادب گرد نظر ہو نہ غبار دامن

❁......❁......❁

(84)

دنداں کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہوگی آب
ندی گلے گلے مرے آب گہر کی ہے

حل لغت:

دندان: دانت، بمعنی بوسہ بھی۔

(فیروز اللغات، ص ۶۴۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۰ ☆ کریم اللغات، ص ۷۴)

آب: پانی، پسینہ، آنسو، عرق، خالص، شراب، شوربا، چمک، جوہر، عزت، آبرو، فیض، خوبی، رونق، دولت، طرز، پھولوں کا رس، قدرتی، قدر۔

(فیروز اللغات، ص ۲ ☆ لغات کشوری، ص ۹ ☆ کریم اللغات، ص ۲)

آب گوہر: موتی کی چمک، مرض نزول آب کا آنکھوں سے موتیا بند۔

(فیروز اللغات، ص ۴ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲)

ندی: چھوٹا دریا، نالہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۵۴)

پایاب: تھوڑا پانی دریا کا جس سے آدمی پیدل نکل جائے، گھاٹ۔

(فیروز اللغات، ص ۱۱۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۸)

پہلے مصرع میں لفظ ''آب'' کا مطلب ''پانی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''آب'' کا مطلب ''چمک'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام و عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک کی تعریف وتوصیف کررہے ہیں اوران مقدس دندان کی مدح وثنا کے عوض حاصل ہونے والی نعمت و برکت، نورونکہت اورنورانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس دندان کا نعت خواں ہوں۔نعت خواں کا لغوی معنیٰ ’’تعریف کرنے والا‘‘ ہوتا ہے۔ (فیروزاللغات،۱۳۶۶)

نعت خوانی کرنے والا کچھ نہ کچھ انعام واکرام کا حقدارضرور ہوتا ہے۔ راجا، مہاراجا، بادشاہ اورنوابوں کی شان میں مدحیہ کلام پڑھنے والوں کوانعام واکرام سے نوازا جاتا تھا۔ان میں سے ہرایک کامخصوص درباری شاعرہوتا تھا۔اورخاص بات یہ کہ انعام واکرام دینے والے کی شان کے مطابق ہوتا تھایعنی انعام دینے والے کی شان جتنی اعلیٰ وارفع ہوتی تھی، انعام بھی اتنا ہی بیش قیمت ہوتا تھا۔کیوں کہ انعام کی قدروقیمت انعام دینے والے کی فراخیٔ دل کی آئینہ دارہوتی ہے۔ایک بڑی سلطنت کا مالک اپنے دربار کے مدح خواں کواگردوپانچ روپیہ کا انعام دے گا تومدح خواں کی اس میں کوئی تذلیل نہیں، بلکہ توہین تودرحقیقت بادشاہ کی ہے کہ وہ اپنی شان کے خلاف ایک عظیم سلطنت کا بادشاہ ہوتے ہوئے معمولی انعام سے اپنے مدح خواں کونوازرہاہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بادشاہ مالی حیثیت سے کھوکھلا ہوگیا ہے۔اس کا خزانہ اب قریب الختم ہےاوراگرایسانہیں تویہ بات طے ہے کہ مال کثیر کا مالک ہوکراپنے مدح خواں کومعمولی انعام سےنوازنے والا بادشاہ نہایت درجہ بخیل ہے۔لہٰذا بادشاہ، راجااورنواب کسی کوانعام سےنوازتے وقت اپنی حیثیت کا ضرورلحاظ کرتے تھے۔اسی لئے بادشاہ جتنا بڑا ہوتا، انعام بھی اتنا ہی عالی ہوتا۔ یہ ہوئی فانی دنیا کے فنا و برباداورنیست ونابود ہونے والے بادشاہ، راجا، مہاراجااورنوابوں کے انعامات کی بات جوخودبھی مٹ گئےاوران کی سلطنت اور حکومتیں بھی زوال کا شکارہوگئیں،لیکن اللہ تعالیٰ کےمحبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جوصرف شہنشاہ نہیں بلکہ کونین کے مالک ہیں۔جن کی حکمرانی صرف دنیا تک محدودنہیں، بلکہ کائنات

کے ذرہ ذرہ پر ہے۔ جن کی رحمت کے خزانے اور نعمت کے خوان حدو شمار سے باہر ہیں اور ساتھ میں یہ شہنشاہ اتنے سخی، فیاض اور صاحب جودو کرم ہیں کہ ایسا سخی اور فیاض نہ آج تک پیدا ہوا ہے اور نہ کل قیامت تک پیدا ہوگا۔ اس شہنشاہ کے آگے دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھکاری کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ وہ شہنشاہ ہے کہ جس کا احسان کائنات کے پتوں پتوں اور ذروں ذروں پر ہے۔ یہ وہ شہنشاہ ہے کہ جو دنیا سے بظاہر پردہ فرما چکا ہے۔ لیکن اس کی حکومت، اس کا دربار، اس کی ہیبت، اس کی عظمت، اس کا وقار، اس کی شہنشاہی اور اس کے دربار کی عزت وحشمت اور آداب وغیرہ بالکل ویسے ہی قائم ہیں جیسے اس کی ظاہری زندگی میں تھے۔ اس کی جوش سخاوت، اس کا دریائے جودو کرم جیسے پہلے جاری تھا آج بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔

جب دنیا کے بادشاہ اپنے مدح خواں کو انعام واکرام اور خلعتوں سے نوازتے ہیں تو شہنشاہ کونین کا نعت خواں کیوں کر محروم رہے گا؟ بلا شبہ وہ تو ایسے انعامات سے نوازا جائے گا جو دنیوی، دینی اور اخروی نعمتوں اور برکتوں پر مشتمل ہوگا، اور وہ انعامات ایسے بے مثال ہوتے ہیں کہ اس سے منعم کی شان وشوکت عیاں ہوتی ہے اور اسی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

دنداں کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہوگی آب

یعنی میں شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس دندان کا نعت خواں ہوں اور وہ شہنشاہ اپنے دربار کے نعت خواں کو اپنے شایان شان انعام واکرام سے ضرور نوازتے ہیں اور میں اس شہنشاہ کے دنداں کا نعت خواں ہوں، لہٰذا انعام بھی دانت سے مناسبت رکھنے والا ہی عطا ہوگا۔ عام انسان کے جسم میں اس کی خوبصورتی کا دارومدار اس کے چہرے پر ہوتا ہے اور چہرے کی خوبصورتی اور اس کی جاذبیت میں دانت کا کردار اہم ہوتا ہے۔ بہت سے حسین

چہرے والے صرف دانت بڑے بڑے ہونے کی وجہ سے بدصورت اور بھدے معلوم ہوتے ہیں اور بہت سے سیاہ یا گندمی رنگ کی جلد والے صرف دانتوں کی خوبصورتی، توازن، ترتیب اور چمک دمک کی وجہ سے حسین وجمیل نظر آتے ہیں۔ اسی لئے دانتوں کی حفاظت، ان کی صفائی اور نگرانی پر بہت زور دیا گیا ہے اور اسی لئے قطار بند اور چمکدار دانتوں کو موتی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

<u>موتی کی لڑی:</u> موتی کی مالا، موتی کا ہار، کنایۃً چمک دار دانتوں کی قطار۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۱۱)

الحاصل! اچھے اور خوبصورت دانت کو کنایۃً موتی کہتے ہیں۔ یہاں حضرت رضا بریلوی شعر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان شریف کی تعریف کر رہے ہیں، وہ بھی اس دانت کی جس کی مثال کوئی نہیں۔ وہ مقدس دانت جن کو درِ عدن سے تعبیر کر کے بھی ان کی قدر و قیمت اور چمک دمک کا حق ادا نہیں کیا جا سکا۔ ان دانتوں کی نورانیت کی ایک کرن یوں ملاحظہ فرمایئے:

- دارمی اور ترمذی نے شمائل میں بیہقی وطبرانی نے اوسط میں اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

''اِذَا تَکَلَّمَ رُئِی کَالنُّوْرِ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ ثَنَایَاہُ'' یعنی جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے مبارک دانتوں سے نور نکلتا ہوا محسوس ہوتا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۱۵۸)

- بزار اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ضحک (دندان ظاہر) فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔

(سیرت رسول عربی، از: نور بخش توکلی، ص ۲۳۸)

- حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے مبارک دانتوں کا جڑاؤ کمال درجہ حسین ہونے کی بنا پر حسن ترتیب کا حامل تھا۔

- حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لبہائے مبارک کشادہ تھے اور جب آپ گفتگو فرماتے تو ایسا دیکھا جاتا کہ گویا سامنے کے دندان مبارک کی کشادگی کے درمیان سے نور نکل رہا ہے۔

(مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۲۰)

صرف دندان ہی نہیں، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا ہر عضو نورانی تھا اور ان سے ہمیشہ نور چھلکتا، جھلکتا اور چھنتا رہتا تھا۔

اب ہم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر پر پھر سے غور کریں، فرماتے ہیں: ''دندان کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہوگی آب''یعنی میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان کا نعت خواں ہوں اور اس نعت خوانی کے بدلے میں سرکار سے جو انعام ملے گا وہ موتیوں کی نہر نہ ہوگی اور نہ وہ تھوڑے پانی کی مقدار کی مانند ہوگی۔''پایاب''ندی کے اس پانی کو کہتے ہیں جو تھوڑا ہو اور اس میں آدمی پیدل چل کر نکل جائے۔یہی حضرت رضا فرمارہے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان پاک کی مدح سرائی کی ہے۔اور وہ دندان اقدس درعدن سے بھی افضل واعلیٰ ہیں۔لہٰذا انعام بھی موتی کی شکل میں ملے گا۔اور وہ موتی روحانی، نورانی اور عرفانی ہوں گے اور ان کی قدر و قیمت کتنی ہوگی؟ دنیا کے بادشاہوں کے دربار میں اگر کسی نے تعریف کردی اور وہ تعریف بادشاہ کو پسند آگئی تو فرط خوشی میں وہ اپنے گلے میں پڑا موتیوں کی مالا (ہار) اتار کر اپنے مداح کو بطور انعام دے دیتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ میں جس شہنشاہ کونین کی مدح وثنا کرتا ہوں وہ بھی مجھے انعام میں گوہر (موتی) ہی عطا فرمائیں گے،لیکن دنیوی بادشاہوں کی طرح موتیوں کا ہار نہیں، بلکہ موتیوں کی بوچھار کردیں گے۔ایمانی، روحانی، نورانی، عرفانی اور

جنتی موتیوں کی ندی (دریا) بہادیں گے اور وہ ندی بھی چھچھلی نہ ہوگی، اس کا پانی پایاب نہ ہوگا بلکہ ان موتیوں کی ندی کا یہ عالم ہوگا کہ اس کے موتی کا پانی بقول حضرت رضا بریلوی ''ندی گلے گلے میرے آب گہر کی ہے'' یعنی میرے گلے تک اس ندی کا آب گوہر اور اس کی چمک موجزن ہوگی۔ اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گلے تک کی گہرائی تقریباً چھ فٹ ہوتی ہے اور صرف چھ فٹ کی گہرائی والی ندی کا شمار بڑی ندیوں میں نہیں ہوتا۔ نیز چھ فٹ کی گہرائی والی ندی کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ پھر کہاں تعریف ہوئی؟

میں عرض کروں گا حضرت رضا بریلوی نے اس ندی کو گلے تک ہی گہری نہیں کہا بلکہ یہ کہا ہے کہ ندی کا پانی میرے گلے تک ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ندی تو گہری ہے، لیکن یہ ندی رحمت کی ندی ہے جو کسی کو ڈبوتی نہیں۔ ڈبو کر کسی کی جان نہیں لیتی، بلکہ یہ رحمت کی ندی عشاق نبی کو تراتی ہے۔ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنے کو فنا کرنے والوں کو ہی یہ ندی میسر ہوتی ہے اور جو اس ندی میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ ڈوبتا نہیں، بلکہ تیرتا ہے۔ اور جب کوئی آدمی پانی میں تیرتا ہے تو یقیناً اس کا گلا پانی سے مس ہوتا ہے۔ پانی اس کے گلے تک ہوتا ہے، لیکن اس کا سر تو پانی کی سطح سے بلند ہوتا ہے۔ یہاں ایک معنی یہ بھی اخذ ہوسکتا ہے کہ نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جو الفاظ وحروف لکھے اور کہے جاتے ہیں، وہ عشق رسول کے شاداب موتی ہیں اور نعت خواں کو بطور انعام ان الفاظ کی تعداد کے لاکھوں گنا روحانی موتی کی ندی میں غوطہ زن ہونے کی سعادت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اس کے گلے تک ''آب گوہر'' ہوتا ہے، لیکن اس کا سر آب گوہر کی سطح سے بلند ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس عاشق رسول کو درجات کی بلندی عطا فرما کر دو جہان میں سربلندی اور سرخ روئی سے سرفراز فرماتا ہے۔

❁......❁......❁

(85)

دو جہاں میں خادم آلِ رسول اللہ کر
حضرت آلِ رسول مقتدا کے واسطے

حل لغت:

دو جہاں: دنیا اور آخرت، دین اور دنیا۔

(فیروز اللغات، ص ۶۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۲ ☆ کریم اللغات، ص ۷۴)

آلِ رسول: رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیٹی کی اولاد، قوم سادات۔

(فیروز اللغات، ص ۲۹ ☆ لغات کشوری، ص ۵۵)

آلِ رسول: مراد حضرت سید آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ)

مقتدا: پیروی کیا گیا، وہ شخص جس کی لوگ پیروی کریں، پیشوا، رہنما، دینی سردار۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۷۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۸۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۳)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''آلِ رسول'' کا مطلب ''رسول کی اولاد'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''آلِ رسول'' سے مراد ''حضرت آلِ رسول مارہروی'' ہیں۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رب العالمین میں استدعا کرتے ہیں کہ اے خدا! ہم کو دونوں جہان یعنی دنیا اور آخرت میں اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس آل کا خادم بنا کر رکھ، واسطہ تجھے حضرت خاتم

الا کابر مخدوم سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔

اس شعر میں ''آل رسول'' کا لفظ دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ آل رسول سے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد یعنی سادات کرام مراد ہیں اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''آل رسول'' ہے اس سے مراد حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ شعر کا ظاہری ولغوی معنی ومطلب بالکل واضح ہے جو اوپر بیان ہوا۔ یہاں اب شعر کی معنویت کی گہرائی وگیرائی نیز اس کی فنی خوبیوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے آل رسول کی خدمت کرنے کی توفیق مانگ رہے ہیں اور پھر یہ خدمت صرف دنیا تک ہی محدود نہ رہے بلکہ دنیا اور آخرت، دونوں جہاں میں اس شرف کے حصول کی دعا مانگتے ہیں۔ دنیا میں تو آل رسول کی خدمت جان ومال اور قول وعمل کے ذریعہ سمجھ میں آتی ہے کہ ممکن ہے۔ لیکن آخرت میں یہ خدمت کس طرح انجام پذیر ہوگی؟ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار ان عشاقان صادق میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ نبی کی محبت میں تڑپ کر گزارا اور اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہے۔ اپنا سب کچھ نثار کرنے کے باوجود بھی ان کی تشنگی بڑھتی ہی رہی اور حالت یہ ہوئی کہ ابھی اور قربان کروں، ابھی اور کچھ قربان کروں۔ اسی لئے تو حضرت رضا بریلوی نے ایک نعت میں یوں عرض کیا ہے:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ الفت اور سچے جذبے کی صحیح مصداق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت تھی، جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت وخدمت میں صرف کیا اور دنیا وآخرت

کی لازوال دولتوں سے مالا مال ہوئے۔

- مسلم اور نسائی نے حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کے لئے پانی اور دیگر ضروریات مسواک وغیرہ پیش کیا کرتا تھا۔

- امام منذری نے المعجم الکبیر للطبرانی کے حوالے سے اس طرح روایت کیا ہے کہ میں دن کو حضور کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جب رات آجاتی تو میں حضور کی چوکھٹ پر رات بسر کرتا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ربیعہ! مجھ سے مانگو، کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا:

''اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ ، قَالَ اَوْغَیْرَ ذَالِكَ،قُلْتُ هُوَ ذَالِكَ''

ترجمہ: جنت میں آپ کی رفاقت کا سوالی ہوں، فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ؟ میں نے عرض کیا آقا وہی کافی ہے۔ (مسلم،نسائی، باب فضل السجود)

- حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوح الشام میں اور حضرت حسن بن بشران نے اپنے فوائد میں ابن شہاب زہری وغیرہ ائمہ تابعین سے نیز ابن بشران نے امالی ابو احمد دہقان جزر حدیثی سے، ابن عساکر نے کتاب السنہ میں افضل التابعین سیدنا سعید بن المسیّب بن حزن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''اِنَّنِیْ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکُنْتُ عَبْدُهُ وَ خَادِمُهُ'' یعنی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور میں حضور کا غلام اور حضور کا خدمت گار تھا۔

مذکورہ دو احادیث کے علاوہ کئی اور بھی احادیث اس ضمن میں وارد ہیں کہ صحابہ کرام نے اپنے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلام اور خادم کہنے میں فخر محسوس کیا اور خدمت

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ بہتر صلہ ملا۔ بلکہ جنت میں بھی ان کو حضور کی رفاقت حاصل ہوگی اور حضور کی خدمت کا موقع ملے گا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں کہ اے مالک کائنات! ہم کو تیرے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس زمانہ نصیب نہ ہوا۔ تیرے پیارے بندے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خوش نصیبی تھی کہ ان کو تیرے محبوب کی ظاہری حیات کا زمانہ ملا اوران کو تیرے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خادم بننے کا شرف حاصل ہوا اورانہوں نے ذات رسول کی جی بھر کے خدمات انجام دیں۔ اے رب کریم! ہم کو ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف نہیں ملا۔ یہ ہماری قسمت میں نہیں تھا لیکن مالک ومولیٰ !اس رسول کی نسل پاک میں قیامت تک پیدا ہونے والے اولاد وآل رسول کی خدمت کرنے کا موقع عطا فرما۔ اور ہم کو دنیا وآخرت میں آل رسول کا سچا خادم بنا۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے آل رسول کا خادم بننے کی خواہش ودعا اس لئے کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل بیت کی بہت ہی عظمت وتعظیم اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔

- حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ اَھْلَ بَیْتِی'' یعنی میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں۔ اللہ کی کتاب یعنی قرآن، اور اپنے اہل بیت۔

(مسلم، باب فضائل علی)

- ایک دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر فرمایا کہ جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے ورنہ جان لو میں ابوذر ہوں۔ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَيْتِىْ فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مِنْ قَوْمِهٖ مَنْ رَّكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ''یعنی میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے۔ جو اس میں سوار ہوگیا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ غرق ہوگیا۔ (المستدرک، جلد ۳، ص ۱۵۰)

● حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے:

''لَا يَبْغَضُنَا اَهْلَ الْبَيْتِ اَحَدٌ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ''یعنی اہل بیت کے ساتھ جو بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل فرمائے گا۔ (المستدرک، جلد ۳، ص ۱۵۰)

مذکورہ احادیث میں سے تیسری حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو اہل بیت کے ساتھ بغض رکھے گا اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل فرمائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے اہل بیت سے بغض رکھا گویا اس نے رسول سے بغض رکھا اور رسول سے بغض رکھنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس کے برعکس جس نے رسول پاک کے اہل بیت سے محبت رکھی اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں مقام عطا فرمائے گا، کیوں کہ جس نے آل رسول سے محبت رکھی اس نے گویا رسول سے محبت رکھی اور رسول سے محبت رکھنے والے جنت کے حقدار ہوتے ہیں۔ پس جب آل رسول کی محبت رسول کی محبت ہے تو یقیناً آل رسول کی خدمت بھی رسول ہی کی خدمت ہے اور آل رسول کا خادم درحقیقت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خادم ہے اور جس کو خادم رسول ہونے کا شرف حاصل ہوگیا اس کے لئے دنیا و آخرت میں خیر و بھلائی ہے۔

ایک اہم نکتہ بھی ذہن نشیں کرنے کے قابل ہے کہ خدمت جذبۂ محبت کے تحت کی جاتی ہے۔ نفرت و عداوت کی وجہ سے نہیں، آدمی کسی کو اپنا مخدوم اس کی عقیدت و محبت کی بنا پر

بناتا ہے، مخدوم کی عقیدت ومحبت خادم کے دل میں لامحالہ ہوتی ہے۔حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اسی جذبۂ عقیدت ومحبت کے تقاضا کو پورا کرنے کے لئے خادم آل رسول اللہ ہونے کی دعا کررہے ہیں۔صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ دو جہاں میں آل رسول اللہ کے خادم ہونے کی دعا کررہے ہیں۔حدیث کے ارشاد کے مطابق اہل بیت رسول حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہیں۔ جواس کشتی میں سوار ہوگیا وہ نجات پا گیا۔اگر ہم کو بھی اہل بیت کی کشتی میں سوار ہونے کی سعادت میسر ہوگئی تو اہل بیت کرام، کریم آقا کی کریم نسل سے ہیں۔وہ جہاں رہیں گے اپنے خادموں کو بھی ساتھ رکھیں گے اور جو نعمتیں ان کو عطا کی جائیں گی ان میں سے چند بوندیں اپنے خادموں کو بھی حصہ دیں گے۔تو بقول رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اہل بیت کے خادم بن کر اگر ہم نے دنیا میں ان کی خدمات کیں تو ہماری خدمات آل رسول کے نانا جان پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشی ورضا کا باعث بنیں گی،اور انہیں خدمات کے صلہ میں ہم کو جنت میں آل رسول کی رفاقت اور ان کی خدمت کرنے والے خادم کا شرف حاصل ہوگا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے خادم آل رسول کا منصب حاصل کرنے کی دعا کی قبولیت کے لئے جس عظیم المرتبت ذات گرامی کا واسطہ بارگاہ خداوندی میں پیش کیا ہے وہ نسباً اور اسماً دونوں طرح سے آل رسول ہیں۔یعنی خاتم الاکابر سید شاہ حضرت آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیر ومرشد ہیں۔آپ کی ولادت ماہ رجب المرجب ۱۲۰۹ھ میں مارہرہ مطہرہ، ضلع ایٹہ، یوپی میں ہوئی۔آپ کے والد ماجد کا اسم شریف حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہٗ ہے۔

آپ کی تعلیم وتربیت والد ماجد کی آغوش میں ہوئی۔آپ نے ابتدائی تعلیم حضرت عین الحق شاہ عبد المجید بدایونی اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی قدس سرہما سے خانقاہ

برکاتیہ میں حاصل فرمائی۔ کتب معقولات، علم کلام، فقہ واصول فقہ کی تعلیم کی تکمیل وتحصیل حضرت مولانا انوار صاحب فرنگی محلی، حضرت مولانا عبدالواسع سید نپوری اور حضرت مولانا شاہ نورالحق رزاقی لکھنوی عرف ملا نور سے کی۔ جب آپ کی عمر شریف سترہ سال کی ہوئی یعنی ۱۲۲۶ھ میں حضرت مخدوم شیخ العالم عبدالحق رودولوی المتوفی ۸۰۷ھ کے عرس شریف کے موقع پر مشاہیر علماء و مشائخ کی موجودگی میں دستار فضیلت سے سرفراز فرمائے گئے اور اسی سال حضرت اچھے میاں قدس سرہٗ کے ارشاد کے مطابق آپ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے درس حدیث میں شریک ہوئے۔ صحاح ستہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسل حدیث و طریقت کی سندیں مرحمت ہوئیں۔

آپ تیرہویں صدی ہجری کے اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، آپ کی وہ عظیم شخصیت تھی جن کی بدولت اسلام و مذہب اہل سنت کو استحکام حاصل ہوا۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کی عادات وصفات میں شریعت مطہرہ کی پابندی کی کامل جلوہ گری تھی۔ ہمیشہ نماز باجماعت مسجد میں ادا فرماتے اور تہجد کی نماز کبھی فوت نہ ہوتی۔ ہمیشہ لباس درویش ومجلس علماء میں رہتے۔ تکلفات مشائخانہ سے احتراز فرماتے۔ آپ اصول شریعت سے ذرہ برابر بھی تجاوز گوارا نہ فرماتے۔

بدایوں کا ایک شخص جو آپ کا مرید خاص تھا، ایک مرتبہ سوچنے لگا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج شریف چند لمحوں میں کس طرح ہوئی؟ آپ اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ فوراً اس مرد سے فرمایا کہ میاں اندر سے میرا تولیہ تو لا دو۔ وہ مرید جب حجرہ کے اندر گیا تو ایک کھڑکی نظر آئی۔ اس جانب نگاہ دوڑائی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک پُر فضا باغ ہے۔ وہ اس میں داخل ہو گیا، یہاں تک کہ اس میں سیر کرتے ہوئے بہت بڑے شہر میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے کاروبار شروع کر دیا۔ شادی بھی کی۔ اولاد بھی ہوئی۔ یہاں تک کہ بیس سال کا عرصہ گزر گیا۔

جب ادھر اچانک حضرت نے آواز دی تو وہ گھبرا کر کھڑکی میں واپس آیا اور تولیہ لئے ہوئے دوڑا، تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت کے چہرے پر وضو کے قطرات موجود ہیں۔ آپ ابھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور دست مبارک پانی سے تر ہے۔ وہ مرید یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ تو حضرت نے تبسم فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ میاں وہاں بیس برس رہے اور شادی بھی کی، اور یہاں ابھی تک وضو کا پانی بھی خشک نہیں ہوا۔ اب تو معراج کی حقیقت سمجھ گئے ہوگے۔

جناب حاجی رضا خاں صاحب مارہروی نے حج سے فارغ ہوکر مکہ معظّمہ میں مولانا اسمٰعیل صاحب مہاجر سے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ تو مولانا موصوف نے ان سے فرمایا کہ تم حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ ہی سے بیعت کیوں نہیں کر لیتے۔ وہ اس وقت مکہ شریف میں موجود ہیں۔ جب حاجی صاحب موصوف حج سے واپس تشریف لائے اور حضرت سے پوچھا کہ آپ مکہ معظّمہ میں کہاں ٹھہرے ہوئے تھے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ میاں! مولانا اسمٰعیل کو شبہہ ہوا ہوگا میں تو اب تک خانقاہ چھوڑ کر مارہرہ کے باہر گیا ہی نہیں۔

جلیل القدر مشائخ اور اپنے وقت کی نابغہ روزگار ہستیاں آپ کے آستانے پر علم وعرفان کے حصول کے لئے حاضر ہوتیں اور آپ کے فیض سے مستفیض ہوتیں۔

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، امام عشق ومحبت، حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرکے آپ کے مریدین اور خلفاء میں شامل ہوئے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو اپنے پیرومرشد حضور سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔ جس کا اندازہ آپ کے نعتیہ دیوان ’’حدائق بخشش‘‘ میں مرقوم آپ کی شان میں منقبتوں سے ہوتا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دل میں آپ کی والہانہ محبت وعقیدت کی قدرے تفصیل شعر 119 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ نے ۱۸/ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ بروز چہارشنبہ مارہرہ شریف میں وصال فرمایا۔آپ کا مزارشریف مارہرہ مقدسہ میں واقع خانقاہ عالیہ برکاتیہ میں مشرقی دالان میں مرجع خلائق ہے۔

وقت رحلت لوگوں نے آپ سے استدعا کی ،حضور! کچھ وصیت فرمائیں۔ بہت اصرار کرنے پرآپ نے فرمایا کہ مجبورکرتے ہوتو لکھ لو یہ ہماراوصیت نامہ ہے''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' بس یہی کافی ہےاوراسی میں دین ودنیا کی فلاح ہے۔

(86)

آتا ہے در والا یوں ذوق طواف آنا
دل جان سے صدقے ہو سر گرد پھرے دل سے

حل لغت:

در: دروازہ، چوکھٹ، پھاٹک، اندر، بیچ۔

(فیروز اللغات، ص۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص۲۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۷۰)

والا: بلند، عالی، اونچا، ذی عزت، بزرگ، بلند مرتبہ، ایک قسم کا باریک ریشمی کپڑا۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۰۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۰)

والا: مرکبات میں اسم کے ساتھ یا مصدر کے ساتھ آتا ہے، جیسے دودھ والا، گھر والا، پڑھنے والا وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۰۳)

ذوق: مزہ، لطف، شوق، خوشی، لذت، نشاط، چکھنا، چاشنی۔

(فیروز اللغات، ص۶۹۲ ☆ لغات کشوری، ص۳۱۲ ☆ کریم اللغات، ص۷۷)

طواف: کسی چیز کے گرد پھرنا، گردش، کسی بزرگ یا مقدس مقام کے گرد چکر کھانا۔

(فیروز اللغات، ص۸۸۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۷۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۶)

دل: ایک اندرونی عضو، قلب، من، کسی شئے کا باطن، حوصلہ، کلیجا، جرأت، دلیری، ہمت، خواہش، رغبت، ہوش، رخ، توجہ، مرضی، خوشی، سخاوت، وسط، فیاضی، درمیان، مرکز۔

(فیروز اللغات، ص۶۳۳ ☆ کریم اللغات، ص۷۳)

جان: روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، قوت، ہمت، حوصلہ، تاب وتواں، جوہر، مغز، معشوق، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیارا بیٹا، خوبی، خوبصورتی، زیب وآرائش،

بچہ، پیار کا کلمہ۔ (فیروز اللغات، ص۴۴۳ ☆ لغات کشوری، ص۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص۴۶)

صدقے: صدقہ کی جمع، قربان، فدا، طفیل، بدولت، واری، خیرات، وہ چیز جو خدا کے نام پر دی جائے، وہ کھانا وغیرہ جو سر پر سے اتار کر دیا جائے۔

(فیروز اللغات، ص۸۶۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۴۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۲)

گرد: آس پاس، نواح، مدور، گول، چار طرف، گھیرا، پیچھے۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۸۹ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۳)

دل سے: شوق سے، رغبت سے، توجہ سے۔ (فیروز اللغات، ص۶۳۷)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''دل'' کا مطلب ''دل، قلب'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''دل'' کا مطلب ''رغبت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں فنا ہونے کا جذبہ اور والہانہ شوق و ایثار کا اظہار فرمارہے ہیں اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در اقدس پر مر مٹنے کا پیغام دے رہے ہیں۔ اس شعر میں آپ فرماتے ہیں: ''آتا ہے در والا'' یعنی اے عاشق! ہوشیار ہو جا، سنبھل جا! تیری قسمت کی معراج ہونے کا وقت آرہا ہے۔ وہ مقام آرہا ہے جس کی عظمت و بلندی کا کماحقہٗ بیان ہی نہیں ہوسکتا۔ دونوں عالم کے آقا، شہنشاہ کونین کی مقدس آرام گاہ قریب ہورہی ہے۔ گنبد خضریٰ کی حاضری کا سنہرا موقع میسر آنے والا ہے اور لطف (ذوق) حاصل کرنے کی رغبت ہوتی ہے۔ اس مصرع میں جو لفظ ''آنا'' ہے وہ پہنچنا کے معنی میں نہیں، بلکہ راغب ہونا کے معنی میں ہے۔

آنا: نازل ہونا، حاضر ہونا، نمودار ہونا، واقف ہونا، جاننا، سیکھ لینا، مائل ہونا، راغب ہونا، وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص۳۲)

لیکن خانۂ کعبہ کے علاوہ کسی اور مقام کا طواف کرنا منع ہے۔ اس کی تفصیلی بحث شعر نمبر 73

بے خودی میں سجدۂ در یا طواف
جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا

کی تشریح میں گزر چکی ہے۔ آپ اس شعر کا دوبارہ مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

جب خانہ کعبہ کے علاوہ اور کسی مقام کا طواف جائز نہیں تو ایک عاشق اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در اقدس کا طواف تو ہرگز نہیں کرتا، لیکن طواف کے لطف کی طرف اس کا دل ضرور راغب ہوتا ہے۔ وہ اپنے آقا کے در کا طواف تو نہیں کرتا، مگر طواف کے لطف سے بہرہ مند ضرور ہوتا ہے۔ ایک تو ہوتا ہے اصل فعل اور ایک ہوتا ہے بغیر فعل کیے ہوئے اس کا لطف حاصل کرنا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص اپنے پیر و مرشد کے سچے نائب اور خلیفہ کی ملاقات کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہو اور ان کی محفل میں بیٹھ کر علمی اور عرفانی گفتگو سماعت کرنے کا اسے شرف حاصل ہو اور ساتھ میں اپنے پیر و مرشد کے نائب اور خلیفہ کے نورانی چہرے کا دیدار بھی نصیب ہو، تو وہ یہی کہے گا کہ آج تو مجھے اپنے پیر و مرشد کی محفل میں بیٹھنے کا اور ان کے دیدار کا لطف حاصل ہو گیا۔ حالاں کہ اس نے اپنے پیر و مرشد سے اس محفل میں ملاقات نہیں کی اور نہ ہی ان کی کوئی گفتگو یا ارشاد سماعت کیا۔ اس کے باوجود اس نے اپنے پیر سے ملاقات کا لطف نائب کی ملاقات میں پایا۔ ایک عاشق صادق جب اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در اقدس کی حاضری کا شرف حاصل کرتا ہے تو جذبۂ عشق کے تقاضا کے تحت اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ''دل جان سے صدقے ہو، سر گرد پھرے دل سے'' یعنی

دل یہ چاہتا ہے کہ اس آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حوصلہ اور ہمت (جان) سے فدا اور قربان (صدقے) ہو جاؤں اور اس عاشق کا سر یہ چاہتا ہے کہ وہ عقیدت کی تمام تر توجہ اور رغبت (دل) سے شہنشاہ کونین کے روضۂ اقدس کے ارد گرد گردش کر کے چاروں طرف کی برکات حاصل کرے اور اپنے آقا و مولیٰ کی مقدس آرام گاہ کا ہر سمت سے نظارہ کرے اور اس کی زینت و آرائش کے جلووں سے لطف اندوز ہو، اور اس غرض سے گرد پھر نا طواف کے حکم میں قطعاً داخل نہیں، بلکہ یہ بھی نثار ہونے کی ایک ادا ہے۔ مثلاً: ایک دولھا نکاح خوانی کے لئے سج دھج اور بن ٹھن کر گھر سے نکلا۔ گھر کے باہر اس کے دوست، احباب اور رشتہ دار جلوس نوشہ (بارات) میں شرکت کے انتظار میں کھڑے تھے۔ جیسے ہی دولھا نے دہلیز کے باہر قدم رکھا کہ کچھ دوست اس کے قریب لپکے۔ اس کے جسمانی سنگار پر آفریں کہنے لگے۔ ماشاء اللہ اور سبحان اللہ کے شکر آمیز کلمات بے ساختہ منہ سے نکل پڑے۔ دولھا کیا تھا؟ چاند کا ٹکڑا لگ رہا تھا۔ دوست و احباب محو حیرت، ٹکٹکی باندھے ایک نظر سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے ارد گرد گھوم گھوم کر اس کی سجاوٹ کا ہر پہلو سے معائنہ کرنے لگے۔ عین اسی وقت دولھا کا ایک جگری دوست دور شہر سے آپہنچا۔ اپنے دوست کو ایسے حسین اور دلفریب لباس میں دیکھ کر مچل گیا۔ دوست کے حسن و جمال اور جاذب نظر لباس کو ہر سمت سے ملاحظہ کرنے کے لئے اس کے ارد گرد گھومنے لگا اور دوست کی محبت نے وہ جوش مارا کہ اس پر نثار اور فدا ہونے کو اس کا جی چاہنے لگا اور فرط محبت میں اس نے اپنے دوست کی بلائیں لیں۔ تو جب دنیوی ادنیٰ دولھا کا دوست اور عاشق اپنے دوست کی فانی محبت میں اتنا مچل سکتا ہے تو کونین کے دولھا، شہنشاہ کائنات کی لافانی محبت میں ان کے عاشق اور دیوانے کے مچلنے کا کیا عالم ہوگا؟ نظروں کے سامنے کونین کے دولھا کی مقدس آرام گاہ ہو، بھلا ایسے وقت میں کسی عاشق کا دل سنبھالے سنبھل سکتا ہے؟ اس کی دلی آرزو یہی ہوتی ہے کہ اے پروردگار! مجھے اپنے حبیب صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں موت عطا فرما۔ بقول حضرت رضاؔ:

نصیب دوستاں گر ان کے در پر موت آنی ہے
خدا یوں ہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے

●

یہ سر ہو اور وہ خاک در، وہ خاک در ہو اور یہ سر
رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں، تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

ارے ان کے دراقدس پر ان کے قدموں پر مر مٹنے کی کس کو آرزو نہیں؟ ارے عاشقوں نے تو صرف ان کے نام پر اپنی گردنیں کٹا دی ہیں۔ بقول حضرت رضاؔ:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زَناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

اور اسی جذبے کے تحت ایک عاشق صادق اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دروالا پہ یہی تمنا و آرزو کرتا ہے کہ ''دل جان سے صدقے ہو سر گرد پھرے دل سے''

ہوسکتا ہے کہ کوئی سر پھرا حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے جملے ''سر گرد پھرے دل سے'' پر اعتراض کرنے کی کوشش کرے کہ (معاذ اللہ) یہ طواف کرنے کی ترغیب و حوصلہ افزائی ہے۔ لیکن جملے کے الفاظ اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اس میں اشارۃً یا کنایۃً بھی طواف کی ترغیب نہیں دی گئی۔ طواف کے تعلق سے جو احکام ہیں وہ شعر نمبر 73 کی تشریح میں آچکے ہیں۔ لہٰذا اعادہ نہ کرتے ہوئے صرف ایک امر کی طرف توجہ کا خواستگار ہوں کہ طواف اس عبادت کو کہتے ہیں کہ زندہ آدمی اپنے پورے جسم کے ساتھ خانۂ کعبہ کے گرد خود چکر لگائے۔ اگر کوئی آدمی دوسرے کا کٹا ہوا ہاتھ اٹھا کر طواف کرے اور ہاتھ کٹا ہوا آدمی کسی دوسرے مقام پر ہو تو اس کٹے ہوئے ہاتھ والے کا طواف ادا نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ طواف ادا کرنے والے کا زندہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر کسی کا جنازہ خانۂ کعبہ کے گرد سات

مرتبہ گھما دیا جائے تو صاحب جنازہ (میت) طواف ادا کرنے والا نہ کہا جائے گا۔ البتہ خانۂ کعبہ کی برکتوں سے وہ میت ضرور بہرہ مند ہوگی، لیکن میت کا شمار طواف کرنے والوں میں نہ ہوگا، کیوں کہ وہ مردہ ہے۔ اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کے اعتراض والے جملہ پر توجہ دیں "دل جان سے صدقے ہو" یعنی دل ہمت اور حوصلے سے ان پر فدا ہو۔ جب آدمی کا دل قربان ہوگیا اور وہ اپنے آقا کے نام پر مرمٹ گیا ہے اور اس کے مرجانے کے بعد اس کا سر روضۂ اقدس کے گرد پھرتا ہے تو اس پر طواف کا اطلاق کس طرح ہوگا؟ دوسری بات یہ ہے کہ اردگرد صرف سر گھوم رہا ہے۔ پورا جسم نہیں اور جسم کے کسی ایک عضو کے گھومنے سے بھی طواف کا حکم نافذ نہ ہوگا۔ حضرت رضا بریلوی کا یہ کمال ہے کہ آپ نے پہلے فدا ہونے کا ذکر فرمایا اس کے بعد سر کے گرد پھرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ دونوں صورتوں میں طواف کرنے کا اطلاق و اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت رضاؔ نے فرط عشق میں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے "سر گرد پھرے" کا جو جملہ ارشاد فرمایا ہے اس جملے کے لفظ "سر" پر کچھ "سرکش" برگشتہ ہو کر اپنے سر پر آرے چلنا محسوس کرتے ہیں اور انھیں شدید تکلیف ہوتی ہے۔ حالاں کہ ان کے اعتراض کی حیثیت سر پر جوتی ہاتھ میں روٹی کی طرح ہے۔ سر پر آنکھیں نہ ہونے کی وجہ سے اعتراض کے پتھر پر بیجا سر پٹکتے رہتے ہیں اور سر پر کالی ہانڈی رکھتے ہیں اور اپنے ہی ہاتھوں اپنا سر پیٹ کر سر گنجا کرتے ہیں کیوں کہ ان کے اعتراض کا نہ سر ہوتا ہے نہ پاؤں۔ ان خشک ذہنوں کو کیا معلوم کہ عشق کیا ہوتا ہے؟ یہ تو خوش نصیب سروں کو ہی میسر ہے جو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہیں۔ خصوصاً حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جاں نثار جماعت۔

جنگ بدر میں جب لشکر اسلام میدان کارزار میں آیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی صفیں سیدھی فرما رہے تھے اور آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔

حضرت سواد بن عزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خوش طبع اور خوش فہم صحابی تھے، وہ صفوں سے آگے نکل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھڑی سے ان کے سینہ پر مار کر فرمایا ''اِسۡتَوِ یَا سَوَادُ'' یعنی اے سواد! صف کو برابر کرو۔ حضرت سواد نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اور عدل و انصاف کا پیمانہ آپ کے دست اقدس میں ہے۔ میرا قصاص (بدلہ) دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا لباس مبارک اپنے سینۂ اقدس سے دور فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے سواد! اسی وقت اپنا قصاص لے لو۔ حضرت سواد نے فی الفور اپنا چہرہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینہ اقدس پر رکھ کر اس کا بوسہ لے لیا۔ حضور نے فرمایا ''ایسا کیوں کرتے ہو؟'' حضرت سواد نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ میرا آخری وقت ہے نہ جانے پھر آپ کی زیارت ہو پائے گی یا نہیں؟ میں نے چاہا کہ زندگی کی آخری ساعتوں میں میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مس ہو جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سن کران کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

(مدارج النبوت، اردو، از شیخ عبد الحق محدث دہلوی، جلد۲، صفحہ ۱۴۹)

مذکورہ واقعہ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لازوال دولت کی نشان دہی کر رہا ہے۔ جس دولت سے صحابۂ کرام خصوصاً سرفراز تھے اور ان حضرات کو راہ عشق کا ہادی اور ان حضرات کے نقش قدم کو مشعل راہ بنا کر ہر دور کے عشاق رسول راہ عشق پر گامزن رہے اور ان کی شمع عشق کی روشنی سے عالم کو ایمان کا اجالا بخشا۔ حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں صرف عشق ہی عشق ہے۔ قصداً صف سے باہر نکلنا اور یہ گمان کرنا کہ میرا اس طرح صف سے باہر نکلنا حضور کے انتظام صف بندی کے خلاف اور باعث ناراضگی خاطر اقدس ہوگا۔ لیکن ان کو تو اپنا مقصد حاصل کرنا تھا۔ لہٰذا صف کے باہر کھڑے رہنے کے ارتکاب میں دست اقدس سے چھڑی کی ضرب کھائی اور بعدہٗ قصاص کے بہانے نورانی جسم اقدس کو بوسہ دینے کا شرف

حاصل کیا۔ یہ سب عشق کے تقاضے کے تحت ہی تھا۔ حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نہیں، بلکہ ہر صحابیٔ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان و عشق کا یہی حال تھا کہ زندگی کے ہر لمحے اور ہر مرحلے میں وہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں محو رہتے اور آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی نظروں میں ہر وقت محبوب بنے رہتے۔

جنگ حنین جس کو جنگ ہوازن بھی کہتے ہیں ۸ ھ میں واقع ہوئی تھی۔ اس جنگ میں ایک شخص جو قوم بنی جشم کا تھا، اس نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا حضرت ابو عامر اشعری کے زانو پر تیر مارا اور وہ تیر ان کے زانو میں پیوست ہو گیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس تیر مارنے والے جشمی شخص کے پیچھے پڑ گئے اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا، بعدہٗ وہ اپنے چچا ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان کے زانو سے تیر نکالا۔ جب تیر نکالا تو اس زخم سے بہت زیادہ خون نکلنے لگا اور حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زندگی سے ناامید ہو گئے تو فرمایا کہ اے بھتیجے! میرا اسلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرنا اور التماس کرنا کہ میرے لئے حق تعالیٰ سے بخشش کی دعا فرمائیں۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد ۲، صفحہ ۵۲۴)

جنگ احد میں سلافہ بنت سعد نام کی عورت کافروں کے لشکر کی علمبردار تھی۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلافہ کے شوہر طلحہ بن ابی طلحہ اور اس کے دو بیٹوں کو قتل کیا تھا۔ لہٰذا جنگ احد کے بعد سلافہ بنت سعد نے اعلان کرایا کہ جو شخص حضرت عاصم بن ثابت کا سر لائے گا اسے سو (۱۰۰) منتخب اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے، کیوں کہ اس عورت نے منت مانی تھی کہ وہ اپنے شوہر اور بیٹوں کے قاتل کی کھوپڑی میں بطور پیالہ شراب پیئے گی۔ سفیان بن خالد سقی نام کے ایک شخص نے سو (۱۰۰) اونٹ کا انعام حاصل کرنے کی لالچ میں ایک منصوبہ بنایا اور اس نے اپنی قوم میں سے سات شریر اشخاص کو چنا اور ان کو یہ مکر وفریب

سکھایا کہ تم مدینہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاکر اسلام کا اظہار کرو اور یہ گزارش کرنا کہ وہ اپنے صحابہ کی جماعت کو ہمارے ہمراہ بھیجیں، تاکہ وہ ہماری قوم کو اسلامی تعلیم دیں، ممکن ہے سلافہ بنت سعد کے لڑکوں اور شوہر کے قاتل کو تمہارے ہمراہ روانہ کردیں اور اس طرح ہمارا مدعا حاصل ہوجائے گا۔ چنانچہ قوم عضل اور قوم قارہ کے یہ ساتوں آدمی مدینہ آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم مسلمان ہوگئے ہیں اور ہماری ایک جماعت بھی اسلام میں آگئی ہے۔ لہٰذا اپنے صحابہ کی ایک جماعت ارسال فرمائیے تاکہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں اور احکام شریعت سکھائیں۔ قوم عضل و قارہ کا یہ وفد مدینہ میں حضرت ثابت بن ابی الافلح کے یہاں ٹھہرا تھا، جو حضرت عاصم بن ثابت کے والد تھے۔ دوران قیام ان لوگوں نے حضرت عاصم کے ساتھ بہت ہی محبت و مروت کا مظاہرہ کیا اور حضرت عاصم کی خوشامد کرتے رہے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کا وفد ان سات آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا جن میں حضرت عاصم بن ثابت بحیثیت امیر تھے اور ان کے علاوہ حضرت خبیب بن عدی، عبداللہ بن طارق، خالد بن ابی بکر، زید بن الدثنہ وغیرہ تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

جب یہ قافلہ ''بدہ'' نام کے ایک گاؤں میں پہنچا جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے تو ان سات منافقوں میں سے ایک جدا ہوکر سفیان بن خالد کے پاس چلا گیا اور اس نے حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں کے آنے کی خبر دے دی۔ سفیان بن خالد دو سو سواروں کو لے کر روانہ ہوا۔ ان دو سو میں سے ایک سو آدمی تیراندازی میں مہارت رکھتے تھے۔ حضرت عاصم نے ان سات منافقوں میں سے ایک شخص کے جدا ہونے سے یہ اندازہ کرلیا کہ ان کے ساتھ فریب اور دھوکہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ''بدہ'' سے روانہ ہوکر رجیع نام کے قریبی گاؤں میں چلے گئے، لیکن سفیان بن خالد وہاں بھی آپہنچا۔ یہ دس مقدس حضرات صحابہ

ایک چھوٹے ٹیلے پر چڑھ گئے۔ حضرت عاصم بن ثابت نے اپنے ساتھیوں کو کافروں سے جنگ کرنے اور جام شہادت نوش کرنے کی ترغیب دی۔ جب کافروں نے دیکھا کہ یہ صرف دس آدمی ہم دوسو کی تعداد کے ساتھ آمادۂ جنگ ہیں تو کافروں نے کہا کہ اے عاصم! اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عاصم نے فرمایا کہ میں کسی مشرک کی امان قبول نہیں کرتا اور کسی کافر کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتا۔ اے لوگو! مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ طلحہ کی بیوی نذر مانی ہے کہ وہ میرے سر کے پیالے میں شراب پیئے۔ اس لئے ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ عہد کیا ہے اور اسی قادر مطلق سے التجا کی ہے کہ ''میرے کسی عضو کو کوئی کافر نہ چھوئے'' اس کے بعد حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے کہا کہ ''اے خدا! ہمارے احوال کی خبر ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔'' یہ دعا کرنے کے بعد حضرت عاصم اور ان کے ساتھیوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزے سے مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عاصم کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد تلوار نکال کر مقابلہ شروع کر دیا۔ آپ کافروں سے مقابلہ کرتے وقت بھی یہی دعا کرتے تھے کہ ''اے خدا! میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ'' حضرت عاصم کی بہادری اور شجاعت سے کافروں میں لرزہ برپا ہو گیا، لہٰذا انھوں نے حضرت عاصم پر تیروں کی بارش شروع کر دی اور حضرت عاصم کو شہید کر دیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جزاہ اللہ خیر الجزاء عن سائر المسلمین)

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کے احوال کی خبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچائی اور حضور نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو سب کچھ بتا دیا جو انہیں مصیبت پہنچی تھی۔ حضرت عاصم کے شہید ہونے کے بعد جب ان ظالموں نے ارادہ کیا کہ حضرت عاصم کے سر مبارک کو جدا کر کے طلحہ کی بیوی سلافہ کے پاس

لے جائیں اور شرط کے بموجب سواونٹ انعام میں حاصل کریں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زنبور یعنی شہد کی مکھیوں کا ایک لشکر حضرت عاصم کے جسم شریف کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ شہد کی مکھیوں کے لشکر نے حضرت عاصم کے جسم کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ جو کافر بھی آگے بڑھتا تو ایک دم ہجوم کر کے اس پر حملہ کرتیں اور اپنے ڈنک سے اسے کاٹتیں اور اس کافر کو حضرت عاصم کے جسم سے دور بھگا دیتی تھیں۔ یہاں تک کہ کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ ان کے قریب آئے۔ جب رات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایک سیلاب بھیجا جو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم شریف کو بہا کر لے گیا اور ان کے جسم کو دشمنوں سے اوجھل کر دیا۔

(مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۲۴۰/۲۴۳)

مروی ہے کہ جب سفیان بن خالد اور اس کی قوم ملاعنہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کے بعد طلحہ بن ابوطلحہ کی بیوی سلافہ بنت سعد کے پاس گئی اور حضرت عاصم کو شہید کر دینے کی پوری تفصیل بتائی اور سواونٹ انعام کے طلب کئے تو سلافہ نے کہا کہ میں نے تو یہ شرط لگائی تھی کہ جو کوئی میرے لڑکوں کے قاتل کو بنفسہٖ یا اس کا سر لائے گا تو میں اسے سواونٹ دوں گی، لیکن تم تو اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لائے۔ میں اونٹ کس لئے تمہیں دوں؟ چنانچہ وہ وہاں سے نامراد اور خائب وخاسر لوٹے۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۲۴۳)

حضرت عاصم بن ثابت کے علاوہ دوسرے چھ صحابہ بھی ان کفار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ باقی تین حضرات بچے۔ حضرت خبیب بن عدی، حضرت عبد اللہ بن طارق اور حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان تینوں کو مشرکوں نے قید کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن طارق نے کسی طرح سے اپنے ہاتھوں کی بندش کھول ڈالی اور شمشیر تان کر دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ شیر کی مانند ان پر حملہ آور ہوئے۔ انفرادی طور پر ان کے حملے کی کسی میں تاب نہ تھی۔ لہٰذا مشرکوں نے سنگ باری کر کے ان کو شہید کر دیا۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۲۴۳)

باقی بچے حضرت خبیب بن عدی اور حضرت زید بن الدثنہ تو ان دونوں کو غلام بنا کر مکہ کے بازار میں فروخت کرنے کے لئے بھیج دیا۔ ان دونوں کو حارث بن عامر بن نوفل اور امیہ بن خلف کے ورثاء نے خریدا۔ کیوں کہ جنگ بدر میں حارث بن عامر بن نوفل اور امیہ بن خلف کو حضرت خبیب نے قتل کیا تھا۔

(المغازی الصادقہ، ترجمہ مغازی الرسول، از علامہ امام محمد بن عمر و واقدی، ص ۱۱۰)

ان لوگوں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے شہید کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو سولی پر لا کر باندھ دیا۔ اس وقت کفار نے ان سے کہا کہ اگر تم دین اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو تمہیں اسی وقت نجات دے دی جائے۔ حضرت خبیب نے فرمایا: قسم ہے رب العزت کی! اگر تمام روئے زمین مجھے دے دو تو بھی میں دین حق سے منہ نہ موڑوں گا۔ ایک جان کیا اگر سو جان بھی ہوں تو وہ سب دین حق پر قربان ہیں۔ اس کے بعد کفار کہنے لگے کہ اس وقت تمہاری خواہش تو یہ ہوگی کہ تمہاری جگہ اس دار (سولی) پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتے اور تم اپنے گھر میں سلامتی کے ساتھ ہوتے۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''خدا کی قسم! میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں کانٹا چبھے اور میں گھر میں بیٹھا رہوں۔'' حضرت خبیب کے دین اسلام پر استقلال و اعتماد اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت کے جذبے کو دیکھ کر ان کو شہید کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ مشرکوں نے بدر کے ان پسماندگان کو بلایا جن کے بھائی، باپ وغیرہ جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ چالیس آدمی برچھیاں لئے آگے آئے اور حضرت خبیب کے جسم میں چبھونے لگے۔ اس وقت حضرت خبیب نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ ''اے خدا! میں اس جگہ دشمنوں کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا ہوں اور دوستوں میں سے کوئی یہاں موجود نہیں جو میرا پیغام تیرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ اے خدا! تو ہی میرا اسلام بارگاہ رسالت میں

پہنچا۔'' کفار مسلسل حضرت خبیب کے جسم پر برچھیوں سے وار کرتے رہے۔ ان اشقیاء میں سے ایک نے ان کے سینے پر ایسا نیزہ مارا جوان کی پشت سے پار ہو گیا۔ اس وقت ان کی زبان پر کلمۂ توحید جاری ہو گیا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اس جہاں سے دار آخرت کو کوچ کر گئے۔ حضرت خبیب کو شہید کرنے کے بعد مشرکوں نے حضرت زید بن الدثنہ کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا اور اسی طرح حضرت زید کو بھی شہید کر دیا۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد۲، ص ۲۴۵)

مشرکوں نے حضرت خبیب اور حضرت زید کو شہید کرنے کے بعد حضرت زید کی لاش کو دار سے اتار لیا، لیکن حضرت خبیب کی لاش کو دار پر لٹکتی چھوڑ دیا، کیوں کہ کفار مکہ کو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ زیادہ سخت دشمنی تھی اس لئے کہ انھوں نے جنگ بدر میں ان کے دو سرداروں حارث بن عامر نوفل اور امیہ بن خلف کو قتل کیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت خبیب کو دار پر کئی دن تک لٹکائے رکھنے سے مشرکوں کا یہ مقصد تھا کہ حضرت خبیب کی شہادت کی خبر سارے عرب میں پھیل جائے تا کہ کفار مکہ کے رعب کا سکہ بیٹھ جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت خبیب کی دعا بھی قبول فرمائی اور ان کا سلام بارگاہ رسالت میں پہنچا دیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا کہ یکا یک حضور پر وحی کی علامت ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا ''وَرَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ'' اور فرمایا خبیب کو قریش نے شہید کر دیا ہے، اور یہ جبرئیل امین ہیں جو ان کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو جائے اور خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دار سے اتار کر لائے اور اس کے بدلے میں بہشت بریں پائے۔

حضرت زبیر بن العوام اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس خدمت کو اپنے اوپر لازم کر کے روانہ ہوئے، دن چھپ کر گزارتے اور رات کو سفر طے کرتے۔ اس طرح قطع

منازل کر کے رات کے وقت ''تنعیم'' نامی مقام میں پہنچے جہاں حضرت خبیب کو دار پر لٹکایا گیا تھا۔ چالیس آدمی دار کے گرد پہرہ دینے والے غفلت کی نیند میں پڑے تھے کہ دونوں حضرات نے آہستہ آہستہ چل کر کسی قسم کی آہٹ یا آواز کئے بغیر حضرت خبیب کو دار سے اتارا، حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو چالیس دن گزر چکے تھے، لیکن شہادت کے چالیس دن کے بعد بھی ان کا جسم تر و تازہ تھا اور ان کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ خون مشک کی مانند مہک رہا تھا۔ حضرت خبیب کے جسم کو حضرت زبیر بن العوام کے گھوڑے پر لاد کر یہ دونوں رفیق روانہ ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو قریش کے لوگوں کو پتہ چلا کہ حضرت خبیب کے جسم کو کوئی لے بھاگا۔ لہٰذا اشتر سوار ان کے تعاقب میں دوڑا دیئے۔ جب وہ گروہ حضرت زبیر اور حضرت مقداد کے قریب پہنچا تو حضرت زبیر نے حضرت خبیب کے جسم کو گھوڑے کی پشت سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ زمین نے اسی وقت ان کو اپنے اندر سمولیا۔ اس وجہ سے حضرت خبیب کو ''بَلِیْعُ الأرْضِ'' یعنی زمین کے نگلے ہوئے کہا جاتا ہے۔ بعدہٗ حضرت زبیر اور حضرت مقداد خیریت سے مدینہ منورہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام اس مجلس مبارک میں موجود تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے ان دونوں صحابہ کی وجہ سے فرشتے مباہات (فخر) کرتے ہیں۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد۲، ص۲۴۶)

عشق رسول سے لبریز ایسے کئی واقعات کتب احادیث، سیر و تواریخ میں موجود ہیں اور ان تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی نے فرمایا کہ ''دل جان سے صدقے ہو'' جس طرح حضرت عاصم، حضرت خبیب اور حضرت زید قربان ہوئے، اور ''سر گرد پھرے دل سے'' ایک مراد یہ بھی لی جاسکتی ہے کہ عاشق رسول کا ''سر'' یعنی اس کا ذہن ہر وقت اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصور اور خیال میں محو ہو کر اپنے آقا کی ذات کے اردگرد

گھومتا ہے۔ ہر لمحہ اس کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہی خیال و تصور رہتا ہے۔ جیسے کہ مذکورہ واقعات میں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی یاد کیا اور آپ کی بارگاہ میں سلام کا تحفۂ عقیدت بھیجا، اور یہی سچے عشق کی علامت ہے۔ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ:

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

●

وہی آنکھ ان کا جو منھ تکے وہی لب کہ محو ہوں نعت کے
وہی سر جو ان کے لئے جھکے وہی دل جو ان پہ نثار ہے

●

خاک ہو کر عشق میں ، آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

●

دہن میں زباں تمہارے لئے، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

❁......❁......❁

(87)

نفس پُر زور کا وہ زور اور دل

زیر ہے زار ہے کیا ہونا ہے

حل لغت:

نفس: جان، روح، حقیقت، شئے کی ہستی، عین ہر چیز کا، خون اور تن۔

(لغات کشوری، ص۷۸۲☆ کریم اللغات، ص۱۸۲)

پُر: بھرا ہوا، بہت، لبریز، مکمل، بھرپور، بافراط۔

(فیروز اللغات، ص۲۸۴☆ لغات کشوری، ص۱۱۸☆ کریم اللغات، ص۲۹)

زور: طاقت، قوت، توانائی، بل، شکتی، اختیار، بس، قابو، زبردستی، ظلم، شتابی، جھوٹ، فریب، کوشش، جدوجہد، محنت، مشقت، سہارا، مدد، وزن، بوجھ، انوکھا آدمی، قیامت کا، غضب کا، انوکھا، نرالا، سہارا جو شطرنج کے ایک مہرے کو دوسرے سے ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۷۵۴☆ لغات کشوری، ص۳۵۵☆ کریم اللغات، ص۸۵)

زیر: نیچے، تلے، تحت، کمزور، کم طاقت، کمتر، گھٹیا، مدھم آواز، سارنگی کا چھوٹا، بڑا گھڑا، تار، نیچا سر، اعراب میں کسرہ یعنی حرف کے نیچے آنے والا نشان۔

(فیروز اللغات، ص۷۵۷☆ لغات کشوری، ص۳۵۷☆ کریم اللغات، ص۸۶)

زار: جگہ، مکان، مقام جیسے لالہ زار، افراط، بہتات، کثرت، ڈھیر، نالہ وفریاد، لاغر، ضعیف، ذلیل، خوار، رسوا، جگہ اگنی کی، نہایت ضعیف وخوار۔

(فیروز اللغات، ص۷۳۷☆ لغات کشوری، ص۳۴۱☆ کریم اللغات، ص۸۳)

پہلے مصرع میں شروع میں وارد لفظ ''زور'' کا مطلب ''طاقت'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد میں وارد لفظ ''زور'' کا مطلب ''ظلم'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ اس نعت کا شعر ہے جس میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ملت اسلامیہ کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کے لیے بداعمالی، لہو ولعب، ارتکاب معاصی، نفس پروری، جرم وجفا، افعال قبیحہ، ترک عبادت، فرائض وواجبات کی ادائیگی سے غفلت وغیرہ کو ترک کرنے کی ہدایت فرمانے کے ساتھ تذکرۂ آخرت، میدان محشر کی گرمی، نامۂ اعمال میں نیکیوں کی کمی کے باعث پیش آنے والی ندامت، میدان محشر میں بداعمالی کی وجہ سے لاحق ہونے والی ذلت، آخرت کی سختیاں، بے مائیگی، بے چارگی، بے کسی، بے بسی اور بے یار ومددگار ہونے کا مرحلہ یاد دلا رہے ہیں اور ساتھ میں خدا کی رحمت اور خدا کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنی امت پہ شفقت وعنایت پر بھروسہ اور امید کرتے ہوئے ان کی بارگاہ کی طرف لو لگانے کی تلقین فرما رہے ہیں اور نعت کے آخر میں وقت نزع کا عالم، اعزہ واقربا کی جدائی کا غم وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس بے چارگی اور مایوسی کی حالت میں بھی دنیا سے ہنستے ہوئے رخصت ہونے کی آرزو کا اظہار کر رہے ہیں اور یہ آرزو رب کائنات کی شان رحیمی، کریمی، ستاری اور غفاری پر اعتماد کامل کی وجہ سے کر رہے ہیں۔

یہ شعر اس نعت کا ہے جس میں پینتیس (۳۵) اشعار ہیں۔ جس کا مطلع اور چند اشعار:

راہ پر خار ہے کیا ہونا ہے — پاؤں افگار ہے کیا ہونا ہے

چھپ کے لوگوں سے کیے جس کے گناہ — وہ خبردار ہے کیا ہونا ہے

کام زنداں کے کیے اور ہمیں — شوق گلزار ہے کیا ہونا ہے

ان کو رحم آئے تو آئے ورنہ — وہ کڑی مار ہے کیا ہونا ہے

واں نہیں بات بنانے کی مجال	چارۂ اقرار ہے کیا ہونا ہے
کیوں رؔضا کڑھتے ہو ہنستے اٹھو	جب وہ غفار ہے کیا ہونا ہے

پوری نعت کا ہر شعر سوز و گداز سے لبریز ہے اور غافل انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے تریاق ہے۔ یہ شعر اس نعت کا گیارہواں شعر ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ہمارا نفس بہت طاقت اور قوت والا ہے۔ اس طاقتور نفس کا وہ ظلم (زور) ہے کہ ہمیں ہمہ وقت بہکاتا رہتا ہے۔ ہمیں قدم قدم پر ورغلاتا ہے۔ ہمیں ہر بات پر اپنے دام فریب میں پھنساتا ہے۔ اپنی سرکشی کے جوہر دکھاتا ہے۔ اپنی فریب کاریاں ظاہر کرتا ہے۔ یاد خدا سے غافل کرتا ہے۔ شریعت کی پابندی کرنے میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ گناہوں پر ہمیں اکساتا ہے۔ ہمارے وجود پر غلبہ حاصل کر چکا ہے۔ روحانیت کی راہیں مسدود کر دی ہیں اور ہمیں نفسانیت میں اتنا الجھا دیا ہے کہ اس کی فریب کاری اور دھوکہ بازی کا مقابلہ کرنے کی ہم میں قوت نہیں رہی۔ ہمارا دل جانتا ہے کہ نفس کی اطاعت قابل ملامت ہے، لیکن ہمارا دل بھی ذکر الٰہی کی غفلت کی وجہ سے اتنا کمزور اور ضعیف ہو گیا ہے کہ اس کا بس نہیں چلتا۔ دل کی کمزوری نفس کے زور کے سامنے بے اختیار ہے۔ ایسے عالم کشمکش میں ہمارا کیا ہوگا؟

اس شعر میں لفظ ''زور'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''زور'' ہے اس کے معنی طاقت، قوت، توانائی وغیرہ ہیں۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''زور'' ہے اس کے معنی ظلم، زبردستی، فریب وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ ''زور'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے نفس کو پرزور یعنی بہت طاقتور فرمایا ہے، کیوں کہ انسان کا نفس ہی انسان کو بہکاتا ہے۔ تمام گناہوں کی جڑ اور اصل انسان کا نفس ہی ہے اس

لئے نفس کو قابو میں رکھنے اور اس کے بہکاوے میں نہ آنے کی ہدایت وتلقین کی گئی ہے۔ راہ سلوک میں سب سے پہلی تعلیم نفس کشی یعنی نفس کو مارنے کی دی جاتی ہے۔ اجلہ اولیائے کرام نے سالہا سال تک عبادت وریاضت کر کے اپنے نفس سے مجاہدہ کیا ہے اور ہمیشہ اپنے نفس کی خواہشات کے خلاف کیا ہے۔ یہاں تک کہ عرصہ دراز تک بھوک اور پیاس کی زحمت گوارا فرمائی۔ اپنے نفس کو بھوکا اور پیاسا رکھا اور نفس کو مار ڈالا۔ حدیث میں ارشاد اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کہ ''مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا'' یعنی مرجاؤ، مرنے سے پہلے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ موت آنے سے پہلے مرنے کے لئے خودکشی کرلو، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اپنے نفس کو مار ڈالو یعنی کہ خواہشات نفسانی پر قابو پالو اور جس نے اپنے نفس پر قابو پالیا اور اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اللہ کو پہچان لیا۔

حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ''

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو جان لیا۔

(88)

اُف رے خود کام بے مروت

پڑتا ہے کام آدمی سے

حل لغت:

کام: کار، کاج، کاروبار، دھندا، فعل، بیوپار، لین دین، کرتوت، کردار، بنج، ہنر، پیشہ، دستکار، شغل، مصروفیت، تالو، منھ، مقصد، مطلب، مراد، واسطہ، تعلق، غرض، جماع، شہوت، مجامعت، روزگار، نوکری، خدمت، کارچوبی، نقاشی، فرض، ڈیوٹی، چالاکی، عیاشی، ضرورت، ہوشیاری۔

(فیروز اللغات، ص ۹۷۷ ☆ لغات کشوری، ص ۵۷۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۷)

بے مروت: لحاظ نہ کرنے والا، طوطا چشم، نامہربان، بے درد، ظالم، خود غرض۔

(فیروز اللغات، ص ۲۴۹)

اُف: آہ، اوہ، کلمۂ افسوس، درد یا رنج کے اظہار کے لئے، حیرت۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۲)

پہلے مصرع میں لفظ ''کام'' کا مطلب ''شغل'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''کام'' کا مطلب ''واسطہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار ان جلیل القدر ذی علم حضرات میں ہوتا ہے جن کے علم کا لوہا دنیا نے مانا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے صرف فن شاعری سے متعلق ہی گفتگو کریں تو لامحالہ کہنا پڑے گا کہ آپ اس فن میں عروج کی اعلیٰ منزل پہ

فائز تھے۔آپ ایسے امام الکلام تھے کہ آپ کا کلام بھی امام الکلام ہے۔آپ کے ہر شعر میں اتنی معنویت ہوتی ہے کہ گویا کوزے میں سمندر۔جس کا اندازہ اس شعر سے ہوگا۔حالاں کہ اگر اس شعر کو سرسری اور طائرانہ نظر سے دیکھ کر اس کا مطلب بیان کریں گے تو یہ مطلب ہوگا کہ افسوس! خود کام ہی بے مروت ہے۔آدمی سے کام پڑتا ہے،لیکن بہ نظر عمق اس شعر کو دیکھیں اور غور وفکر کریں تو شعر کا مطلب دیگر ہی سمجھ میں آئے گا۔مصرع ثانی ظاہراً بہت آسان معلوم ہوتا ہے کہ ''پڑتا ہے کام آدمی سے'' یعنی آدمی کا واسطہ آدمی سے پڑتا ہے۔لیکن یہ معنی صحیح نہیں۔ عوام کی اصطلاح میں لفظ''پڑتا'' کا مطلب ''پڑنا'' ہوتا ہے۔مثلاً: زید کو عمر سے کام پڑتا ہے یعنی واسطہ پڑتا ہے۔لیکن اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ''پڑتا'' کو کسی اور ہی معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

لفظ''پڑتا'' کے معنی ہم لغت سے معلوم کریں۔

<u>پڑتا:</u> شرح،لگان،حصہ رسدی (فیروز اللغات،ص۲۹۴)

لغت سے لفظ''پڑتا'' کے تین معنی حاصل ہوئے اور وہ ہیں شرح،لگان اور حصہ رسدی۔ اس شعر کے تعلق سے کچھ گفتگو کرنے سے قبل اب ان تینوں الفاظ کے معنی لغت سے معلوم کریں۔

<u>شرح:</u> تفسیر،کھول کر کہنا،نرخ،بھاؤ۔ (فیروز اللغات،ص۸۳۹)

<u>لگان:</u> خراج زمین،باج،سرداری محصول،زرآمدن جو زمین سے حاصل ہو۔

(فیروز اللغات،ص۱۱۶۱)

<u>حصۂ رسدی:</u> جتنا جتنا حصے میں آئے،تقسیم کے موافق،بانٹ کے مطابق۔

(فیروز اللغات،ص۵۷۰)

اس شعر میں''پڑتا'' کا لفظ شرح،لگان یا حصۂ رسدی کے معنی میں ہے کہ مصرع ثانی میں لفظ''کام'' مکسور یعنی زیر دیا ہوا۔لفظ کام کے میم کے نیچے زیر ہے اور لفظ کام کو مکسور کر کے اس

کی اضافت آدمی کی طرف کی گئی ہے۔یعنی کام آدمی ''آدمی کا کام''۔ یہاں تک کی گفتگو کے بعد اب آپ کا ذہن شعر کے صحیح مطلب کی طرف مائل ہو گیا ہوگا۔ پھر بھی اس شرح کو اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لیے اس شعر کا پس منظر معلوم کرنا مناسب رہے گا۔

یہ شعر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس نعت کا ہے جس میں آپ نے ملت اسلامیہ کی رہبری کرتے ہوئے ایک نفع بخش درس دینے کی غرض سے نفس کی مذمت اور اس کی سرکشی کی شکایت فرمائی ہے۔اس نعت میں کل انیس (۱۹) اشعار ہیں اور یہ آٹھواں شعر ہے۔اس سے ماقبل کچھ اشعار پر نظر ڈالنے سے اس کو حل کرنے اور اس کی تشریح میں سہولت ہوگی۔حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اللہ اللہ کے نبی سے　　فریاد ہے نفس کی بدی سے
دن بھر کھیلوں میں خاک اڑائی　　لاج آئی نہ ذروں کی ہنسی سے
شب بھر سونے ہی سے غرض تھی　　تاروں نے ہزار دانت پیسے
ایمان پہ موت بہتر او نفس　　تیری ناپاک زندگی سے
تجھ سے جو اٹھائے میں نے صدمے　　ایسے نہ ملے کبھی کسی سے

مذکورہ اشعار میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ آہ! اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفس کی بدی (برائی) کی فریاد ہے۔ پھر نفس کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ اے نفس! میں تیری فریاد آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس لیے کرتا ہوں کہ تو نے ہمیشہ میرے ساتھ بدی کی ہے۔یعنی برائی کرکے میری بدخواہی کی ہے۔دن بھر دنیا کے کھیلوں میں خاک اڑاتا رہا، یہاں تک کہ تو جس خاک کو اڑاتا تھا اس خاک کے ذرے بھی تیری حرکتوں پر ہنستے تھے۔اور رات بھر تو سونے کا یعنی غفلت کا ہی کام کیا۔تیری اس غفلت پر آسمان کے ستارے بھی دانت پیستے تھے یعنی تجھ پر نہایت غصہ کیا،لیکن تجھے نہ ذروں کی ہنسی سے شرم آئی نہ

تاروں کے غصے سے کوئی شرم محسوس ہوئی۔اے ظالم سرکش نفس! تیری اس ناپاک زندگی سے تو ایمان کے ساتھ مر جانا بہتر ہے، کیوں کہ تو نے مجھ کو وہ صدمے دیئے ہیں کہ ایسے صدمے آج تک مجھے کسی نے نہیں دیئے۔ یہاں تک کے اشعار میں حضرت رضا بریلوی نفس کو زجر فرماتے ہیں، پھر اس کے بعد نفس کی بدی، سرکشی اور نافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اف رے خود کام بے مروت ☆ پڑتا ہے کام آدمی سے

یعنی اے نفس! صد افسوس ہے تجھ پر! کہ تیرا جو مقصد ہے وہ مقصد بہت ہی بے مروتی یعنی خود غرضی کا ہے، کیوں کہ آدمی جو کام خلوص سے کرتا ہے اس خلوص بھرے کام میں بھی تیرا لگان جاری ہو جاتا ہے یعنی اس بے لوث کام میں نفس اپنی خود غرضی، بے دردی اور ظلم و جفا شامل کر کے آدمی کے مخلص کام کو اپنی خواہشات کے زیر اثر کر لیتا ہے اور ریا، تکبر، غرور، حصول جاہ و مال، خود ستائش وغیرہ مذموم باتیں اس میں شامل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ انسان کے کام میں نفس کی خود غرضی کا دخل ہے۔ یعنی کہ ہر کام میں نفس کی بے مروتی کا معین حصہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنا حصہ محصول کی راہ سے مقرر کرتا ہے اور آدمی کو خلوص سے کام نہیں کرنے دیتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا کام بے اثر اور بے اجر ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ جس کام میں خلوص نہیں ہوتا بلکہ خود غرضی اور ریاکاری ہوتی ہے اس کام کے مفید نتائج حاصل نہیں ہوتے اور اس پر کوئی ثواب بھی نہیں مرتب ہوتا۔ پھر چاہے وہ کام عبادت و ریاضت سے ہی متعلق کیوں نہ ہو۔ حدیث کے فرمان کے مطابق جو عبادت ریا کی نیت سے کی جاتی ہے وہ عبادت غیر مقبول ہوتی ہے اور ایسا ریاکار عابد بجائے ثواب کے عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ ایسا ریاکار عابد اللہ اور رسول کی بارگاہ میں عزت و تکریم پانے کے بجائے ذلت اور خجالت پاتا ہے۔ لہٰذا حضرت رضا بریلوی نفس کے اس ظلم کا ذکر کرتے ہوئے اس شعر کے بعد والے شعر میں فرماتے ہیں:

تو نے ہی کیا خدا سے نادم — تو نے ہی کیا خجل نبی سے

کیسے آقا کا حکم ٹالا — ہم مرمٹے تیری خود سری سے

حد کے ظالم ستم کے کٹّر — پتھر شرمائیں تیرے جی سے

نفس کی سرکشی، ظلم وستم، جورو جفا، خودغرضی، وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد نفس کے پنجے سے امان حاصل کرنے کے لئے حضرت رضا بریلوی اپنے معین وناصر، ہادئ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں استغاثہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

رہزن نے لوٹ لی کمائی ☆ فریاد ہے خضر ہاشمی سے

یعنی ہمارے اعمال کی کمائی نفس نام کے رہزن نے لوٹ لی ہے اوراس آفت کی فریاد خضر ہاشمی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔خضر ہاشمی کے جملے کی بابت بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، لیکن یہاں ممکن نہیں۔مختصر یہ ہے کہ خضر کا لغوی معنی رہنما یا رہبر ہے۔اور نفس کی گمراہ کن دھوکہ بازی سے محفوظ رہ کر ہدایت وخلوص کی راہ پر استقلال کے ساتھ گامزن رہنے کے لئے اس رہبر اعظم کی احتیاج ہے جو اپنی تمام تر نورانیت کے ساتھ عرب کے خاندان بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔اوراس رہبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اپنی تمام توجہات مرکوز کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اپنے دل کا ہے انہیں سے آرام، سونپے ہیں اپنے انھیں کو سب کام
لو لگی ہے کہ اب اس در کے غلام ، چارۂ درد رضؔا کرتے ہیں

ایک اور جگہ حضرت رضا نفس کی شرارتوں اور دھوکہ بازیوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رضؔا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا ☆ کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

نفس شیطان کے مکروفریب سے امان و پناہ حاصل کرنے کے لیے اپنے آقا و مولیٰ، مالک کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں استغاثہ کرتے ہوئے حضرت رضا

عرض کرتے ہیں:

سرور دیں لیجئے اپنے ناتوانوں کی خبر
نفس و شیطاں سیدا کب تک دباتے جائیں گے

اور اپنے آقا و مولیٰ کی اعانت و مدد پر کامل اعتماد کرتے ہوئے نفس و شیطاں کو للکارتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں — وہ سلامت ہیں بنانے والے
پھیر دیجے پنجۂ دیو لعیں — مصطفیٰ کے بل پہ طاقت کیجئے

بلکہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عاشق اور غلاموں کا نقش قدم گمراہ ہونے سے بچاتا ہے:

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

❁......❁......❁

(89)

ہے انھیں کے نور سے سب عیاں ہے انھیں کے جلوہ میں سب نہاں
بنے صبح تابش مہر سے رہے پیش مہر یہ جاں نہیں

حل لغت:

عیاں: ظاہر، علانیہ، کھلا ہوا، نمودار۔

(فیروز اللغات، ص ۹۰۷ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

نہاں: پوشیدہ، چھپا ہوا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۸۹ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۳ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۸)

تابش: حرارت، گرمی، چمک، روشنی، نور، دھوپ کی چمک، تپش، طاقت۔

(فیروز اللغات، ص ۳۳۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲۹ ☆ کریم اللغات، ص ۲۲)

مہر: محبت، حب، دوستی، پیار، شفقت، ہمدردی، رحم، ترس، مامتا، الفت مادری، سورج، شمسی، ہر انگریزی مہینہ کی سولہویں تاریخ، نیا سولہواں دن، آفتاب۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۲۲ ☆ لغات کشوری، ص ۷۵۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۷۵)

پیش: آگے، سامنے، پہلے، قبل، آئندہ، اعراب میں ضمہ، انگرکھے کی اگاڑی، تسبیح کا وہ دانہ جو اوپر ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۰)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ’’مہر‘‘ کا مطلب ’’آفتاب‘‘ ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ’’مہر‘‘ کا مطلب ’’رحم‘‘ ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عظمت، بلند رتبہ اور رفعت و وجاہت کا بیان فرما رہے ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے چھ الفاظ تکرار کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ (۱) ہے (۲) انہیں (۳) کے (۴) سے (۵) سب (۶) مہر۔ یہ تمام الفاظ اس شعر میں دو دو مرتبہ استعمال ہوئے۔ ان الفاظ میں سے ''مہر'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہونے کے باوجود معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ ہے۔ لہٰذا یہ شعر اردو ادب و فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ بقیہ پانچوں الفاظ حروف و اعراب اور معنی کے اعتبار سے بھی مساوی ہیں۔ شعر کے مصرع ثانی میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''مہر'' ہے وہ سورج کے معنی میں ہے۔ شعر کا لغوی اور ظاہری معنی یہ ہے کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی ہے جن کے نور سے سب کچھ عیاں، یعنی ظاہر ہوا ہے اور انہیں کے جلوے میں سب کچھ چھپا ہوا ہے۔ جس طرح آفتاب کے نور سے دن کو روشنی ملتی ہے۔ اسی طرح آپ کے نور سے پوری کائنات کو زندگی ملتی ہے۔

شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی نے ''ہے انہیں کے نور سے سب عیاں'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ یہ جملہ احادیث قدسیہ، احادیث نبویہ، آیات قرآنیہ اور اقوال صحابہ وائمہ کرام کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اس جملہ میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے لفظ ''سب'' کا استعمال فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کائنات کی کوئی بھی شئے اپنے وجود میں حضور کے طفیل اور خیراتی ہونے سے خارج نہیں۔ پوری کائنات آپ کے نور کی بدولت وجود میں آئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہی کائنات کو وجود بخشا ہے۔

- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے، میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اسی لئے پیدا کیا ہے:

''لِاَعْرَفَهُمْ كَرَامَتَكَ وَمَنْزِلَتَكَ عِنْدِىْ وَلَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا ''یعنی تاکہ عظمت وکرامت اور منزلت ومرتبت سے آگاہ کروں جو میرے یہاں ہے۔ اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو میں دنیا پیدا نہ کرتا۔ (خصائص کبریٰ، جلد۱، ص۱۹۳)

- امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ وَمِنْ نُوْرِىْ خَلَقَ جَمِيْعَ الْكَائِنَاتِ''

یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا، پھر میرے نور سے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ (بیان المیلاد النبوی، ص۲۴)

- حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری ''دیلمی'' کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام دیا:

''يَا مُحَمَّدُ لَوْلَاكَ مَاخَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَاكَ مَاخَلَقْتُ النَّارَ وَفِىْ رِوَايَةِ ابْنِ عَسَاكِرِلَوْلَاكَ مَاخَلَقْتُ الدُّنْيَا''

یعنی اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (موضوعات کبیر، ص۵۹)

مذکورہ روایات سے ملتی جلتی بہت سی روایات، المواہب مع الزرقانی، الخصائص الکبریٰ،

مکتوبات امام ربانی، عرائس البیان، الشفاء شریف، شرح الشفاء، جواہر البحار، مدارج النبوۃ، وغیرہ کتب میں کثرت سے وارد ہیں، جن کو بخوف طوالت نقل نہیں کیا گیا ہے۔

- حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

''لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ ''یعنی اگر آپ کو میں پیدا نہ کرتا تو میں اپنی ربوبیت یعنی اپنے رب ہونے کا اظہار ہی نہ کرتا۔

- ایک اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

''كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ''

ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، پس مجھے اس امر سے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں، تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اسی حدیث قدسی کی تشریح میں علامہ امام عبدالکریم الجیلانی لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو وہ جانتا تھا کہ حادث ہونے کی وجہ سے مخلوق میری ذات کی معرفت حاصل نہ کر سکے گی:

''فَخَلَقَ مِنْ تِلْكَ الْمَحَبَّةِ حَبِيْبًا اِخْتَصَّهُ التَجَلِّيَاتُ ذَاتَهُ وَخَلَقَ الْعَالَمَ مِنْ ذَالِكَ الْحَبِيْبِ لِتَصِحَّ النِّسْبَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَلْقِهِ فَيَعْرِفُوْهُ بِتِلْكَ النِّسْبَةِ''

ترجمہ: تو اس نے اس محبت سے اپنے حبیب کو پیدا فرمایا اور اپنے حبیب کو اپنی ذات کی تجلیوں کے فیض سے مخصوص فرمایا۔ اور اپنے حبیب سے تمام عالم کو پیدا فرمایا تا کہ وہ حبیب خالق اور مخلوق کے درمیان نسبت بن جائے اور مخلوق اس حبیب کی نسبت سے اپنے خالق کی معرفت پا سکے۔ (جواہر البحار، جلد ۱، ص ۲۴۹)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان تمام اقتباسات کے پیش نظر اپنے آقا و

مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وشان کے متعلق علی الاعلان کہہ رہے ہیں:

''ہے انہیں کے نور سے سب عیاں''

اور یہ حقیقت ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی نہ ہوتی تو پوری کائنات کا وجود ہی نہ ہوتا، بلکہ خالق کائنات اپنے رب ہونے کا بھی اظہار نہ فرماتا۔ اسی لیے ایک مقام پر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

ہے انھیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

مصرع اول کے آخر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: ''ہے انھیں کے جلوے میں سب نہاں'' یعنی آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلوؤں میں سب کچھ پوشیدہ ہے، مصرع کی ابتداء میں یہ فرمایا تھا کہ ان کے نور سے سب عیاں، اور آخر میں فرماتے ہیں کہ ان کے جلوے میں سب نہاں، عیاں اور نہاں دو متضاد الفاظ کو کتنے بہترین انداز میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے پرویا ہے۔ دو متضاد الفاظ ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں الفاظ فن شاعری کے اصول تقطیع کے اعتبار سے ہم وزن وہم قافیہ ہیں۔ اردو ادب وفن شاعری کے حوالہ سے اس شعر پر طویل گفتگو کی جا سکتی ہے۔ لیکن مضمون کی طوالت کے ڈر سے ترک کیا جاتا ہے۔ اہل ذوق بنظر خوض شعر پر التفات کریں گے تو علم وادب کے بے بہا جواہر دستیاب ہوں گے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''ہے انہیں کے جلوے میں سب نہاں'' کا ایسا جامع المعنی جملہ فرمایا ہے کہ اس کی تفصیل وتشریح یہاں ممکن نہیں، جس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے پوری کائنات عیاں ہوئی ہے۔ اسی طرح سرکار کے جلوے میں پوری کائنات نہاں بھی ہے۔ اس ضمن میں صرف ایک حدیث پیش کرتا ہوں جس سے روز روشن کی طرح صاف ثابت ہو جائے گا کہ پوری کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلوے میں کیسے پوشیدہ ہے؟

- امام احمد وابویعلی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''لَمَّا خَرَجَ مِنْ بَطْنِیْ فَنَظَرْتُ اِلَیْهِ فَاِذَا اَنَابَهٗ سَاجِدًا ثُمَّ رَأَیْتُ سَحَابَةً بَیْضَاءَ قَدْ اَقْبَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ حَتّٰی غَشِیَتْهُ فَغَیَّبَ عَنْ وَجْهِیْ ثُمَّ تَجَلَّتْ فَاِذَا اَنَابَهٗ مَدْرَجٌ فِیْ ثَوْبِ صُوْفٍ اَبْیَضَ وَتَحْتَهٗ حَرِیْرَةٌ خَضْرَاءُ وَقَدْ قَبَضَ عَلٰی ثَلٰثَةِ مَفَاتِیْحَ مِنَ اللُّؤْلُؤِ الرَّطْبِ وَاِذَا قَائِلٌ یَقُوْلُ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلٰی مَفَاتِیْحَ النُّصْرَةِ وَمَفَا تِیْحَ الرِّیْحِ وَمَفَاتِیْحَ النُّبُوَّةِ ثُمَّ اَقْبَلَتْ سَحَابَةٌ اُخْرٰی غَشِیَتْهُ فَغَیَّبَ عَنِّیْ ثُمَّ تَجَلَّتْ فَاِذَا اَنَابَهٗ قَدْ قَبَضَ عَلٰی حَرِیْرَةٍ خَضْرَاءَ مَطْوِیَةٍ وَاِذَا قَائِلٌ یَقُوْلُ بَخٍ بَخٍ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلَی الدُّنْیَا کُلِّهَا لَمْ یَبْقَ خَلْقٌ مِنْ اَهْلِهَا اِلَّا دَخَلَ فِیْ قَبْضَتِهٖ''

ترجمہ: جب حضور مرے شکم سے پیدا ہوئے میں نے دیکھا کہ سجدہ میں پڑے ہیں۔ پھر ایک سفید بادل نے آسمان سے آکر حضور کو ڈھانپ لیا کہ میرے سامنے سے غائب ہو گئے پھر وہ ہٹا تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضور ایک اونی سفید کپڑے میں لپٹے ہیں اور سبز ریشمی بچھونا بچھا ہے اور گوہر شاداب کی تین کنجیاں حضور کی مٹھی میں ہیں۔ اور ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ نصرت کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں، نبوت کی کنجیاں سب پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبضہ فرمالیا۔ پھر اور ایک بادل نے آکر حضور کو ڈھانپا کہ میری نگاہ سے چھپ گئے۔ پھر روشن ہوئے تو دیکھا کہ سبز ریشم کا کپڑا لپٹا ہوا حضور کی مٹھی میں ہے اور کوئی منادی پکار رہا ہے واہ واہ! ساری دنیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مٹھی میں آئی۔ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے قبضے میں نہ آئی۔ (الامن والعلےٰ، از: امام احمد رضا، ص ۵۸)

یہ حدیث حضرت امام اجل صاحب تفسیر جلالین شریف، علامہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان کی معرکۃ الآراء تصنیف ''خصائص کبریٰ'' اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۱۲۳ تا ۱۲۵

پر بھی درج ہے۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

بنے صبح تابش مہر سے رہے پیش مہر یہ جاں نہیں

اس شعر میں حضرت رضا فرماتے ہیں کہ جس طرح آفتاب کے نور سے دن کو روشنی ملتی ہے اسی طرح میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلوے سے پوری کائنات کو زندگی ملی ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے عملی طور پر ثابت کر بتایا ہے کہ ایک مومن کی حیات صرف حضور کے جلوے سے ہے اور حضور کی محبت ہی سب محبتوں پر مقدم ہے۔

● خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے کسی نے پوچھا:

''کَیۡفَ کَانَ حُبُّکُمۡ لِرَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ''

ترجمہ: صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے کس قدر محبت تھی؟

آپ نے جواب میں فرمایا:

''کَانَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَیۡنَا مِنۡ اَمۡوَالِنَا وَاَوۡلَادِنَا وَاٰبَآئِنَا وَاُمَّھَاتِنَا وَاَحَبُّ اِلَیۡنَا مِنَ الۡمَاءِ الۡبَارِدِ عَلَی الظَّمَآءِ''

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں اپنے اموال، اولاد، آباء واجداد اور امہات سے بھی زیادہ محبوب تھے، کسی پیاسے کو شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے جو محبت ہوتی ہے ہمیں اس سے کہیں بڑھ کر اپنے آقا سے محبت تھی۔ (الشفا شریف، جلد۲، ص۵۶۸)

یعنی لوگوں کی پیاس ٹھنڈے پانی سے بجھتی ہے، مگر ہماری آنکھیں اور دل زیارت چہرۂ نبوی سے سیراب ہوتے ہیں۔

● حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ!

''اِنّی اِذَا رَأیْتُکَ طَابَتْ نَفْسِیْ وَقَرَّتْ عَیْنِیْ ''یعنی جب میں آپ کو دیکھ لیتا ہوں تو دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔

(سیدنا محمد رسول اللہ،ص ۴۰۷)

- حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی آپ کا چہرۂ اقدس دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے:

''اِنَّکَ اَحَبَّ وَالِدَیَّ وَمِنْ عَیْنِیْ وَمِنِّی وَاِنِّی لَاُحِبُّکَ بِدَاخِلِی وَخَارِجِی وَسِرِّیْ وَعَلَا نِیَّتِیْ '' آپ مجھے میرے والدین سے،میری اولاد سے اور میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔آقا میرے ظاہر و باطن اور خلوت میں اور جلوت میں آپ ہی کی محبت کی حکمرانی ہے۔ (تاریخ ابن کثیر،جلد۲،ص ۱۴۹)

- امام شعبی نے حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ایک دن انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ کی قسم آپ مجھے جان و مال،اولاد اور اہل سے زیادہ محبوب ہیں۔

''وَلَوْلَا اَنِّی اٰتِیْکَ فَارَاکَ لَرَأیْتُ اَنْ اَمُوْتَ ''یعنی اگر مجھے آپ کا دیدار نصیب نہ ہو تو میری موت واقع ہو جائے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر کے مصرع ثانی کے آخر میں فرمارہے ہیں ''رہے پیش مہر یہ جاں نہیں''؟ یہ جملہ استفہامیہ ہے۔آپ سوال کے انداز میں فرمارہے ہیں کہ اگر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مہر یعنی مہربانی نہ ہو تو کیا یہ جان باقی رہے گی؟ کیا ان کی مہربانی کی وجہ سے ہی ہماری یہ جان نہیں؟ بے شک یہ تن و جاں انھیں کے طفیل ہے بلکہ پوری کائنات کی جان انھیں کے صدقہ میں باقی ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تو یہ نظریہ تھا کہ وہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر اپنی حیات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

- حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کے بیٹے نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کی خبر دی تو وہ دیہات میں اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ حضور کے وصال کی خبر سن کر نہایت ہی غمگین ہوئے اور اسی وقت بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی:

''اَللّٰھُمَّ اذْھَبْ بَصَرِیْ حَتّٰی لَااَرٰی بَعْدَ حَبِیْبِی مُحَمَّدٍ اَحَدًا فَکُفَّ بَصَرُہٗ ''یعنی اے اللہ! میری آنکھیں واپس لے لے، تاکہ میں اپنے پیارے حبیب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کو دیکھ ہی نہ سکوں۔ پس ان کی نظر اسی وقت ختم ہوگئی۔

(المواہب اللدنیہ، جلد۲، ص۹۴)

- حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی صحابی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ان کی بینائی جب جاتی رہی تو لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے اور افسوس کا اظہار کرنے لگے، انھوں نے جواب میں کہا:

''کُنْتُ اُرِیْدُ بِھَا لِاَنْظُرَ اِلَی النَّبِیّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰہِ مَایَسُرُّنِیْ اَنَّ بِھِمَا بِظَبْیٍ مِنْ ظِبَاءِ تَبَالَۃَ ''یعنی مجھے ان آنکھوں سے صرف اس لئے محبت تھی کہ ان کے ذریعہ مجھے اپنے پیارے آقا کا دیدار نصیب ہوتا تھا۔ اب چوں کہ آپ کا وصال ہوگیا ہے، اس لئے اگر مجھے ہرن کی آنکھیں بھی مل جائیں تو مجھے کیا خوشی؟

(الادب المفرد للبخاری، ص۱۴۱)

یہ تھا صحابہ کا عشق رسول اور حضرت عبد اللہ بن زید انصاری کے واقعہ کو حضرت رضا بریلوی ایک مقام پر یوں بیان کرتے ہیں:

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منھ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

(90)

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب ہوں

حل لغت:

بندہ: غلام،نوکر، ملازم، نیازمند، خاکسار، انسان، بشر، آدمی، عابد، زاہد، تابعدار، سر جھکا دینے والا، حکم ماننے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۲۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵)

ہوں: ہاں، بلے، کلمۂ اقبال، کلمۂ اقرار، کلمۂ اجازت۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۵۸)

شاہ: آقا، مالک، بادشاہ، سلطان، فقیروں کا لقب، شطرنج کا ایک مہرہ، نوشہ، دولھا، بڑا، عظیم، سیدوں کے نام کا مخصوص لفظ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۳۵)

لطف: عنایت، مہربانی، خوبی، عمدگی، نرمی، ملائمت، لذت، مزہ، حلاوت، خوش طبعی، تازگی، باریک بینی، نازکی۔

(فیروز اللغات، ص ۱۱۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۶۳۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۷)

جناب: حضرت، حضور، قبلہ، آپ، صاحب، خود بدولت، خداوند، درگاہ، آستانہ، احاطۂ خانہ، چوکھٹ، پروردگار، استادہ، گرداگرد، گھر کا بغل۔

(فیروز اللغات، ص ۴۷۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۰۰ ☆ کریم اللغات، ص ۴۹)

پہلے مصرع میں وادر لفظ ''ہوں'' کا مطلب ''ہوں، کلمۂ اقرار'' ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''ہوں'' کا مطلب ''ہاں'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک مسلم حقیقت کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ضمن میں ایک تمنا بھی کر رہے ہیں۔ حضرت رضا فرماتے ہیں کہ میں تو اپنی محبت کے تقاضے سے اپنے آپ کو شاہ کا بندہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ ہونے کا دل سے اقرار کر رہا ہوں۔ لیکن کاش! حضور خود مجھ کو اپنا بندہ کہہ دیں تو لطف آجائے اور میرے بندۂ نبی ہونے پر مہر ثبت ہو جائے۔ اس شعر میں لفظ ''ہوں'' کا دونوں مصرعوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''ہوں'' ہے وہ ہونا کے معنی میں اور کلمۂ اقرار ہے۔ یعنی قائل اپنے بندہ ہونے کا اقرار و اعتراف کرتا ہے۔ مصرع ثانی میں جو لفظ ''ہوں'' ہے وہ ہاں کے معنی میں، اور کلمۂ اقبال ہے۔ یعنی قائل کی کوئی بات سن کر اس کو مناسب جان کر اس کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے اس کی بات کی تائید کرنا، شعر میں استعمال شدہ دونوں لفظ ''ہوں'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی و مطلب الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

شعر کی ابتداء میں حضرت رضا فرماتے ہیں کہ میں تو محبت کرنے والا ہوں، میں تو ہر وقت کہتا رہتا ہوں، کیا؟ یہی کہ میں شاہ کونین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بندہ ہوں۔ یہاں پر جو لفظ ''چاہوں'' ہے وہ چاہنا کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ ''چاہو'' محبت کرنے والا، مشتاق وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص۵۱۶) کے معنی میں ہے، اگر یہاں چاہنا کے معنی مراد ہوں تو شعر کا کچھ اور مطلب ہو جائے گا، یعنی میں شاہ کا بندہ نہیں ہوں، بلکہ چاہتا ہوں کہ شاہ کا بندہ ہو جاؤں یہ مراد لینے میں شعر کا مقصد اصلی اور شاعر کا مدعا جاتا رہے گا۔

المختصر! یہاں پر لفظ ''چاہوں'' دراصل ''چاہو'' ہے اور ''ں'' کی اضافت شعر کو فن شاعری

کے قانون تقطیع کے اعتبار سے متوازن بنانے کے لئے ہے۔ پہلے مصرع کا مطلب صاف ہوگیا کہ حضرت رضا علی الاعلان اپنے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ کہہ رہے ہیں اوراس کا اقرار کر رہے ہیں۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے سوا کسی دوسرے کا بندہ کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اسی موضوع سخن کو نزاعی بحث بنا کر دور حاضر کے منافقین فرقہ وہابیہ، نجدیہ، دیوبندیہ اور تبلیغیہ کے اکابر نے عبد النبی، عبدالرسول وغیرہ نام رکھنے پر شرک کا واویلا مچا رکھا ہے۔ امام الوہابیہ، مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں، مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی مضحکہ خیز کتاب ''بہشتی زیور'' میں اور مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنی بے اعتبار کتاب ''فتاویٰ رشیدیہ'' میں عبد النبی اور عبدالرسول وغیرہ نام رکھنا شرک لکھا ہے۔ حالاں کہ عبد النبی یا عبدالرسول نام رکھنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ سب سے پہلے ہم لفظ ''عبد'' اور لفظ ''بندہ'' کے لغوی معنی دیکھیں، بعدہٗ ان الفاظ کے حقیقی اور مجازی اعتبار سے استعمال کے فرق کو پہچانیں۔

لغوی اعتبار سے ان دونوں الفاظ کے معنی حسب ذیل ہیں۔

حل لغت:

عبد: غلام، بندہ، ملازم، نوکر۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۰)

عبدیت: بندگی، اطاعت، غلامی۔ (ایضاً)

بندہ: غلام، نوکر، ملازم، نیاز مند، خاکسار، انسان، عابد، زاہد، سر جھکانے والا، حکم ماننے والا، بشر، آدمی۔ (فیروز اللغات، ص ۲۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۶ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵)

بندگی: عبادت، پرستش، آداب، تسلیم، کورنش، عجز، انکساری، خدمت، نوکری، فرماں برداری، غلامی، سلام، خدا حافظ۔ (فیروز اللغات، ص ۲۱۸)

اب مذکورہ معنوں کو اچھی طرح ذہن نشیں رکھتے ہوئے قرآن مجید کی دو آیات کی

تلاوت اور تفہیم معنی کی سعادت حاصل کریں۔

- قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا“

(سورہ زمر، آیت ۵۳)

ترجمہ: تم فرماؤ! اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت کو اور اس کے ترجمہ کو بار بار پڑھیں۔ اس آیت کی ابتداء لفظ ”قُلۡ“ سے کی گئی ہے جس کا معنی ہے ”تم فرماؤ“ اور یہ خطاب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا ہے یعنی اے پیارے محبوب تم فرمادو۔ لیکن کیا؟ اور کس سے؟ اور کیا کہہ کر؟ ان تینوں سوالات کے جوابات اسی آیت میں مذکور ہیں کہ اپنے ان امتیوں سے جنہوں نے گناہ کیے ہیں۔ ان گنہگار امتیوں کو پکار کر کہو کہ اے میرے بندو۔ آیت میں لفظ ”عبادی“ ہے جو مرکب ہے ”عباد“ اور ”ی“ سے۔ اور عباد جمع ہے عبد کی یعنی اے میرے عباد یعنی بندو! ملاحظہ فرمائیں کہ اس آیت میں خود اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ تم اپنے امتیوں کو ”یا عبادی“ یعنی ”اے میرے بندو“ کہو۔ اور اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اے وہ لوگوں جو میری عبادت یا پرستش کرتے ہو، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اے لوگوں! میری غلامی اور اطاعت کررہے ہو۔ یہاں عبد (بندہ) کے مجازی معنی مراد ہیں۔ اور اس سے عبادت یا پرستش کرنے والے کے معنی ہرگز مراد نہیں لئے جائیں گے۔ اور اس طرح عبدالنبی یا عبدالرسول کے معنی بھی، نبی یا رسول کی عبادت یا پرستش کرنے والے ہرگز نہیں لئے جائیں گے۔ بلکہ نبی اور رسول کی غلامی اور اطاعت کرنے والے ہی ہوں گے۔ المختصر عبدالنبی اور عبدالرسول کے لغوی اور فقہی دونوں اعتبار سے نبی کا غلام اور رسول کا غلام معنی ہوئے، اور اس

میں شرک کا شائبہ تک نہیں۔ اگر ''یا عبادی'' صرف اے میرے بندو! کہنے میں شرک کا احتمال ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب کو یہ حکم نہ دیتا کہ تم اپنے امتیوں کو یا غلاموں یا فرماں برداروں یا اطاعت کرنے والوں کو ''یا عبادی'' سے مخاطب کرو۔ ثابت ہوا کہ ''عبدالنبی'' یا عبدالرسول'' کہنا قرآن سے ثابت ہے۔ ماحصل یہ کہ جب لفظ عبد کی اضافت اللہ کے ساتھ کی جائے گی یعنی عبداللہ کہا جائے گا تو اس سے حقیقی معنی عبدیت لئے جائیں گے یعنی اللہ کی عبادت یا پرستش کرنے والا۔ اور جب لفظ ''عبد'' کی اضافت نبی ورسول کے ساتھ کی جائے گی یعنی جب عبدالنبی یا عبدالرسول کہا جائے گا، تب اس سے مجازی معنی مراد لئے جائیں گے، یعنی رسول اور نبی کی غلامی واطاعت اور فرماں برداری کرنے والا۔ لیکن باوجود اتنی صراحت کے دورحاضر کے منافقین ایک ہی رٹ لگا رہے ہیں کہ عبدالرسول، اور عبدالنبی نام رکھنا شرک ہے۔ جب ان لوگوں کے سامنے عبدالنبی یا عبدالرسول وغیرہ ناموں کے جواز کے ثبوت میں مذکورہ آیت پیش کرتے ہیں تو بجائے سرتسلیم کرنے کے مضحکہ خیز تاویلات کے ذریعہ راس المتکبرین کی طرح بغض وعناد کا سر اونچا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس آیت میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہونے کے باوجود بھی دورحاضر کے منافقین کھینچ تان کر جبراً بے جا تاویل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ''یا عبادی'' سے مراد ''عباداللہ'' یعنی اللہ کے بندے ہیں اگر یہاں ''یا عبادی'' سے اللہ کے بندے مراد لینا ہے تو یہاں پر کچھ قیدیں لگنی ہوں گی۔ مثلاً: آیت اس طرح ہوتی ''یَقُوْلُ اللّٰہُ یَا عِبَادِیَ'' یعنی اللہ فرماتا ہے اے میرے بندو! لیکن قرآن مجید میں اس طرح آیت نہیں بلکہ آیت کی ابتدا لفظ ''قُلْ'' یعنی ''کہہ دو'' سے ہو رہی ہے اور لفظ قل کے ساتھ شروع ہونے والی آیات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص خطاب ہوتا ہے جیسے سورۂ کافرون میں ''قُلْ یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ'' یعنی تم فرماؤ اے کافرو!

سورۂ اخلاص میں ''قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَد'' یعنی تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے۔

سورۂ فلق میں ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' یعنی تم فرماؤ! میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے۔

سورۂ والناس میں ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ '' یعنی تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب ہے۔ ان چاروں سورتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اعظم کو حکم فرماتا ہے کہ اے محبوب! تم فرمادو لفظ ''قل'' فعل امر کا صیغہ ہے۔ بقول دور حاضر کے منافقین اگر ''قُلْ یَا عِبَادِیَ '' سے مراد اللہ کے بندے مراد ہیں۔ اور کہنے والا رسول نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ تو پھر آیت کی ابتدا میں لفظ ''قل'' کا کیا مطلب و مقصود ہے؟ علاوہ ازیں اگر اس آیت میں ''یَا عِبَادِیَ '' سے مراد ''اللہ کے بندے'' ہیں اور کہنے والا رسول کے بجائے اللہ تعالیٰ ہے۔ تو آیت کا اگلا جملہ یہ ہوتا کہ ''میری رحمت سے نا امید نہ ہو، بے شک میں سب گناہ بخش دیتا ہوں، یعنی متکلم اللہ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں۔ جو اللہ کی شان رحیمی و کریمی کا تذکرہ کر کے اپنے امتیوں کو نا امید نہ ہونے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ جملہ کی بندش اور انداز بیان سے مکتب کا طالب علم بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں ''یا عبادی'' سے مراد رسول کے بندے یعنی غلام مراد ہیں۔ جو بات مکتب کا طالب علم اچھی طرح سمجھ سکتا ہے وہ بات دور حاضر کے منافقین کے بڑے بڑے ملا و مفتی نہیں سمجھ پاتے ہیں اور دور حاضر کے منافقین کے منطق ضحک کے مطابق آیات قرآن مجید کی ابتداء میں لفظ ''قُلْ'' ہونے کے باوجود متکلم اللہ کی ذات ہے۔ تو پھر ''سورۂ کافرون'' کی تمام آیات میں اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ متکلم ماننا پڑے گا اور منافقین کی منطق ضحک کے ضوابط کے اعتبار سے یہ معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کافروں سے مخاطب ہو کر یہ فرماتا ہے کہ ''لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْ نَ '' یعنی نہ میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو۔ تو کیا یہ معنی کبھی صحیح ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! اور اگر منافقین کی منطق ضحک کو کوئی بے وقوف صحیح مان لے تو پھر پوری سورۂ کافرون کا کیا ترجمہ کرے گا؟ یہی نا کہ اللہ کافروں سے فرماتا ہے کہ جس

کوتم پوجتے ہو اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ اللہ بھی کسی کی عبادت کرتا ہے۔ معاذ اللہ، عظمت رسول سے بغض وعناد کے باعث دور حاضر کے منافقین کی عقلیں بھی ایسی تباہ و برباد ہوگئیں کہ اپنے مقصود کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیتوں کی ایسی مضحکہ خیز تاویل کرتے ہیں کہ ''خود آپ اپنے دام میں صیاد آگیا'' جیسی حالت ہوتی ہے۔ سورہ زمر کی مذکورہ اور زیر بحث آیت میں ''رسول کے بندے'' پر تفصیلی گفتگو ہوئی، لیکن اب آپ کو قرآن مجید کی ایک ایسی آیت مبارکہ سناتا ہوں جس میں میرے، تمہارے ہمارے اور آپ کے بندوں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرما کر منافقین کو مبہوت وساکن فرما دیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ''

(سورۂ نور، آیت ۳۲)

ترجمہ: اور نکاح کر دو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں عام مومنین سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے بے نکاح اور لائق بندوں اور کنیزوں کا نکاح کردو۔ دور حاضر کے منافقین کے کلیجوں پر سانپ لوٹ گیا ہوگا۔ رسول کے بندوں کا معاملہ اٹھا کر عبد الرسول اور عبد النبی نام شرک بتانے میں سر کا پسینہ ایڑی تک اتر آیا، پھر بھی دلائل و براہین قاہرہ سے شرک ثابت نہ کرسکے۔ اور اب ایک اور نئی آفت آئی ہے کہ ''ماوشما کے بندے'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنین سے خطاب فرما رہا ہے کہ ''عبادکم'' یعنی تمہارے بندے، رسول نے عبادی یعنی میرے بندے کہا اور امت کو عبد الرسول کے لقب سے نوازا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ عبادکم یعنی تمہارے بندے فرما کر ہمارے غلاموں کو ہمارا بندہ فرما کر ''عباد ماوشما'' میں شمار فرما رہا ہے۔ لیکن یہاں ''عبد''

کے معنی عبدیت یعنی عبادت کرنے والا یا پرستش کرنے والانہیں، بلکہ غلام، نوکر، ملازم، نیاز مند، حکم ماننے والا، تابعدار وغیرہ مراد ہیں۔اسی طرح بندہ اور بندگی کو جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب کیا جائے گا تب عبادت اور پرستش کے معنی مراد لئے جائیں گے۔ حقیقت اور مجاز میں فرق کرنا لازمی اور ضروری ہے اور حقیقت اور مجاز میں فرق نہ کرکے صرف حقیقی معنی کا راگ الاپنا شروع کریں گے تو اس کے بے ڈھنگے سُر سے شرک کی ہی جھنکار سنائی دے گی۔ اگر عبدالرسول نام یا لقب شرک ہوتا تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ''یا عبادی'' اور ''عبادکم'' نہ فرماتا۔عبدالرسول ہونا بحکم قرآن وحدیث مستحسن ہے۔اگر عبدالرسول ہونا مذموم ہوتا تو اجلہ صحابۂ کرام مثلاً: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ کو کبھی بھی عبدالرسول نہ کہتے، بلکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ برسر منبر اپنے آپ کو عبدالرسول کہتے تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ازالۃ الحقائق میں بروایت حضرت ابوحذیفہ اسحٰق بن بشر سے اور کتاب مستطاب ''الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ'' کے حوالہ سے ناقل ہیں کہ امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں برسر منبر فرمایا کہ ''قَدْ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکُنْتُ عَبْدَہُ وَخَادِمَہُ ''یعنی میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھا۔پس میں حضور کا بندہ اور حضور کا خادم تھا۔اس حدیث کو حضرت ابوحذیفہ نے فتوح الشام میں اور حسن بن بشران نے اپنے فوائد میں ابن شہاب زہری وغیرہ ائمہ تابعین سے، علاوہ ازیں ابو احمد دہقان، جزرحدیثی ابن عساکر وغیرہ نے ''کتاب السنۃ'' میں افضل التابعین حضرت سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

عارف باللہ حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ''مثنوی شریف'' میں نقل فرمایا

ہے کہ افضل الاولیاء المحمدیین ، امام المشاہدین، خلیفۃ المسلمین ، امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت بلال مؤذن رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کر کے حاضر بارگاہ عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے تو عرض کی:

گفت ما دو بندگان کوئے تو
کردمش آزاد ھم بر روئے تو

یعنی یا رسول اللہ! ہم دونوں آپ کی گلی کے بندے ہیں۔ میں نے اس کو آپ کی خاطر آزاد کیا ہے۔

(دونوں روایات ماخوذ از کتاب مستطاب ''الامن والعلیٰ لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء''، از: اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، شیخ الاسلام والمسلمین، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ، ص ۹۰/۹۱)

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ماحیٔ کفر و شرک، سید الموحدین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روبرو اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجلہ صحابہ کرام کی جماعت کے سامنے دوران خطبہ اپنے آپ کو ''عبدالرسول'' کہا۔ اگر عبدالرسول کہنے میں شرک کا ذرہ برابر شائبہ بھی ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر کو اور صحابہ کرام کی مقدس جماعت حضرت فاروق اعظم کو فوراً ٹوکتے کہ آپ نے کیا کہہ دیا؟ عبدالرسول ہونے میں شرک کا شبہہ ہے۔ لہٰذا آپ رجوع اور توبہ کرو، لیکن کسی نے کچھ نہ کہا، بلکہ اجلہ تابعین، مولانا روم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم نے ان روایات کو اپنی معتبر کتابوں میں باعتبار مناقب نقل فرمایا ہے۔ ائمہ ملت اسلامیہ نے ان روایات کی صحت بیان کر کے ان کو روا رکھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر ائمہ ملت اسلامیہ تک کو ''عبدالرسول'' میں شرک کا ذرہ بھر بھی شبہہ نظر نہ آیا۔ لیکن دور حاضر کے منافقین فرقہ وہابیہ، نجدیہ، دیوبندیہ، تبلیغیہ کو شرک کا پہاڑ نظر آ رہا ہے۔ کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر اجلہ ائمہ ملت اسلامیہ تک کسی کو شرک کے معنی اور اس کی اصطلاح کی معلومات ہی

نہ تھی کہ انھوں نے ''عبدالرسول'' ہونے کی مخالفت نہ کی، بلکہ اس کو روا رکھا اور شرک کے معنی اور اس کی اصطلاح کی صحیح تفہیم رکھنے والے اب چودہ سو سال کے بعد ٹپک پڑے؟ فرقہ وہابیہ کے اوسان ایسے خطا ہو گئے ہیں کہ ہر بات میں شرک کی رٹ لگاتے ہیں۔ ان منافقین کے نزدیک توحید الٰہی کا مطلب توہین رسول ہے۔ عظمت و تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر بات کی مخالفت کرنے کے لیے یہ منافقین توحید کی آڑ اور بہانہ لے کر جائز اور مستحب افعال کو بڑی سنگ دلی سے شرک کے پتھر مارتے ہیں۔ لیکن جب اپنے پیشوایان باطل اور جاہل ملاؤں کی عظمت کا معاملہ آتا ہے تو اپنے خودساختہ شرک کے تمام اصولوں کو اپنے لمبے کرتے کی جیب میں ڈال لیتے ہیں۔

وہابی، تبلیغی جماعت کے قطب الارشاد اور خودساختہ امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی کا جب انتقال ہوا تو دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین مولوی محمود الحسن دیوبندی نے مولوی رشید احمد گنگوہی کی شان میں مرثیہ لکھا جو ''مرثیہ گنگوہی'' کے نام سے مشہور ہے۔ جس کا ایک شعر ذیل میں پیش خدمت ہے:

قبولیت اس کو کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

حل لغت:

<u>عبید:</u> عبد کی تصغیر، چھوٹا غلام۔ (فیروز اللغات، ص ۸۹۰)

<u>سود:</u> اسود کی جمع، کالا، سیاہ رنگ کا۔ (المنجد)

اب شعر کا مطلب سنو! مولوی محمود الحسن دیوبندی وہابی جماعت کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی کے مناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے گنگوہی صاحب کی قبولیت اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ان کے کالے رنگ کے ''عبد'' یعنی چھوٹا عبد کی یہ شان ہے کہ باوجود سیاہ فام (کالا) ہونے کے بھی یوسف ثانی کا لقب رکھتا ہے۔ یعنی کالا کلوٹا ہونے کے باوجود

گنگوہی کا کالا دیو' عبد' گنگوہی صاحب کی بدولت وطفیل حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثانی ہے، یعنی حسن و جمال میں وہ یوسف ثانی ہے۔(معاذ اللہ)

اس شعر میں مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے گنگوہی صاحب کے کالے دیو کو گنگوہی کا عبد کہا یعنی عبد گنگوہی یا عبید گنگوہی۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جس نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''فتاویٰ رشیدیہ'' میں عبدالرسول نام کو موہوم شرک لکھا ہے، اسی ملا گنگوہی کے غلام کو عبد گنگوہی لکھ کر دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی محمود الحسن نے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ عبدالرسول میں شرک کے خطرے کی گھنٹی بجانے والے عبدالگنگو ہی کے گھنٹے مور چھل سے اٹھاتے ہیں۔ اب رسول کا معاملہ نہیں کہ شرک کا بے دھڑک فتویٰ صادر کر دیں، اب تو وہابی دیوبندی تبلیغی جماعت کے پیشوا کا معاملہ ہے۔ عبدالرسول میں شرک کا ہم نے اگرچہ فتوی دیا ہے، لیکن عبدالگنگو ہی میں ہم کچھ بھی نہ کہیں گے، ہمارے ملا کی شان وشوکت کا معاملہ ہے۔ بقول شاعر:

الٹی سمجھ کسی کو بھی میرے خدا نہ دے
دے موت آدمی کو پر یہ ادا نہ دے

فرقہ وہابیہ دیوبندیہ کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھنے والے اور اہل سنت و جماعت کے علمائے حق سے کدورت ونفرت رکھنے والے اردو ادب کے مشہور شاعر مومن خاں مومنؔ دہلوی کا تجنیس کامل پر مشتمل ایک شعر پیش خدمت ہے:

صاحب نے اس غلام کو آزاد کردیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

اس شعر میں شاعر یہ کہتا ہے کہ صاحب یعنی مالک نے مجھ غلام کو آزاد کردیا۔ لہٰذا (سلام) لو کہ ہم آپ کی بندگی (نوکری ملازمت) کرنے سے چھوٹ گئے۔ اس شعر میں لفظ بندگی کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ حالاں کہ عام طور پر بندگی کے معنی عبادت اور پرستش لئے

جاتے ہیں، لیکن مذکورہ شعر میں لفظ ''بندگی'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور دونوں مرتبہ اس کے معنی بندگی اور عبادت نہیں، بلکہ پہلی مرتبہ لفظ بندگی ''سلام'' کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ ''ملازمت'' کے معنی میں ہے۔ پتہ چلا کہ ہر لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ اور ہر لفظ کا معنی و مطلب محل وموقع کے اعتبار سے لیا جاتا ہے۔ کبھی معنی حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور کبھی مجاز پر محمول ہوتا ہے۔ اگر صرف ظاہری معنی ہی کا اعتبار کیا جائے تو مومن خاں مومنؔ کے شعر پر بھی گرفت ہوسکتی ہے۔ لیکن مومنؔ خاں فرقہ وہابیہ کے تائید کنندہ اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کے ہمنواؤں میں سے تھے۔ لہٰذا ان کے شعر پر وہابیوں نے سکوت اختیار کر رکھا ہے۔ اگر یہ شعر کسی سنی عالم کا ہوتا تو دور حاضر کے منافقین ضرور اپنا سر پیٹتے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ مومن خاں مومنؔ کا مذکورہ شعر حقیقت و مجاز کے فرق کی بنا پر قابل گرفت نہیں ہے۔

عبدالرسول اور عبدالنبی نام کی مخالفت کرنے والے دور حاضر کے منافقین ایک توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا بھی بندہ اور رسول کا بھی بندہ؟ اس میں مساوات ہے اور جو فعل صفت باری تعالیٰ سے مساوات رکھے وہ بھی شرک ہے۔ عبداللہ اور عبدالرسول میں ان منافقین کو مساوات نظر آتی ہے۔ حالاں کہ عبداللہ اور عبدالرسول کے معنوں میں حقیقت اور مجاز کا فرق ہونے کی وجہ سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن عظمت رسول کے منکرین توحید کی آڑ میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ فرض کرلو کہ اگر ظاہری الفاظ کے مساوی ہونے سے شرک کا حکم نافذ ہوتا ہے تو پھر منافقین کو یہ بھی کہنا پڑے گا کہ معاذ اللہ قرآن مجید میں بھی شرک کی تعلیم دی گئی ہے۔ چند آیات بطور دلیل تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

- قرآن شریف میں ہے کہ:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' (سورۃ فاتحہ، آیت ۱/۲)

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا، بڑا مہربان رحمت والا۔

(کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''رحیم'' مذکور ہوا ہے۔

- قرآن شریف میں ہے کہ:

''وَاللّٰہُ رَؤُوفٌ بِالۡعِبَادِ'' (سورۃ آل عمران، آیت ۳۰)

ترجمہ: اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی مبارک نام ''رؤف'' مذکور ہے۔

- قرآن شریف میں ہے کہ:

''قُلۡ کَفٰی بِاللّٰہِ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ شَہِیۡدًا'' (سورۃ عنکبوت آیت ۵۲)

ترجمہ: تم فرماؤ اللہ بس ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''شہید'' مذکور ہوا ہے۔

قرآن مجید سے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور ایسے صفاتی اسمائے باری تعالیٰ کی ایک فہرست مرتب کی جاسکتی ہے، لیکن یہاں پر صرف تین آیات پر اکتفا کرتے ہوئے یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بیشمار صفاتی نام ہیں، اور ''رحیم، رؤوف، شہید'' یہ تینوں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام ہیں۔ یعنی اللہ رحیم ہے، اللہ رؤوف ہے اور اللہ شہید بھی ہے۔ اب ہر بات میں شرک کا واویلا مچانے والے دورِ حاضر کے منافقین اپنا دل وجگر تھام کر قرآن مجید کی ایک آیت مقدسہ سنیں۔

- قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

''لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَؤُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ'' (سورۃ توبہ، آیت ۱۲۸)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان۔

(کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''رؤوف اور رحیم'' فرما رہا ہے۔

- قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

''فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا''

(سورۃ نساء، آیت ۴۱)

ترجمہ: تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔ (کنز الایمان)

مذکورہ پانچ آیات قرآنی سے حسب ذیل نتیجہ اخذ ہوا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ: رحیم ہے، رؤوف ہے، شہید ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: رحیم ہیں، رؤوف ہیں، شہید ہیں۔

اللہ بھی رحیم اور اللہ کا محبوب بھی رحیم، اللہ بھی رؤوف اور اللہ کا رسول بھی رؤوف، اللہ بھی شہید اور اس کا حبیب بھی شہید، یہ کسی کے گھر کی من گڑھت بات نہیں، بلکہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ جو لوگ عبد النبی اور عبد الرسول نام کے معاملے میں شرک کے پتھر مارتے ہیں وہ لوگ یہاں پر لگتا ہے کہ شرک کے فتوے کی مشین گن ہی چلا دیں گے۔ عبد اللہ اور عبد الرسول میں مساوات کا رونا رونے والے اللہ بھی رحیم اور رسول بھی رحیم کے غم میں اپنا سینہ نہ کوٹیں تو اچھا، یہاں تو دور حاضر کے منافقین کو کھلم کھلا شرک نظر آتا ہوگا۔ شرک کی بابت ان کے خود ساختہ ضوابط کے تحت شرک ہی شرک دکھائی دیتا ہوگا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ حقیقت اور مجاز کا فرق، ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھ کر دیکھا جائے تو اس میں شرک کا شائبہ بھی نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ صرف توحید اور خالص توحید کا ہی دیدار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بھی رحیم اور اللہ کا محبوب بھی رحیم، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو قرآن سے ثابت ہے۔ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اللہ کے رحیم ہونے میں

اور اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رحیم ہونے میں فرق عظیم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ رحیم ہے وہ ذاتی ہے اور اللہ کے محبوب رحیم ہیں وہ عطائی ہیں، اللہ کی عطا سے ہیں۔ اب نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ حقیقی اور ذاتی رحیم اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنی عطا سے رحیم بنایا۔ معاملہ بالکل صاف۔ ذاتی وعطائی اور حقیقت ومجاز کا فرق اگر سمجھ میں آ گیا تو توحید ورسالت کے تعلق سے تمام مسائل بہ آسانی سمجھ میں آ جائیں گے اور نور ایمان حاصل ہوگا۔ ورنہ دور حاضر کے منافقین کی مانند شرک کے بھنور میں پھنسے تو نور ایمان سے محروم ہونا پڑے گا۔ اللہ کے رحیم ہونے اور رسول کے رحیم ہونے میں ذاتی وعطائی کا جو فرق ہے اس کو ذہن نشیں رکھتے ہوئے عبداللہ اور عبدالرسول کا فرق بہ آسانی سمجھ میں آ جائے گا اور کسی قسم کا شک اور تردد باقی نہ رہے گا۔

ایسی تو کئی مثالیں قرآن مجید سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً: اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین ہے۔ ''رب'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ لیکن قرآن شریف میں ماں باپ کو بھی رب کہا گیا ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ ''وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا'' (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۴) صرف اشارہ کرتے ہوئے اس آیت کا ذکر کیا ہے اس کی زیادہ تفصیلی بحث نہیں کرسکتا۔ اللہ رب ہے اور بیشک وہ ذاتی ہے اور حقیقی رب ہے یعنی پالنے والا ہے۔ اور ماں باپ رب کی عطا سے مجازی وعطائی رب یعنی اولاد کو پالنے والے ہیں۔ اسلام کا دائرۂ ایمان وعمل وسیع ہے۔ لیکن افسوس کہ دور حاضر کے کورچشم وخبیث باطن منافقین اسلام کا دائرہ تنگ کرنے کی غرض سے ایسے ایمانی مسائل میں تنگ نظری سے کام لے کر ہدایت کے بجائے ضلالت وگمراہی کی تبلیغ کر کے ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک لفظ کے متفرق معنی ہوتے ہیں۔ فرق معنی کی وجہ سے مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا لفظ کے معنی ومطلب پر بنظر عمیق سوچ کر بعد میں حکم بیان کرنا

چاہیئے ۔اوراس کام کے لیے وسیع علم درکار ہے۔علماء ومفتیان کرام کا یہ کام ہے،لیکن دورحاضر میں تبلیغی جماعت میں دو چلے کر لینے والا جاہل بلکہ اجہل اپنے آپ کو علامہ سمجھ کر جاہلانہ تفسیر و تشریح کرتا پھرتا ہے۔خودتو گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔قارئین کرام کی خدمت میں فرق معنی کی ایک مثال پیش ہے۔عام طور پر مسلمان کو مومن کہا جاتا ہے۔عوام و خواص سب بولتے ہیں کہ پیارے مومن بھائی۔اگرکوئی یہ کہے کہ میں مومن ہوں تواس سے یہ مراد لی جائے گی ’’میں مسلمان‘‘ ہوں،الحاصل مسلمان کا ایک نام مومن بھی ہے۔

● قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’وَلَعَبْدٌ مُّؤمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ‘‘ (سورۃ البقرۃ،آیت ۲۲۱)

ترجمہ: اور بے شک مسلمان غلام شرک سے اچھا ہے۔ (کنزالایمان)

قرآن شریف کی اس آیت میں مسلمان کو’’مومن‘‘ کہا گیا ہےاورایک اورآیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کریں۔

● قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’هُوَاللّٰهُ الَّذِىْ لَآاِلٰهَ اِلَّاهُوَالْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ المُؤمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ‘‘ (سورۃ الحشر،آیت ۲۳)

ترجمہ: وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ،نہایت پاک ،سلامتی دینے والا ،امان بخشنے والا،حفاظت فرمانے والا،عزت والا ،عظمت والا ،تکبر والا۔(کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے لفظ’’مومن‘‘ وارد ہے۔اب ذرا سوچو سورۂ بقرہ کی آیت میں مسلمان کو’’مومن‘‘ کہا گیا ہےاورسورۂ حشر کی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے لفظ’’مومن‘‘ استعمال ہےیعنی مسلمان بھی مومن اوراللہ بھی مومن۔کیا دورحاضر کے منافقین یہاں پر بھی شرک کا فتویٰ لگائیں گے۔حالاں کہ تبلیغی جماعت والے اپنے کو مومن

کہتے ہیں۔تو ان حضرات کو متنبہ کرنا ضروری ہے کہ جناب! اپنے آپ کو مومن مت کہا کرو۔ مومن تو اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ یہ تو شرک ہوگیا۔تم بھی مومن اور اللہ تعالیٰ بھی مومن۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ مومن کی نسبت جب مسلمان کی طرف کی جائے گی تو اس کا معنی ہوگا ''ایمان لانے والا، یا ایماندار''۔لیکن جب لفظ مومن کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کی جائے گی تو اس کا مطلب ہوگا ''امان بخشنے والا یا امان دینے والا'' اب یہاں شرک کے احتمال کی بھی گنجائش نہ رہی۔ بظاہر لفظ مومن دونوں جگہ استعمال ہوا ہے۔لیکن دونوں کے معنی اور مطلب میں عظیم فرق ہونے کی وجہ سے کوئی تنازع پیدا نہیں ہوا۔اسی طرح عبداللہ اور عبدالرسول میں دونوں ''عبد'' اعراب وحروف کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے فرق ہے۔ لہٰذا یہاں بھی کوئی تنازع یا اعتراض کا سوال پیدا نہیں ہوتا، لفظ عبد کی نسبت جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کی جائے گی تو عبد کے معنی عبادت کرنے والا، یا پرستش کرنے والا ہوں گے اور جب لفظ عبد کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کی جائے گی تو عبد کے معنی خادم، غلام، اطاعت کرنے والا، وغیرہ ہوں گے۔

الحاصل! عبداللہ کے معنی اللہ کی عبادت کرنے والا اور عبدالرسول کے معنی رسول کی غلامی اختیار کرنے والا، اب اس کے بیچ میں شرک کہاں سے آگیا؟ یہ سب خرافات اور ذہنی اُپج دور حاضر کے منافقین کی ہیں اور پس پردہ عظمت رسول کا انکار مقصود ہے۔

خیر! حضرت رضؔا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے شعر میں فرماتے ہیں کہ ''میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا'' یعنی قرآن شریف سورۂ زمر میں ہم سب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بندہ قرار دیا گیا ہے اور اس کا اقرار واعتراف حضرت رضا فرمارہے ہیں کہ بندہ ہوں شاہ کا۔حضرت رضا نے اپنا نام عبدالمصطفیٰ رکھ لیا تھا۔ جہاں بھی آپ دستخط فرماتے یا اپنا نام لکھتے تھے تو عبدالمصطفیٰ احمد رضا لکھتے تھے۔ بلکہ آپ کی مہر جو فتوے میں لگائی جاتی تھی، اس میں بھی عبدالمصطفیٰ احمد رضا کندہ تھا۔یعنی حضرت رضا نے صرف زبانی اقرار اور قولی طور پر ہی

نہیں، بلکہ عملی طور پر بھی اپنے آپ کو شاہ کا بندہ ثابت کر دکھایا۔لیکن حضرت رضا بریلوی کی تمنا یہ ہے کہ بارگاہ رسالت سے بھی اگر اس کا تمغہ عطا ہو جائے کہ یہ ہمارا بندہ ہے اور وہ تمغہ صرف ''ہوں'' فرما دینے سے حاصل ہو جائے گا اور سرکار کی صرف ''ہوں'' سے میرے بندۂ نبی ہونے پر مہر توثیق ثبت ہو جائے گی اور اس مہر کے طفیل دخول جنت کا پروانہ مل جائے گا۔

حضرت رضا بریلوی نے بارگاہ رسالت کے گستاخوں کو للکارتے ہوئے فرمایا ہے:

یاعبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے   اپنا بندہ کرلیا پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض   ہم ہیں عبد مصطفیٰ پھر تجھ کو کیا
تیری دوزخ سے تو کچھ چھینا نہیں   خلد میں پہنچا رضاؔ پھر تجھ کو کیا

❁……❁……❁

(91)

نور و بنت نور و زوج نور و ام نور و نور
نور مطلق کی کنیز اللہ دے لہنا نور کا

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۱۸)

حل لغت:

بنت: لڑکی، دختر، جمع، بنات۔

(فیروز اللغات، ص ۲۱۶ ☆ لغات کشوری، ص ۱۰۵ ☆ کریم اللغات، ص ۲۵)

زوج: جفت، جوڑا، بیوی خاوند میں سے کوئی ایک، شوہر، وہ عدد جو بغیر کسر کے نصف ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۷۵۳ ☆ لغات کشوری، ص ۳۵۵ ☆ کریم اللغات، ص ۸۵)

ام: ماں، والدہ، مادر، مائی، جمع امہات۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۰ ☆ لغات کشوری، ص ۵۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶)

مطلق: آزاد، بے قید، بالکل، قطعی، مثلاً: آزاد قطعی، قرآن شریف کی وہ آیت جہاں ٹھہرنا چاہیئے، قید سے رہا کیا گیا، رونق کیا گیا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۵۹ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۴ ☆ کریم اللغات، ص ۱۵۹)

کنیز: لونڈی، باندی، کبھی بمعنی کنواری لڑکی کے بھی آیا ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۱۰۳۸ ☆ لغات کشوری، ص ۶۰۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۱)

لہنا: قسمت، نصیب، بھاگ، بخت، بہرہ، فائدہ، نفع، حاصل۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۷۲)

پہلی مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''خاتون جنت فاطمۃ الزہراء'' رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

دوسری مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''حضور اقدس'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

تیسری مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''حضرت مولیٰ علی مشکل کشا'' کرم اللہ وجہہ

الکریم ہیں۔

چوتھی مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''حضرت سیدنا امام حسن'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

پانچویں مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''حضرت سیدنا امام حسین'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

چھٹی مرتبہ لفظ ''نور'' سے مراد ''اللہ تبارک وتعالیٰ'' جل جلالہٗ ہے۔

ساتویں مرتبہ لفظ ''نور'' کا مطلب ''نور یعنی چمک، روشنی'' وغیرہ ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں جگر پارۂ مصطفیٰ، خاتون جنت سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء صلی اللہ تعالیٰ علےٰ ابیہا وعلیہا کی شان میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لفظ ''نور'' کا سات مرتبہ استعمال فرمایا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ وہ نور ہیں، نور کی بیٹی ہیں، نور کی بیوی ہیں، دو نور کی والدہ ہیں، نور کی کنیز ہیں، ان کے طفیل اور صدقہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہم غلاموں کو بھی نور سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

- اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے جو نور کی بندش کی ہے، وہ قابل صد تحسین و آفرین ہے۔ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نور کہا۔ وہ نور ہیں اور یقیناً نور ہیں کیوں کہ ان کے متعلق مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ ارشاد جو حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

''فَاطِمَةُ بُضعَةٌ مِنِّی'' یعنی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔

لہٰذا متعدد محدثین امام سبکی، امام سیوطی، امام زرکشی اور امام مناوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تصریح کی ہے کہ ''آپ تمام خواتین حتی کہ حضرت مریم سے بھی افضل ہیں۔'' وہ فاطمہ جو اپنے ابا جان کے لیے راحت جان ہیں وہ غیر موجود ہوتیں تو پیارے آقا بے چینی محسوس کرتے اور

جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں تو مسرور ہوتے۔ اپنی پیاری بیٹی سے پیارے آقا و مولیٰ کو ایسا لگاؤ تھا کہ سفر پر جاتے اور سفر سے آتے وقت یعنی رخصت و آمد دونوں اوقات میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ اس کے بعد ہی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ ازواج میں سے کسی نے اظہار رشک کیا تو آپ نے فرمایا:

''اَنَّ فَاطِمَةَ الزَّھرَآء اَحَبُّ اَھْلِ بَیْتِیْ اِلَیَّ''

یعنی فاطمہ زہراء مجھے تمام گھر والوں سے زیادہ محبوب ہے۔

- وہ بنت نور یعنی نور کی بیٹی اپنے والد محترم کی برکت و تربیت کی وجہ سے سراپا زہد و تقویٰ کا پیکر جمیل تھیں اور ان کے اخلاق و عادات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی جھلک تھی۔

محبوبۂ محبوب رب العٰلمین ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے بیٹھنے، اٹھنے، چال، ڈھال اور برتاؤ میں فاطمہ سے بڑھ کر حضور کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔'' (ترمذی، باب فضل فاطمہ)

- حضرت رضا بریلوی نے آپ محترمہ، مخدومہ معظّمہ کو نور اور بنت نور کہنے کے بعد زوج نور یعنی نور کی اہلیہ کے وصف سے متصف فرمایا ہے۔ جس سے مراد سید السادات حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پاک ہے۔ جن کے فضائل و مناقب کا کتنا ہی بیان کیوں نہ ہو لیکن کماحقہٗ ادا نہیں ہوسکتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے:

''اَلنَّظَرُ اِلٰی عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ'' یعنی علی کو دیکھنا عبادت ہے۔ (الشرف المؤبد، ص ۴۸)

غدیرخم نامی ایک مقام پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوۡلَاہُ''

ترجمہ: جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ (الشرف المؤبد، ص ۴۸)

● شعر کے مصرع اول کے آخر میں ''ام نور و نور'' یعنی نور اور نور کی والدہ دو نور کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے مراد حضرت سیدنا امام حسن اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ اور ان دونوں کے مناقب سے تمام کتب احادیث و سیر بھری ہوئی ہیں۔

ان دونوں کے متعلق مالک کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ الۡحَسَنَ وَالۡحُسَیۡنَ ھُمَا رَیۡحَانَتَایَ''

ترجمہ: حسن اور حسین دنیا میں میرے پھول ہیں۔ (ذخائر العقبیٰ)

● دوسرے مصرع کی ابتداء میں ''نور مطلق کی کنیز'' آیا ہے۔ یہاں نور مطلق سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

''اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوَاتِ وَالۡاَرۡضِ''

ترجمہ: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ (سورۃ نور، آیت ۳۵)

اب پورے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء نور ہیں، نور (حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی صاحبزادی ہیں، نور (حضرت علی) کی زوجہ ہیں، نور (حضرت امام حسن) اور نور (حضرت امام حسین) کی والدہ ہیں اور نور مطلق (اللہ تعالیٰ) کی پاکیزہ بندی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام نفوس قدسیہ کے طفیل میں ہم غلاموں کو بھی نور ایمان و نور دنیا و آخرت سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

(92)

جس مسلماں نے دیکھا انھیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

نظر: بغور دیکھنا، نگاہ، آنکھ، بصارت، غور، تأمل، فکر، نگرانی، دیکھ بھال، تمیز، معائنہ، تخمینہ، جانچ، پرکھ، توجہ، مہربانی، امید، شناخت، اندازہ، بھوت پریت کا اثر، آسیب۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۶۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۷۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۴)

بصارت: نظر، بینائی، آنکھ کی روشنی۔

(فیروز اللغات، ص۲۰۵ ☆ لغات کشوری، ص۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۲۴)

ایک نظر دیکھنا: ایک بار، یا سرسری نظر سے دیکھ لینا۔ (فیروز اللغات، ۱۴۹)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''نظر'' کا مطلب ''دیکھنا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''نظر'' کا مطلب ''آنکھ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت پر تہنیت وسلام کے نذرانے اور خراج عقیدت پیش کررہے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''نظر'' دو مرتبہ آیا ہے۔ دونوں اسم ہیں، لیکن دونوں کے معنی جدا ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ نظر ہے اس کا مطلب دیکھنا ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ نظر آیا ہے اس کا مطلب آنکھ ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ نظر

ہےاس کا لغوی معنیٰ ''بغور دیکھنا'' ہے،لیکن اس کے ساتھ ''اک'' کی اضافت کردینے سے وہ محاورہ بن گیا اوراس کا مطلب ہوگا ایک بار دیکھنا یا سرسری طور پر دیکھ لینا،حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کو بہتوں نے دیکھا ہے،لیکن ہر دیکھنے والا اسلام کے نذرانے کا حقدار نہیں۔ ابوجہل،ابولہب،ولید بن مغیرہ،عبداللہ بن ابی منافق وغیرہ رؤسائے مشرکین نے بھی دیکھا۔ لیکن ایمان کی حالت میں نہ دیکھا تھا۔اسی لیے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے مطلق دیکھنا نہ فرمایا، بلکہ دیکھنے کے ساتھ مسلمان کی قید لگائی اور یہ فرمایا کہ جس مسلمان نے دیکھا،کس کو؟ انہیں،یعنی آفتاب نبوت و ماہتاب رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو،کتنا دیکھا؟ بہت خوش نصیب حضرات نے تو اس چہرۂ مقدس کا نظارہ مدتوں کیا۔مثلاً: حضرت سیدنا ابوبکر صدیق،سیدنا فاروق اعظم،حضرت عثمان غنی،حضرت مولیٰ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔لیکن ایمان کی حالت میں اس چہرۂ منور کوصرف ایک نظر ہی دیکھ لینا صحابیت کے مرتبہ پر فائز ہونے کے لیے کافی ہے۔شرعی اصطلاح میں صحابی کی تعریف یہ ہے کہ ہروہ انسان،مرد ہو یا عورت جس نے ایمان کی حالت میں ایک مرتبہ اللہ کے محبوب حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیدار کیا اور ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا وہ صحابی ہے۔ اس چہرۂ جہاں آراء کا نظارہ بھی کتنی اہمیت و وقعت رکھتا ہے،ایک مرتبہ جس کے نظارے سے انسان بعدالانبیاء اس عالی مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے،جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی انسان بلکہ کوئی مخلوق بھی نہیں کرسکتی ۔ کائنات کے تمام عابدوزاہد، عالم و عامل،غوث و قطب، ابدال، صالحین،سالکین اوراولیاء وغیرہم میں سے چاہے وہ کتنے ہی بلندمرتبہ پر فائز ہو،کسی بھی صحابی کے مقام ورتبہ کونہیں پہنچ سکتا۔

- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو،قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے:

''لَوْ اَنَّ اَحَدَ کُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَاۤاَدْرَکَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَا نَصِیْفِہٖ''

ترجمہ: اگرتم میں سے کوئی احد پہاڑ کی مقدار سونا خرچ کرلے تو بھی وہ صحابی کے خرچ کئے ہوئے مد بلکہ نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (ترمذی، باب ماجاء فی فضل من رأی النبی)

نوٹ: مُد ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کون افضل ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ جس گھوڑے پر سوار ہوکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوتے تھے اس گھوڑے کی ناک کا غبار عمر بن عبدالعزیز سے ہزار بار افضل ہے۔

اندازہ کیجئے کہ اس جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو صرف دیکھنے سے بھی کتنا عظیم مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے۔ ایک مثال پیش خدمت ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص زمانۂ نبوی میں دست اقدس پر اسلام لایا اور قبول اسلام کے بعد اسے کوئی موقع ہی نہ ملا کہ وہ کوئی عبادت کرے، اس کا دفعتاً انتقال ہوگیا، پھر بھی وہ درجۂ صحابی حاصل کرچکا ہے۔ اس کا درجہ اس شخص سے ہزار ہا گنا بلند ہے جو صحابی نہیں، گرچہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس نے عبادت و ریاضت میں ہی کیوں نہ صرف کیا ہو۔ پتہ چلا کہ ایک عابد کی عمر بھر کی عبادت وہ درجہ نہیں دلاسکتی جو درجہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو ایک بار بحالت ایمان دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے تو رفیق غار خیر البشر بعد الانبیاء امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دنیا کی جو تین چیزیں پسند فرمائیں ان میں سے سب سے پہلی چیز چہرۂ اقدس کو دیکھنا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلَاثٌ النَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ“

یعنی مجھے دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں (ان میں سے ایک) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھنا۔ (منبہات ابن حجر، ص۲۱، باب ثالث)

اس چہرۂ اقدس کا جمال جہاں آراء ایسا دلکش تھا کہ جس نے اس کو ایک بار دیکھا وہ اس پر فریفتہ ہو گیا، چنانچہ اسلام کے سب سے بڑے اور کھلے دشمن ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ عجیب و حیرت انگیز ہے۔ حضرت عکرمہ بڑے خوبصورت جوان تھے۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس خیال سے ہمیشہ دور رہا کرتے تھے کہ جس نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ لیا، یا جسے وہ دیکھ لیں تو وہ اپنے دین پر قائم نہیں رہتا، ایک مرتبہ اتفاقاً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کا سامنا ہو گیا اور حضرت عکرمہ کی نظر آقا کے چہرے پر پڑ گئی، حضرت عکرمہ گھبرائے۔ دوڑتے ہوئے گھر آئے، لیکن آنکھوں کے سامنے اسی چہرۂ اقدس کا جلوہ نمایاں ہے۔ حضرت عکرمہ نے اس چہرۂ اقدس کو بھولنے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ گھبرا کر اپنے بت کے پاس آئے، لیکن وہی حالت بدستور قائم رہی۔ مجبور ہو کر خودکشی کرنے کے لیے دریا کے پاس گئے، لیکن دریا نے انہیں غرق نہ کیا تو وہ یمن بھاگ گئے۔ حضرت عکرمہ کی بیوی ام حکیم بنت حارث جو مسلمان ہو چکی تھیں۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت عکرمہ کے لیے امان حاصل کر لی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ جب یمن سے واپس آئے تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(مدارج النبوۃ، جلد۲، ص۲۹۸)

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں خودکشی کرنے کے لیے پانی میں چھلانگ لگاتا تو کوئی مجھے پکڑ لیتا اور میرے کان میں یہ آواز آتی کہ اے عکرمہ! اب تو مشرف بہ اسلام ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، کیوں کہ محبوب خدا سے تیری آنکھیں چار ہوئی ہیں۔

(جامع المعجزات، مطبوعہ مصر)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کا شمار اکابر علمائے یہود میں ہوتا تھا۔ صرف ایک نظر حضو کا چہرۂ اقدس دیکھا اور کلمہ پڑھ لیا۔ (ترمذی، ص ۱۷)

حضرت رضاؔ بریلوی تمام صحابہ کی خوش قسمتی کو سراہتے ہوئے ان کی نظروں کی بصارت یعنی آنکھوں کی بینائی پر لاکھوں سلام بھیج رہے ہیں۔

❁......❁......❁

(93)

بد کار رضاؔ خوش ہو بد کام بھلے ہوں گے
وہ اچھے میاں پیارا اچھوں کا میاں آیا

حل لغت:

بدکار: برے کام کرنے والا، فاسق، بدچلن، بدکردار، بدفعل، اوباش یعنی لچا، بدمعاش۔

(فیروز اللغات، ص ۱۸۷☆ لغات کشوری، ص ۶۹/۸۹☆ کریم اللغات، ص ۲۳۸)

بھلے: تانیث، بھلی، اچھا، اچھی۔ (فیروز اللغات، ص ۲۳۸)

اچھا: برا کی ضد، بہتر، مناسب، ٹھیک، درست، تندرست، بے روگ، بہت خوب، مبارک، مسعود، نیک، مفید، سزاوار، موافق، بے ڈھنگ، بے ڈھب، افضل، اعلیٰ، تسلی، اطمینان، دیکھا جائے گا، (برائی کے لیے) سمجھے، سن لیا (تاکید کے لیے) اجازت ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۷۱)

میاں: امیراں بمعنی سردار کا مخفف، آقا، والی، وارث، خداوند، مالک، سرکار، حضور، حاکم، صاحبزادہ، بیٹا، خاوند، شوہر، خصم، جناب، جناب عالی، یار، دوست، بھائی، استاذ، معلم، مدرس، پڑھانے والا، شہزادہ، صاحب علم، امیر زادہ، کنور، پہاڑی راجاؤں کے خاندان کے لوگ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۲۵)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''میاں'' سے مراد ''حضرت آل احمد اچھے میاں'' ہیں۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''میاں'' کا مطلب ''آقا، سردار'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شمس الملت والدین، قطب الکاملین، حضرت سید شاہ ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اپنا قلبی وروحانی لگاؤ اوران کی دستگیری وخبر گیری پر اعتماد کامل کا اظہار فرمایا ہے۔
اس شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ ''میاں'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''میاں'' اسم ہیں، لیکن دونوں الگ الگ معنی کے حامل ہیں۔ لہٰذا یہ شعرار دو ادب کی صنعت تجنیس کامل مماثل کا مثالی شعر ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ میاں ہے وہ ''امیراں'' کا مخفف ہے۔ اوراس سے مراد ''حضرت آل احمد اچھے میاں'' مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''میاں'' ہے اس کا معنی آقا اور سردار ہے۔ شعر کا لغوی اعتبار سے ظاہری معنی یہ ہوا کہ اے بدکار رضاؔ! خوش ہوجا، تیرے تمام برے کام اچھے اور نیک کاموں میں تبدیل ہوجائیں گے، کیوں کہ تیری حمایت ونصرت فرمانے والے اچھوں کے سردار وآقا، حضرت آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ آپہنچے ہیں۔ ان کے طفیل اوران کی نگاہ کرم کے صدقے تیرے تمام برے کام اچھے ہوجائیں گے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خود کو بدکار یعنی برے کام کرنے والا کہا ہے۔ اپنے آپ کو گنہگار کہنا بزرگوں کی تواضع اور از راہ انکساری ہے۔
نیک اور صالح لوگ اپنی نیکی اور پرہیز گاری کا کبھی ڈھنڈورانہیں پیٹتے، بلکہ وہ اپنی نیکیوں کو چھپاتے ہیں اوراز راہ تواضع وانکساری اپنے آپ کو گنہگار، سیاہ کار، بدکار وغیرہ عیوب سے متصف کرتے ہیں۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام ''معصوم'' ہیں۔ ان مقدس حضرات سے گناہ صادر نہیں ہوتے، بلکہ ان سے گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں۔ وہ تمام نفوس قدسیہ گناہ و

معاصی سے پاک اور منزہ تھے۔ اس کے باوجود وہ حضرات ازراہ تواضع اور انکساری بارگاہ خداوندی میں توبہ واستغفار کرتے تھے۔ سید الانبیاء والمرسلین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توبہ واستغفار کی تلقین فرمائی ہے اور دل کی صفائی کے لیے اسے مجرب فرمایا ہے۔ آپ نے صرف توبہ واستغفار کی تلقین ہی نہیں فرمائی، بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر عمل بھی فرمایا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت اغر مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنِّی لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی الْیَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ''

ترجمہ: بلاشبہ میں ضرور اللہ تعالیٰ سے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

قرآن مجید میں اولوالعزم انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توبہ واستغفار کا ذکر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر اس طرح ہے:

''قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ'' (سورۃ اعراف، آیت ۲۳)

ترجمہ: دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے! ہم نے اپنے آپ برا کیا، تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔ (کنزالایمان)

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ رب العالمین میں عرض کی:

''رَبِّی اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ'' (سورۃ ہود، آیت ۴۷)

ترجمہ: اے رب میرے! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں۔ (کنزالایمان)

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رب رحیم وکریم کی بارگاہ میں عرض کی:

”لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ سُبۡحَانَكَ اِنِّی كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ“(سورۃ الانبیاء، آیت ۸۷)

ترجمہ: کوئی معبود نہیں سوا تیرے، پاکی ہے تجھ کو، بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔

(کنزالایمان)

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قرآن مجید میں بیان ہے:

”وَظَنَّ دَاؤدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ“

(سورۃ ص، آیت ۲۴)

ترجمہ: اب داؤد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی، تو اپنے رب سے معافی مانگی، اور سجدہ میں گر پڑا اور رجوع لایا۔ (کنزالایمان)

<u>نوٹ:</u> اس آیت کی تلاوت پر ”سجدۂ تلاوت“ واجب ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ سجدۂ تلاوت ادا فرمالیں۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تواضع وانکساری کی اتباع کرتے ہوئے ملت اسلامیہ کے جلیل القدر اولیائے کاملین نے عرصہ دراز تک سخت محنت ومشقت کی عبادات کرنے کے باوجود اپنے آپ کو گنہگار، سیہ کار اور بدکار ہی کہا اور ہمہ وقت خوف خدا سے لرزتے رہے اور توبہ واستغفار میں مشغول رہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اپنے ان آقاؤں کی سنت وطریقہ پر عمل کرتے ہوئے خود کو بدکار فرمارہے ہیں اور ایک اہم نکتہ تصوف کی طرف بھی التفات کریں تو یہ عقدہ کھل جائے کہ بزرگان دین نے اپنے آپ کو گنہگار، بدکار، کیوں کہا؟ تصوف اور راہ سلوک کا ایک اہم نکتہ یہ ہے:

- ”حَسَنَاتُ الۡاَبۡرَارِ سَیِّئَاتُ الۡمُقَرَّبِیۡنَ“

ترجمہ: ابرار کی نیکیاں مقربین کے حق میں گناہ ہوتی ہیں۔

مقربین سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے دولت ایمان کی سلامتی کے ساتھ طاعت وریاضت اور ملت اسلامیہ کی علمی و عملی خدمات میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ خرچ کر کے اللہ اور رسول کا قرب حاصل کرلیا ہو۔ ان حضرات کے نزدیک بعض وہ کام جو بظاہر جائز اور ثواب ہیں وہ کام بہ تقاضائے عشق حقیقی اپنے حق میں ناروا اور نامناسب جانتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر شہر کے بازار میں آگ لگ گئی اور اکثر دکانیں جل جائیں، لیکن کسی کی دکان جلنے سے محفوظ رہ جائے تو وہ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے از راہ تشکر الحمدللہ کہے تو یہ اس کے لیے شکران نعمت ہے اور ثواب کا حقدار ہے۔ آگ سے اپنی دوکان کے محفوظ رہنے پر الحمدللہ کہنا یقیناً جائز اور روا ہے، لیکن بارگاہ الٰہی کے مقربین کے لیے؟

حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس زمانہ میں تجارت کرتے تھے، اس دور میں ایک مرتبہ بغداد کے بازار میں آگ لگنے کی وجہ سے تمام دوکانیں جل گئیں۔ لیکن حضرت سری سقطی کی دوکان جلنے سے محفوظ رہی۔ کسی نے ان کے گھر جا کر خبر دی کہ آپ کی دوکان جلنے سے محفوظ رہی اس پر آپ نے فوراً الحمدللہ فرمایا۔ حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس شکر بجالانے پر تیس سال سے استغفار کرتا ہوں کہ میں نے دنیا کی سلامتی پر شکر کیا۔

(تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۳۷ اور سالک السالکین، جلد ۱، ص ۲۹۲)

کسی کو کوئی تازہ شاداب اور خوش ذائقہ پھل میسر ہو اور وہ شخص اس پھل کو خدا کی نعمت ہونے کی وجہ سے پھل کی تعریف کرے تو اس میں یقیناً کوئی گناہ نہیں۔ لیکن حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ آپ کے ہاتھ میں ایک سیب تھا۔ آپ نے اس کی جانب نگاہ کی اور فرمایا کہ یہ ایک لطیف سیب ہے۔ اسی وقت غیب سے ندا ہوئی کہ اے بایزید ہمارا نام سیب پر لیتا ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ پھر چالیس روز تک خدا کا نام

آپ کے دل سے فراموش رہا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا بسطام کا میوہ نہ کھاؤں گا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

بارہا کا تجربہ ہے کہ کسی بیمار پر سورۂ فاتحہ یا دیگر آیات قرآنی پڑھ کر دم کر دیا جائے تو بیماری سے شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ فعل یقیناً جائز اور قرآن و حدیث سے اس کا جواز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

''وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ''

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۲)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ (کنز الایمان)

احادیث میں سورۂ فاتحہ کی فضیلت میں ارشاد ہے کہ تمام بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ کتب تفاسیر میں سورۂ فاتحہ کے کئی نام مذکور ہیں۔ اس میں سے ایک نام ''سورہ شفا'' ہے۔ یعنی تندرستی بخشنے والی سورہ۔

الحاصل! بیمار پر آیت قرآنی پڑھ کر دم کرنا مستحسن ہے۔ لیکن حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز آپ کو جسم میں درد ہو رہا تھا۔ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم فرمایا، ہاتف غیب نے آواز دی کہ کیا تمھیں شرم نہیں آتی کہ ہمارے کلام کو اپنے نفس کے لیے استعمال کرتے ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص۲۹۰)

خلاصہ یہ کہ جن مقربین کے دل عشق خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے لبریز ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا و مافیہا سے ادنیٰ لگاؤ اور التفات بھی ناروا ہوتا ہے اور وہ حضرات ان امور کو اپنے لیے بدکاری سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت سری سقطی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نیک کردار لوگوں کے دل

خاتمیت کے ساتھ معلق ہیں اور مقربین کے دل سابقیت کے ساتھ معلق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکوکاروں کی نیک نامی مقربین کی برائیاں ہیں۔'' (تذکرۃ الاولیاء، ص۲۳۷)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار بھی ملت اسلامیہ کے اولیاء مقربین میں ہوتا ہے، بلکہ آپ اپنے عہد کے سرتاج الاولیاء کی حیثیت سے مجدد اعظم کے منصب پر فائز تھے۔ لیکن آپ میں تکبر، غرور، اور انانیت کا شائبہ بھی نہ تھا، بلکہ حد درجہ متواضع و منکسر المزاج تھے۔ اور اسی لیے خود ''بدکار رضا'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔ حضرت رضا بریلوی کو اپنے برکاتی آقا حضور اچھے میاں کے تصرفات وعنایات پر اتنا کامل بھروسہ ہے کہ فرماتے ہیں بدکام بھلے ہوں گے۔ یعنی اے رضا! خوش ہوجا، تیرے جو برے کام ہیں وہ بطفیل حضرت اچھے میاں مارہروی بھلے ہوجائیں گے۔ یہاں آپ نے لفظ ''بھلا اور اچھا'' کی جو مساوات ہے، اس کا ایک نفیس انداز میں استعمال فرمایا ہے۔ اور ''بھلے کام'' بطفیل حضرت اچھے میاں اتنے اچھے پیرائے میں بیان کیا کہ اس انداز نے شعر کو اچھوتا بنادیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے بدکام کے بھلے ہونے کا جو یقین ظاہر کیا ہے وہ ایک حقیقت ہے۔ ملت اسلامیہ کے اولیائے کاملین اور خصوصاً حضور پیران پیر غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں کہ بڑے بڑے گنہگار، چور اور ڈاکو جب آپ کی خدمت میں آئے تو آپ کی صرف ایک توجہ نے ڈاکو کو ابدال بنادیا اور ان کے گناہ نیکیوں میں تبدیل ہوگئے۔ حضور اچھے میاں مارہروی اس مقدس خاندان برکات کے فرد اور سلسلہ برکاتیہ کے پیر طریقت ہیں کہ جس خاندان اور سلسلہ صوفیت پر حضور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص فیضان ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میرا مرید اچھا نہیں تو کیا ہوا، میں تو اچھا ہوں۔ جلال پروردگار کی قسم! جب تک میرے مرید جنت میں نہیں چلے جائیں گے، میں بارگاہ خداوندی سے نہیں ہٹوں گا اور اگر مشرق میں میرے مرید یا نام لیوا کا

گناہ ظاہر ہوگا اور میں مغرب میں ہوں گا تب بھی اس کی حفاظت کا ضامن ہوں گا اور اس کی عیب پوشی کروں گا۔

''لَوِانْ کَشَفَتْ عَوْرَۃُ مُرِیْدِیْ بِالْمَشْرِقِ وَاَنَا بِالْمَغْرِبِ لَسَتَرْتُھَا''

یعنی اگر میرے مرید کا ستر مشرق میں کھل جائے گا اور میں مغرب میں ہوں پھر بھی اس کے ستر کو ڈھانک دوں گا۔

شعر کے دوسرے مصرع میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ'' وہ اچھے میاں پیارا اچھوں کا میاں آیا''۔یعنی میری نصرت وحمایت کے لیے وہ اچھوں کا سردار وآقا حضرت آل احمد اچھے میاں آ گئے۔حضرت اچھے میاں کو حضرت رضا نے اچھوں کا آقا کہہ کر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ یہ بالکل صحیح و درست ہے۔حضور اچھے میاں کے دور کے مشاہیر علمائے کرام، مفتیان عظام، اولیائے کاملین ،صالحین، سالکین اور مقربین وغیرہ آپ سے طلب فیض کے لیے آپ کی خدمت میں خادمانہ اور طالبانہ حیثیت سے حاضر ہوکر زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔آپ کے خلفاء کی فہرست پر طائرانہ نظر ڈالنے سے بھی پتہ چل جائے گا کہ اپنے وقت کی کن کن ممتاز ہستیوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہے۔

حضرت سید آل احمد اچھے میاں بن حضرت سید شاہ حمزہ مارہروی قدس سرہما کی ولادت باسعادت ۲۸ / رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ میں ہوئی۔جس کا مادۂ تاریخ ''سلطان مشائخ جہاں'' ہے۔حضور صاحب البرکات سلطان العاشقین سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ نے یہ بشارت دی تھی کہ مجھے بفضل الٰہی چار واسطوں کے بعد ایک لڑکا عنایت ہوگا جس سے رونق خاندان دوبالا ہوگی۔ بعدۂ آپ نے اپنا ایک خرقہ مبارکہ عنایت فرمایا اور حکم فرمایا کہ خرقہ اس شہزادے کے لیے ہے۔استاذ المحققین حضرت سید شاہ آل محمد قدس سرہٗ (حضور صاحب البرکات کے بڑے صاحبزادے) نے حضور اچھے میاں مارہری قدس سرہٗ کی تسمیہ خوانی کے وقت آپ کو گود میں

بٹھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وہی شاہزادے ہیں جن کی بشارت والد ماجد نے دی تھی۔

قدوۃ الکاملین قطب العارفین، شمس الملت والدین حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ بڑے ہی باکمال صاحب کرامات وتصرفات اور عارف باللہ تھے۔علوم ظاہر وباطن میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔آپ نے سخت ترین ریاضتیں کیں اور مجاہدات وسلوک میں ایک خاص شان کے حامل تھے۔آپ سے بے شمار کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں۔جن کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں،صرف دو کرامات پیش کی جاتی ہیں۔

- جناب شیخ رسول بخش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک برص زدہ سپاہی حاضر ہوا۔ اور دور ہی کھڑا رہا۔حضرت نے فرمایا بھائی آگے آؤ۔اس سپاہی نے عرض کیا حضور میں اس قابل نہیں ہوں،فرمایا آگے آؤ۔وہ سپاہی آگے آیا تو جس جگہ سفید داغ تھا۔حضرت نے اپنا دست مبارک وہاں پھیرا اور فرمایا کہ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔بعدہٗ سپاہی نے دیکھا کہ سفید داغ بالکل غائب تھا۔

- خلیفہ محمد ارادت اللہ بدایونی آپ کے مرید تھے۔لیکن ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ خداوند تعالیٰ ایک بیٹا عطا فرما دے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ کے عرس مبارک کے موقع پر بدایوں سے مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور اپنے پیر ومرشد کے ہاں حاضر تھے۔اس وقت عرفانی سخاوت کا دریا جوش پہ تھا۔ارشاد فرمایا۔ ارادت اللہ کیا چاہتے ہو؟ ارادت اللہ صاحب نے عرض کیا کہ غلام کا کوئی فاتحہ خواں نہیں ہے۔ آپ نے فوراً دعا کی کہ اے رب کریم! ہمارے ارادت اللہ کو فرزند عطا فرما۔ اس کے بعد ارادت اللہ صاحب سے فرمایا کہ خلیفہ! پہلے بیٹے کا نام کریم بخش رکھنا، دوسرے کا رحیم بخش اور تیسرے کا الٰہی بخش۔خلیفہ ارادت اللہ صاحب قدموں پر گر پڑے اور عرض کرنے لگے کہ حضور مجھ کو امید نہیں ہے۔آپ نے ان کو اپنی ٹوپی مبارک عطا کی اور فرمایا کہ خدا کی ذات سے مجھے

امید ہے۔خلیفہ ارادت اللہ صاحب واپس ہوئے۔ بہت ہی جلد خدا کی قدرت ظاہر ہوئی اور پہلے بیٹے کی پیدائش ہوئی۔خلیفہ صاحب نے اس کا نام کریم بخش رکھا۔ یہاں تک کہ تین سال میں تین بیٹے پیدا ہوئے اور تینوں کا نام حضرت کے حکم کے بموجب رکھا اور بعنایت الٰہی تینوں بیٹے جوان اور عاقل ہوئے۔ دو بیٹوں نے اپنا آبائی پیشہ حجامت اختیار کیا اور کریم بخش نے علم حاصل کیا اور اچھی شہرت حاصل کی۔اردو کی مشہور و مستند لغت ''کریم اللغات'' انہیں کی تصنیف کردہ ہے۔

حضرت سید آل احمد اچھے میاں مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف'' آداب السالکین'' سے کچھ ملفوظات پیش ہیں۔

(ا) جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کو بالذات اپنے ظاہر و باطن سب احوال پر مطلع جانے، پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی بعطائے الٰہی اپنے احوال ظاہری و باطنی پر مطلع جانے۔اس صورت میں خدا عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت نہ ہوگی، بلکہ مطابق ''اَلشَّیۡخُ فِیۡ قَوۡمِهٖ کَالنَّبِیۡ فِیۡ اُمَّتِهٖ '' اپنے شیخ کو بھی عنایت الٰہی جل وعلا کا پر تو اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نائب اور اپنے ظاہر و باطن احوال پر دانا و بینا جانے کہ مخالفت شیخ کی عین مخالفت خدا و رسول ہے۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہر چھوٹے بڑے کام میں بہت کوشش سے اپنے او پر لازم جانے کہ محبوبیت کا درجہ اسی سے ملا ہے۔

(۳) مرید اپنا اختیار اپنے پیر و مرشد ہی کے ہاتھوں میں رکھے اور خود اس کے سامنے ایسا ہو جائے جیسے میت نہلانے والے کے ہاتھوں میں اور کوئی کام ظاہر کا ہو یا باطن کا بغیر حکم مرشد نہ کرے۔

(۴) مرید فنافی الشیخ ہو جائے یعنی اپنے آپ کو تصور مرشد میں ایسا فراموش اور ایسا گم

کردے کہ اپنے آپ کو غیر مرشد نہ سمجھے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی ہستی بالکل بھلا دے اور اپنی بجائے مرشد کو ہی موجود جانے اور اعضاء سے جو کچھ حرکات وسکنات صادر ہوں یہی جانے کہ یہ اعضاء مرشد کے ہیں اور ان کی حرکت وسکون باختیار مرشد ہیں۔ اپنے آپ کو بدن شیخ کے مفہوم یا معقول یا موہوم کے مانند تصور کرے اور وجود صرف فہم و وہم اور عقل شیخ کے لیے ہی جانے اور اپنے سب اطوار میں سر مو وجود نہ جانے، نہ حقیقتاً نہ فرضاً۔

(تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، ص۳۶۶)

آپ نے ۱۷/ربیع الاول شریف ۱۲۳۵ھ بروز جمعرات بوقت چاشت ۵۷/سال کی عمر شریف میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف خانقاہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ شریف میں حضور صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کے مزار مبارک کے دائیں جانب مرجع خلائق ہے۔

(94)

طور کیا عرش جلے دیکھ کے وہ جلوۂ گرم
آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض

حل لغت:

طور: کوہ سیناء، جزیرہ نمائے عرب (مصر) میں ایک پہاڑ، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلّیٔ الٰہی کا ظہور ہوا تھا۔

(فیروز اللغات، ص۸۸۱☆لغات کشوری، ص۴۷۲☆ کریم اللغات، ص۱۰۶)

عرش: آٹھواں آسمان، عرش الٰہی، تخت، چھت، سقف۔

(فیروز اللغات، ص۸۹۳☆لغات کشوری، ص۴۸۷☆ کریم اللغات، ص۱۰۹)

جلوہ: نمائش کرنا، خود کو دوسروں کو دکھانا، کسی خاص انداز سے سامنے آنا، نمودار ہونا، تجلی، نور، رونق، غالب، نظارہ کرنا، معشوق کا ناز و انداز سے چلنا، دولہا دلہن کا آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کی آئینہ میں صورت دیکھنا۔

(فیروز اللغات، ص۱۶۹☆لغات کشوری، ص۱۹۸)

گرم: جلتا ہوا، دہکتا ہوا، اختلاط رکھنے والا، مستعد، تیز، تند، خفا، ناراض، گرم اثر رکھنے والا، تیز دھار، شوخ، چلبلا، بارونق، غالب، فائق، پُر اثر، پُر رونق، بہت زیادہ، تتا، جلد، شتاب، سرد کا ضد۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۹۲☆لغات کشوری، ص۶۱۵☆ کریم اللغات، ص۱۳۳)

عارض: رخسار، گال، رخ، پیش آنے والا، لاحق ہونے والا، ابر، فوج کی موجودات لینے والا، فوج کا میر منشی۔

(فیروز اللغات، ص۸۸۷☆لغات کشوری، ص۴۷۹☆ کریم اللغات، ص۱۰۷)

آئینہ دار: جس کے پاس آئینہ ہو، عیب یا خوبی ظاہر کرنے والا، سنگار کرنے والا، نائی، حجام۔

(فیروز اللغات، ص ۴۸ ☆ لغات کشوری، ص ۷۵)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''عارض'' کا مطلب ''رخسار'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''عارض'' کا مطلب ''پیش آنے والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عارض یعنی رخسار مبارک کی جلوہ باری، قوت تحمل اور حسن و جمال کی تعریف کر رہے ہیں۔ شعر کا لغوی مطلب یہ ہے کہ جلوۂ گرم کو دیکھ کر طور کا پہاڑ تو کیا خود عرش بھی جل جائے۔ لیکن میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک رخسار کو وہ اعجاز حاصل ہے کہ اس جلوۂ گرم یعنی انوار الٰہی کی تجلیات کو تحمل بھی فرما لیتے ہیں اور اس جلوۂ گرم کی آئینہ داری یعنی دوسروں کو دکھانے کا ذریعہ بھی ہیں۔ اس شعر کو اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لیے کچھ وضاحت ضروری ہے۔

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تبارک وتعالیٰ سے بلا واسطہ ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے رب کریم! مجھے اپنا دیدار نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میرا دیدار نہیں کر سکتے۔ البتہ میں اس پہاڑ پر اپنی تجلی نازل کرتا ہوں۔ اگر آپ اس تجلی کو برداشت کر لیں تو پھر دیدار کا مطالبہ کرنا:

''فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوۡسٰى صَعِقًا''

(سورۂ اعراف، آیت ۱۴۳)

ترجمہ: پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا، اسے پاش کر دیا اور موسیٰ

گرے بے ہوش۔ (کنزالایمان)

انوارالٰہی کی صرف ایک تجلی نے کوہ سیناء یعنی طور کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش کر دیا۔

● اللہ تعالیٰ نے جب عرش کو پیدا فرمایا تو وہ جلال باری تعالیٰ کی وجہ سے لرز رہا تھا۔ پھر عرش کے سینے پر ''لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ'' تحریر فرمایا تو عرش کے اضطراب میں مزید اضافہ ہو گیا، لیکن جب ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لکھا تو عرش کو سکون حاصل ہو گیا۔

(مدارج النبوۃ، جلد ا، ص ۱۷)

● معراج کی شب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل قرآن مجید میں ہے:

''ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ، فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ، مَاكَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی، اَ فَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَايَرٰی ، وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی، عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی، اِذْ يَغْشَی السِّدْرَةَ مَايَغْشٰی، مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی'' (سورۃ النجم، آیت ۸)

ترجمہ: پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا، بلکہ اس سے بھی کم۔ اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی، دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا، تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو۔ اور انھوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا، آنکھ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ (کنزالایمان)

مذکورہ اقتباسات کو ذہن میں مستحضر رکھ کر حضرت رضا بریلوی کے شعر کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ جلوۂ گرم یعنی اللہ کے نور کی صرف ایک تجلی سے کوہ طور پھٹ پڑا، حضرت موسیٰ

علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، یہاں تک کہ عرش بھی لرز اٹھا، لیکن معراج میں اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو بالکل قریب سے اس جلوے کی تجلی یا تجلی کی کرن کو نہیں، بلکہ سراپا جلوے کو دیکھا اور وہ بھی کسی واسطے سے نہیں، بلکہ بلا واسطہ دیکھا، جی بھر کے دیکھا، لیکن نہ آنکھ جھپکی نہ وہ بے ہوش ہوئے اور نہ وہ عرش کی طرح لرزے اور نہ وہ کوہ طور کی طرح تجلی کی تاب نہ لا کر پاش پاش ہوئے، بلکہ رب نے جو وحی فرمائی اسے آپ نے سماعت فرمائی اور پچاس وقت کی نماز کا تحفہ لے کر واپس ہوئے۔

اب حضرت رضا کے شعر کے دوسرے مصرع پر آیئے جو اس شعر کی جان ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلوۂ گرم کا نظارہ کرنے کا اپنا واقعہ اچھی طرح یاد تھا کہ طور کے واسطے سے دیکھنے میں میری حالت تو غیر ہوئی تھی، بلکہ طور بھی ریزہ ریزہ ہو گیا۔ جس کو واسطہ بنایا گیا وہی دھنس پڑا، مگر یہ حبیب تو بلا واسطہ جلوۂ گرم کا نظارہ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے جی بھر کے کر آئے ہیں۔ کیوں نہ میں اب ان کو واسطہ بنا کر اپنی حسرت جو کوہ طور پر ادھوری رہ گئی تھی اسے آج پوری کر لوں۔ کوہ طور پر تو ایک تجلی پڑی تھی، لیکن ان کے چہرۂ اقدس پر، ان کے عارض و رخسار پر تو انوار الٰہی کی بارش ہوئی ہے۔ ان کو بار بار دیدار الٰہی کے لیے بھیجنا چاہیئے، تاکہ انوار الٰہی بار بار ان کے عارض پر پڑیں اور وہ عارض آئینہ دار بن کر انوار الٰہی کو دیکھنے کا مجھے شرف بخشیں۔ اسی لیے تو آپ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشورۃً عرض کیا کہ آپ کی امت پچاس وقت کی نماز ادا نہیں کر سکے گی۔ واپس تشریف لے جایئے، اور کچھ کم کرایئے۔ حضور واپس گئے۔ پانچ کم ہوئیں، یہاں تک کہ حدیث میں ہے:

''فَلَمْ اَزَلْ اَرْجِعُ بَیْنَ رَبِّی وَبَیْنَ مُوْسٰی ''یعنی میں اپنے رب اور موسیٰ کے

درمیان آتا جاتا رہا۔

یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں، یعنی ۴۵ دفعہ کی معاف کرانے آپ نو (۹) مرتبہ گئے اور آئے اور ہر مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کے رخسار کے توسط سے جلوۂ گرم سے محظوظ ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عارض نے آئینہ دار ہوکر لاحق ہونے والے جلوۂ دیدار انوار الٰہی کے فیض سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہرہ مند فرما دیا۔

المختصر! عارض نے عارض کی آئینہ داری فرمائی، یعنی کہ رخسار نبی نور الٰہی کے آئینہ بنے۔

۞......۞......۞

(95)

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

حل لغت:

شہنشاہ: شاہوں کا شاہ، بادشاہوں کا بادشاہ، بڑا بادشاہ، ملک الملوک۔

(فیروز اللغات، ص۸۵۲☆لغات کشوری، ص۴۳۴☆ کریم اللغات، ص۱۰۰)

کعبہ: خانۂ کعبہ، مکہ مکرمہ، چار گوشوں والی چیز، مربع، کلمہ تعظیم، حضرت، کعبہ کے اصلی معنی ''بلند'' کے ہے چوں کہ کعبہ زمین بلند پر ہے یا ازروئے مراتب کے بلند ہے اس لیے یہ نام ہوا۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۱۶☆لغات کشوری، ص۵۹۱☆ کریم اللغات، ص۱۲۹)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''کعبہ'' کا مطلب ''خانۂ کعبہ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''کعبہ'' کا مطلب ''قبلہ، آقا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان حجاج کرام کو مخاطب کرتے ہیں جو فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد عازمین مدینہ منورہ ہیں۔ اس شعر میں اتنی بامعنی بات فرمادی کہ اگر اس کی تفصیل سے شرح کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے اور جس کو پڑھ کر اہل ایمان عشق رسول کی مستی میں جھوم اٹھیں۔ انداز تخاطب اتنا دلکش ہے کہ ہر لفظ سے عشق رسول کا شہد ٹپک رہا ہے۔ زائرین گنبد خضریٰ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کو حاجیو آؤ! کہہ کر پکارا ہے۔ اس پکار میں سوز و گداز اور عشق زائرین کے ساتھ اپنائیت کا جذبہ مخفی

ہے۔آؤ کا لفظ اس بات کی نشاندہی کررہا ہے کہ یہاں پر یعنی مدینہ طیبہ میں آنے والا اپنا ہے، کیوں کہ محبوب سے رغبت رکھنے والا اپنے دل کا ٹکڑا ہے اور دل کے ٹکڑوں کو ہی اس انداز سے مخاطب کیا جاتا ہے۔آؤ، لیکن کہاں ؟ روضۂ اقدس پر، کس کا روضہ؟ شہنشاہ کا روضہ، کون شہنشاہ؟ جو کعبہ کا بھی قبلہ اور آقا ہے۔اے زائر مکہ معظّمہ! اے خانہ کعبہ کے اردگرد مثل پروانے کے گھومنے والو! کعبہ شریف کی تو زیارت سے مشرف ہوچکے۔روئے زمین کے قبلہ خانۂ کعبہ کی زیارت تو کرچکے مگر اب صرف کعبہ ہی نہیں، بلکہ پوری کائنات کے قبلہ اور خالق کائنات کی توجہ کا مرکز محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کر کے اپنا حج مقبول اور مبرور بناؤ، اس زیارت کے طفیل ہی تمہاری مکہ کی تمام عبادتیں شرف قبولیت سے نوازی جائیں گی۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شہنشاہ کا لقب استعمال فرمایا ہے۔لفظ شہنشاہ کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس لقب کا اطلاق کس پر صحیح ہے اور کس پر غلط ہے؟ یہ ایک طویل بحث ہے۔ جو صاحب اس کی تفصیلی بحث و معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتاب ''فقہ شہنشاہ ان القلوب بیدالمحبوب بعطاء اللہ ''(۱۳۲۶ھ) کا مطالعہ ضرور کریں، یہاں شہنشاہ کے معنیٰ ''بادشاہوں کا بادشاہ'' ہے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شہنشاہی کا یہ عالم ہے کہ آپ کی ظاہری حیات کے دور میں دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ خادمانہ اور سائلانہ حیثیت سے حاضر ہوتے تھے اور آج بھی در اقدس پہ فرماں روان وقت حاضر ہوتے اور تا قیامت حاضر ہوتے رہیں گے۔بقول حضرت رضا:

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

اس شعر میں حضرت رضا حاجیوں کو شہنشاہ کا روضہ دیکھنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

شعر میں لفظ ''روضہ'' نے کثیر معنویت و مفہوم میں ایک روح ڈال دی ہے۔ حالاں کہ شعر میں روضہ کی جگہ لفظ تربت کا بھی استعمال ہوسکتا تھا۔ بظاہر دونوں ہم معنی ہیں، لیکن معنویت میں بہت بڑا فرق ہے، کیوں کہ تربت کا اطلاق قبر، گور اور مزار ہی پر ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۳۵۳) اس سے یہ لازم ہوتا کہ وہ حصہ تربت محدود خطہ زمین میں محصور ہے۔ لیکن لفظ روضہ، کا معنی مقبرہ، باغ، سبزہ زار وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۷۲۸) باغ اور قبر کی وسعت میں بہت فرق ہے۔ قبر کا عرض وطول تین فٹ، چھ فٹ ہوتا ہے اور باغ وسیع جگہ میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ باغات تو میلوں کی لمبائی، چوڑائی میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو باعتبار احاطہ بندی تربت اور روضہ میں فوقیت روضہ کو حاصل ہے۔ دوسری بات یہ کہ تربت اس جگہ کو کہتے ہیں جو پتھر، مٹی، چونا، بالو، ریت اور سمنٹ وغیرہ سے تعمیر کی گئی ہو اور جو انسان کی ابدی آرام گاہ ہوتے ہوئے بھی تنگ اور اندھیری کوٹھری کی مانند ہے۔ نہ تو اس میں ہوا کی آمد و رفت ہوتی ہے، نہ ہریالی اور نہ ہی بیل بوٹے ہوتے ہیں۔ اس لیے قبر یا تربت کو ادبی اصطلاح میں گور غریباں کہا جاتا ہے۔ لیکن باغ (روضہ) میں بیل بوٹے، پیڑ پودے، ہر طرف ہریالی، نسیم جاں فزا درخت کا سایہ اور پانی کے فوارے وغیرہ ہوتے ہیں۔ یہ ساری صفتیں اور زیب و زینت دنیا کے باغوں کی مذکور ہوئیں۔ اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کے مصرع اول میں استعمال شدہ لفظ روضہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اے حجاج کرام! تم جس شہنشاہ کے آستانے پر حاضر ہورہے ہو وہ آستانہ ان کی آرام گاہ ہے۔ یہاں پر آپ ضرور مدفون ہیں، لیکن ان کا مدفن عام مدفن کی طرح قبر، تربت کی مانند گور غریباں نہیں، بلکہ روضہ ہے۔ یعنی بے شک وہ مدفن ہی ہے، لیکن اس مدفن میں آرام فرمانے والے شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم ناز کے طفیل وہ تربت صرف تربت نہ رہ کر روضۂ رحمت اور باغ فردوس بن گئی۔ ایسا باغ کہ دنیا کے تمام باغات اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ دنیا کے باغات میں پھول پتی شاخ وغیرہ ہوتی ہیں۔

لیکن یہ بارش رحمت کی زمین ہے۔ پیکر رحمت کا گلبن ہے۔ معطر ہواؤں کے جھونکے ہیں۔ شجر رحمت کی ڈالیاں اور کرم کی گھٹا برستی ہے۔ جہنم سے نجات کے پروانے دینے والے برگ و بار ہیں۔ دخول جنت کا تمغہ دینے والے پھول ہیں۔ بہشتی خوشبو دینے والی پھلواریاں ہیں۔ دائمی طور پر رحمت میں جکڑ رکھنے والی بہاریں ہیں۔ رحمت الٰہی کا سایہ ہے، کیوں کہ یہ رحمت عالم کی آرام گاہ ہے۔ کسی عام انسان کی قبر نہیں۔ یہ تو روضۃ الرحمت ہے۔ یہاں آنے والا قرآن کے ارشاد:

''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (سورۃ النساء، آیت ۶۴)

ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (کنزالایمان)

کے مطابق مغفرت اور قبول توبہ کا حقدار ہے اور کیوں نہ ہو؟ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ تو ثابت ہوا کہ حضور جس کے لیے شفاعت فرمادیں اس کی بخشش اور مغفرت ہوگی، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے آستانے پر اپنے غلاموں کو بلانے کا کرم فرمانے کے ساتھ ساتھ بشارت عظمیٰ کا تحفہ بھی عنایت فرمارہے ہیں اور وہ یہ ہے:

''مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ ''یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (بیہقی شریف)

اس شعر کا مصرع ثانی:

کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

میں تو آپ نے علم و معرفت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ جہاں تک مجھ کم علم کی معلومات ہے، اب تک کسی نعت گو شاعر نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے لیے ''کعبے کا کعبہ'' کا جملہ استعمال نہیں کیا ہے۔ سب سے پہلے ایسی نادر تعبیر اردو شعر وادب میں نظم کرنے کا شرف حضرت رضا بریلوی کو حاصل ہے۔ کعبے کا کعبہ یعنی کعبہ کا بھی قبلہ، اب ہم کعبہ اور قبلہ میں کیا فرق ہے، اس کو دیکھیں۔ لفظ قبلہ اسم نوع کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب جس کی طرف توجہ کی جائے۔ یعنی مرکز توجہ، علاوہ ازیں قبلہ جہت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ہم خانہ کعبہ کی سمت منھ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ لہٰذا کعبہ ہمارا قبلہ ہے۔ لیکن کعبہ کے لغوی معنی قبلہ یا جہت نہیں، بلکہ دیگر ہیں۔ جو اس شعر کے تعلق سے حل لغت کالم میں درج ہیں۔ خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہی بنا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جس زمانے میں اہل اسلام بیت المقدس کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتے اس وقت بھی خانہ کعبہ اسی جگہ موجود تھا، جہاں آج ہے، لیکن اس کی طرف منھ کر کے نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، یعنی خانہ کعبہ صرف کعبہ تھا۔ قبلہ نہ تھا۔ قبلہ بیت المقدس تھا۔ کعبہ قبلہ ہونے کے شرف سے محروم تھا، لیکن خانہ کعبہ کی قسمت چمک اٹھی، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ کرم نے اس کو نواز دیا اور بارگاہ الٰہی میں خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ محبوب کی مرضی ہو، محبوب کی دلی خواہش ہو، اس کو خدا نہیں ٹالتا، بلکہ شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

''كُلُّهُمْ يَطْلُبُوْنَ رَضَائِي وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ يَا مُحَمَّدُ ''یعنی اے محبوب! سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تمہاری رضا چاہتا ہوں۔

حضور بحکم خدا بیت المقدس کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتے تھے، لیکن دلی خواہش کعبہ کو قبلہ بنانے کی تھی۔ ایک دن آپ ظہر کی نماز میں امامت فرما رہے تھے، دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ وحی نازل ہوئی:

''فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَالۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ''

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۴)

ترجمہ: تو ضرور ہم پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔ (کنز الایمان)

اس آیت کے نازل ہوتے ہی دوران نماز آپ نے بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور آپ کی متابعت میں صحابہ کرام نے بھی اپنا منہ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ اور آدھی نماز بیت المقدس کی طرف اور آدھی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی۔ جس مسجد میں یہ آیت نازل ہوئی تھی وہ آج بھی مدینہ منورہ میں موجود ہے۔ اس مسجد کا نام ''مسجد ذوالقبلتین''، یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔

المختصر! کعبہ پہلے قبلہ نہ تھا، لیکن رب کعبہ کے محبوب نے اسے قبلہ بنانے کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی خواہش پوری فرمائی اور آیت میں فرمایا کہ تمھاری خوشی ہے تو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔ پتہ چلا کہ کعبہ کو رسول کے ایما و رضا پر اللہ تعالیٰ نے قبلہ بنا دیا۔ اب قیامت تک مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ ایک اہم راز کی بات تو یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کی خواہش کیوں کی؟ یہ گفتگو ہم اسی عنوان کے آخر میں کریں گے۔

سر دست یہ سنئے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کعبے کا کعبہ کیوں کہا؟ جب طیبہ کا چاند چمکنے کی گھڑی آئی یعنی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی مقدس ساعت آئی تو کائنات میں کئی عجائبات کا ظہور ہوا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ خانہ کعبہ جس گھر میں آپ کی پیدائش ہوئی تھی اس سمت کو جھک گیا تھا۔

آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ میں حرم کعبہ میں موجود تھا۔سحری کے وقت جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش کی گھڑی آئی تو خانہ کعبہ میں جڑے ہوئے تمام بت اوندھے ہوکر گر پڑے اور کعبہ مقام ابراہیم یعنی جس سمت مولد النبی تھا اس طرف جھکا۔میں حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔دفعتہً دیوار کعبہ سے یہ آواز آئی:

''وُلِدَالْمُصطَفَى الْمُخْتَارُالَّذِىْ تَهْلِكُ بِيَدِهِ الْكُفَّارُ وَيُطَهِّرُ مِنْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَيَامُرُ بِعِبَادَةِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ ''یعنی مصطفیٰ ومختار کی ولادت ہوگئی۔ آپ کے ہاتھوں کفر شکست کھائے گا۔خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے صرف مالک حقیقی کی عبادت کا حکم دیں گے۔ (حاشیہ سیرۃ الحلبیہ ،ص۴۲)

کعبہ ذات مصطفیٰ کو اپنا قبلہ بنا کر اس مکان کی طرف جھکا جس مکان میں کعبے کے کعبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری ہوئی۔لہٰذا حضور کعبہ کے قبلہ ہوئے اور اب عام اصطلاح میں قبلہ کو کعبہ کہتے ہیں۔نماز کی نیت میں ہم یہی کہتے ہیں کہ منھ میرا کعبہ کی طرف اس سے مراد ہے منھ میرا قبلہ کی طرف۔اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس شعر کے دوسرے مصرع کا مطلب یہ ہوا کہ اے حجاج کرام! مکہ معظّمہ میں ایام حج میں کعبہ تو دیکھ لیا۔لیکن اب مدینہ میں آکر کعبے کے کعبہ یعنی قبلہ کو بھی دیکھو۔

سطور سابقہ میں جواب تک ایک راز رہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعبہ کو قبلہ کیوں بنایا؟ سنیے! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کائنات میں سب سے زیادہ اخلاق والے،احسان فرمانے والے، بھلائی کے بدلے میں بڑھ کر بھلائی کرنے والے ہیں۔

آپ کی حیات طیبہ کا ہر ہر لمحہ فرمان الٰہی کی پابندی میں بسر ہوا ہے۔قرآن مجید میں ہے:

''هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ'' (سورۂ رحمٰن،آیت۶۰)

ترجمہ: نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی۔

قرآن فرمار ہا ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر نیکی کا بدلہ زیادہ نیکی سے کون دے سکتا ہے؟ حضور اقدس کی پیدائش کے وقت خانہ کعبہ نے حضور کو اپنا قبلہ تسلیم کرنے کی نیکی کی تو اس نیکی کا بدلہ صرف ایک نیکی سے نہیں بلکہ بہت زیادہ نیکیوں سے دیتے ہوئے اس کو قبلہ بنا دیا اور بند لفظوں میں اس کی نیکی کا جواب مرحمت فرما دیا کہ اے خانہ کعبہ! تم نے ہماری ولادت کے وقت بہ تقاضائے تعظیم ومحبت ہمارے مولد کی سمت رخ کیا ہے اس کا ہم یہ صلہ عطا فرما رہے ہیں کہ تمہیں اپنا اور قیامت تک آنے والے اپنے تمام امتیوں کا قبلہ بنا دیتے ہیں۔

کعبہ کو سمت مولد نبی جھکنے کا یہ صلہ ملا کہ چودہ سو سال سے روئے زمین کے تمام مومنین اس کی سمت سجدہ کرتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اس کے برعکس ابلیس نے نور نبی کی سمت ایک سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اسی وقت سے لے کر، قیامت تک اور بعد قیامت بھی ابدالآباد تک وہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت کا مستحق ہوا۔

(96)

لعل میں آب گہر شیشۂ مے میں اختر
پانی میں آتش تر شعلہ میں آب کوثر

(حدائق بخشش، حصہ۳، ص۳۲)

حل لغت:

لعل: سرخ رنگ جواہر، معشوق کے ہونٹ، معرب لال کا ہے بمعنی ہر چیز عموماً اور بہ معنی ایک جوہر سرخ رنگ قیمتی کے جو مشہور ہے۔ لعل بہت قسم کا ہوتا ہے، رمانی، بیازی، ثمری، دوشابی، لحمی، عنابی، بقمی، ادریسی، پیکانی، عقربی، قطبی۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۵۶ ☆ لغات کشوری، ص۶۳۸)

آب گوہر: موتی کی چمک، مرض نزول آب کا، موتیابند۔

(فیروز اللغات، ص۴ ☆ لغات کشوری، ص۱۲)

شیشہ: آئینہ، کانچ، بوتل، قرابہ، آرسی کا آئینہ۔

(فیروز اللغات، ص۸۵۴ ☆ لغات کشوری، ص۴۳۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۰)

اختر: تارا، ستارا، سیارہ۔ (فیروز اللغات، ص۵۷ ☆ لغات کشوری، ص۲۰ ☆ کریم اللغات، ص۶)

آتش تر: شراب۔ (فیروز اللغات، ص۹)

شعلہ: روشنی، چمک، آگ کی لپٹ، لو۔

(فیروز اللغات، ص۸۴۳ ☆ لغات کشوری، ص۴۲۲ ☆ کریم اللغات، ص۹۸)

آب کوثر: کوثر کا پانی۔ (فیروز اللغات، ص۴)

پہلے مصرع میں لفظ ''آب'' کا مطلب ''چمک'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''آب'' کا مطلب ''پانی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ شعر امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس نعت شریف کا ہے جو آپ نے فن شاعری کی صنعت تضمین اور صنعت مخمس میں نظم فرمائی ہے۔ تضمین اس صنعت کو کہتے ہیں کہ شاعر کسی دوسرے شاعر کے شعر کی موافقت و مطابقت کرتے ہوئے اس شعر پر مصرعے یا بند لگائے۔ اور مخمس اس صنعت کو کہتے ہیں کہ کسی نظم کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں۔ یعنی ہر بند پانچ مصرعوں کا ہو۔ یہ شعر جس نعت کا ہے اس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت رضا بریلوی نے کسی دوسرے شاعر کے اشعار کے بجائے خود اپنے ہی اشعار پر تضمین لکھی ہے۔ مثلاً: جس شعر پر ہم اس وقت گفتگو کر رہے ہیں وہ اس طرح تھا۔

پانی میں آتش تر شعلہ میں آب کوثر
دل سوزاں نے کیا خون کا دریا ہو کر

لیکن اب اس کی ابتداء میں تضمین کے تین مصرعے لگا کر اس طرح مخمس کیا گیا ہے:

کچھ تو جلوہ نظر آیا مرے اشکوں پر
تارے ٹوٹے ہیں مگر رنگ شفق سے مل کر
لعل میں آب گہر شیشۂ مے میں اختر
پانی میں آتش تر شعلہ میں آب کوثر
دل سوزاں نے کیا خون کا دریا ہو کر

مندرجہ بالا بند میں کل پانچ مصرع ہیں۔ آخری دو مصرع اصل شعر کے ہیں۔ جس پر شروع کے تین مصرعوں کی تضمین نظم کی گئی ہے۔ اس وقت ہم مندرجہ بالا پانچ مصرعوں کے

مصرع نمبر ۳ اور ۴ کو ملا کر جو شعر بنتا ہے اس کی تشریح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پہلے ہم اس شعر کے ظاہری معنی باعتبار لغت دیکھیں۔ اس شعر کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ لعل جو ایک سرخ رنگ کا پتھر ہوتا ہے اس میں موتی جیسی چمک پیدا ہوگئی ہے اور شراب کی بوتل میں ستارے نظر آرہے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانی میں شراب گھول دی گئی ہو اور آگ کے شعلوں میں آب کوثر دست یاب ہو رہا ہے۔

اس شعر میں لفظ ''آب'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ آب ہے اس کا معنی چمک ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ آب ہے اس کا معنی پانی ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ آب کی اضافت کوثر کی طرف کی گئی ہے اس کے معنی ہوئے حوض کوثر کا پانی۔ دونوں لفظ آب حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر کے دو معنی اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان دونوں معنوں کو اچھی طرح ذہن نشیں کرنے کے لیے یہ شعر جس بند کا ہے اس سے پہلے کا بند سمجھنا ضروری ہے۔ جو پچھلا بند ہے اس میں حضرت رضا بریلوی نے قیامت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

جب جہاں سوز ہو خورشید قیامت یارب
بے قراری رہے کام آئے نکالے مطلب
دل کی سیماب وشی رنگ دکھائے یہ عجب
پائے شہ پر گرے یارب تپش مہر سے جب
دل بیتاب اڑے حشر میں پارا ہو کر

یعنی اے خدا! جب قیامت کے دن سورج جہاں کو جلانے والا ہو، اور ہماری بے قراری کا عالم ہو اور ہمارا مددگار کوئی آجائے اور ہم اس آفت سے نجات حاصل کرنے کی غرض حاصل کریں، دل کا پارا اس طرح دکھائے اور ایسا عجب رنگ دکھائے (اثر ظاہر کرے) کہ جب ہم

اے خدا! سورج کی گرمی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر گریں تو ہمارا بیتاب دل پارا کی طرح گرمی کی وجہ سے گیس بن جائے۔ مذکورہ بند کے معنی جو اوپر بیان ہوئے ان الفاظ کو لغت سے حل کیجئے۔

حل لغت:

جہاں سوز: دنیا کو جلانے والا۔ (فیروز اللغات، ص ۴۸۸)

کام آنا: (محاورہ): کارآمد ہونا، مفید مطلب ہونا، مناسب جگہ خرچ ہونا، مددگار ہونا، مارا جانا۔ (فیروز اللغات، ص ۹۷۸)

مطلب نکالنا: (محاورہ): غرض پوری کرنا، غرض حاصل کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۵۹)

سیماب: پارا (Mercury)۔ (فیروز اللغات، ص ۸۲۹)

وش: مانند، مثل، نظیر، طرح۔ (فروز اللغات، ص ۱۴۱۰)

رنگ دکھانا: (محاورہ): کیفیت یا لطف یا حالت یا طرز یا جوہر دکھانا، اثر ظاہر کرنا (فیروز اللغات، ص ۷۲۱)

پارا اڑانا: گرمی پہنچا کر پارے کو گیس بنا دینا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۶۳)

پارا: رقیق دھات جو سفید اور بھاری ہوتی ہے، بے قرار، بے چین۔ (فیروز اللغات، ص ۲۶۳)

پہلے بند کے معنی ذہن نشیں کر لینے کے بعد آیئے ہم اب دوسرے بند کی طرف رجوع کریں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ جب ہم میدان محشر کی سختیوں سے پریشان و بے چین ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس قدموں میں گریں گے تو ہماری حالت یہ ہوگی کہ گرنے سے پہلے ہم مضطرب ہو کر روتے تھے، لیکن اب ان امن دینے والے قدموں میں امان مل گئی، لہٰذا اب خوشی سے روتے ہیں۔ آدمی غم و مصیبت میں روتا ہے یا پھر خوشی میں آنسو بہاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی مصیبت زدہ مصیبت کے وقت

ضبط وتحمل سے کام لیتا ہے، لیکن اس عالم میں اس کی مدد کے لیے اس کا کوئی غمخوار و ہمدرد پہنچ جاتا ہے تو وہ اپنے غم خوار کی آمد پر ضبط کی باگیں چھوڑ دیتا ہے اور اس کے روبرو پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے۔ بہر حال آدمی کسی بھی کیفیت کے زیر اثر روئے، مگر جب وہ روتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ اب آنکھ سے آنسو نکلنے کی کیفیت پر تھوڑا غور کریں۔ جب آنکھ سے آنسو نکلنے کا قصد کرتے ہیں تو پہلے آنکھ میں کچھ ہلکی سی جلن محسوس ہوتی ہے اور اس جلن کے باعث آنکھیں سرخی مائل ہوتی ہیں۔ پھر آنکھوں میں نمی نمودار ہوتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس نمی میں اضافہ ہوتا ہے اور آنکھیں نم ناک ہو جاتی ہیں اور آنکھوں میں بشکل آنسو پانی بھر جاتا ہے۔ پھر اس پانی میں کثرت آمد کی وجہ سے ابال اور ابھار آتا ہے اور پھر وہ پانی آنکھوں سے چھلکنے اور بہنے لگتا ہے۔ آنسو بہنے کی ہیئت یہ ہوتی ہے کہ آنکھ کے اندرونی حصہ سے آنسو چھلک کر پہلے پلکوں پر آتے ہیں اور وہ متفرق قطرات کی شکل میں ہوتے ہیں اور پھر ان قطرات میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ پلکوں کی حد سے تجاوز کر کے لکیر کی شکل میں رخساروں پر بہہ نکلتے ہیں۔ ایک اور بات یہ بھی ہوتی ہے کہ جب آدمی کی آنکھوں میں آنسو ابھرتے ہیں اور آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں تو آنکھوں میں ایک چمک محسوس ہوتی ہے اور اس رونے والے کی آنکھ اس کی عام حالت کے مقابلے میں روتے وقت چمک دار اور ساتھ میں سرخی مائل نظر آتی ہے اور آنکھ میں جو آنسو ہوتے ہیں وہ موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پلکوں پر ستاروں کی انجمن سجی ہے۔ پلکوں پر کہکشاں نمودار ہوئی ہے۔ آنکھ سے آنسو نکلتے وقت ایسا لگتا ہے کہ آنکھ میں شعلے بھڑک رہے ہوں اور جب رونا ختم ہوتا ہے اور سلسلۂ اشک منقطع ہوتا ہے تو آنکھ میں قدرتی طور پر ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ ایک اور امر کی طرف بھی قارئین کی توجہ مرکوز کرانا ضروری ہے کہ رونے والے کی آنکھ میں جو سرخی ہوتی ہے وہ شفق کی طرح محسوس ہوتی ہے یا کبھی شرابی کی آنکھ کی طرح سرخ نظر آتی ہے۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد اب حضرت رضا

بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا مطلب دیکھیں۔

حضرت رضاؔ بریلوی فرماتے ہیں کہ میں سرکار دوعالم کے مقدس قدموں پر گر کر پناہ لیتے وقت روتا تھا اور یہ بھی مسلم حقیقت ہے کہ جب آدمی روتا ہے اور اس کی آنکھیں اشکوں سے پر ہوتی ہیں تو اس کو سامنے کا منظر صاف نظر نہیں آتا بلکہ دھندلا نظر آتا ہے۔ کیوں کہ اس وقت اس کی آنکھ کی پتلی پر پانی کی تہہ پھیل جاتی ہے۔ اسے دکھائی تو ضرور دیتا ہے لیکن منظر غیر واضح دکھائی پڑتا ہے۔ میں حالت اشکباری میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کے جلوے سے مشرف ہوا، لیکن وہ جلوہ میری آنکھ کے اشکوں پر پرتو فگن ہوا۔ گویا (آنسو) آنکھوں کی سرخی کے سماں اور موسم سے مل کر ٹوٹ پڑے ہیں۔ یہاں رنگ سے مراد موسم یا سماں ہے۔ (دیکھو فیروز اللغات، ص ۷۲۰)

آگے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ لعل میں آب گوہر یعنی لعل جس کو یاقوت بھی کہا جاتا ہے۔ وہ سرخ رنگ کا قیمتی پتھر ہوتا ہے، جس کو (Ruby) کہا جاتا ہے اور ہندی میں اس کو ''منگل'' کہتے ہیں۔ اس پتھر کو نگینہ کی طرح انگوٹھی میں جڑ کر پہنا جاتا ہے۔ اس کا سرخ رنگ جاذب نظر ضرور ہوتا ہے، لیکن اس میں چمک کم ہوتی ہے۔ اس لعل میں اب آب گوہر یعنی موتی کی چمک پائی جاتی ہے۔ یہاں لعل سے مراد آنکھوں کی وہ سرخی ہے جو رونے کی وجہ سے آنکھوں میں نمایاں ہوئی ہے۔ آنکھوں کی اس سرخی کے ساتھ اشکوں کی آمیزش ہوئی اور آنسوؤں کی چمک آنکھوں کی سرخی نے اخذ کر لی تو اب ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ لعل میں موتی کی چمک پیدا ہو گئی ہے۔ شیشے میں اختر یعنی شراب کی بوتل میں ستارے، اس سے مراد یہ ہے کہ سرخ آنکھوں میں ستاروں کی مانند آنسو درخشاں ہیں اور آنکھوں کی سرخی میں آنسوؤں کا پانی گویا ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے پانی میں آتش تر (شراب) ملا دی گئی ہو اور اس شراب سے مراد جنت کی وہ شراب ہے جو پاک اور بے عیب ہے اور ہر جنتی کو پلائی جائے گی۔ اس کو شراباً طہورا

کہا جاتا ہے۔حدیث میں ہے کہ اس شراب میں نہ تو بد بو ہوگی اور نہ ہی اس کے پینے سے نشہ ہوگا اور نہ ہی عقل پر کوئی خراب اثر ہوگا۔شیشۂ مے میں اختر ،یعنی آنکھوں میں آنسوؤں کے ستارے نمایاں ہوئے ہیں۔شعر کے آخر میں حضرت رضا فرماتے ہیں کہ پانی آتش تر ،شعلہ میں آب کوثر یعنی آنکھوں میں اشکوں کا جو پانی ہے وہ سچ مچ مثل شراب آنکھوں میں جلن پیدا کررہا ہے ،کیوں کہ اگر شراب کا ایک قطرہ بھی آنکھ میں گرجائے تو وہ اتنی جلن پیدا کرتا ہے جیسے آنکھوں میں کسی نے سرخ مرچ کا پاؤڈرڈال دیا ہو،تو آنکھوں میں آنسو کی وجہ سے جو جلن پیدا ہوتی ہے اس کو پانی میں آتش تر کہا گیا ہے اور شعلہ میں آب کوثر سے مراد یہ ہے کہ جس طرح میدان محشر میں سورج کی شدید حرارت کی وجہ سے آگ کے شعلوں کی مانند گرمی ہوگی اور لوگ ''اَلْعَطَش اَلْعَطَش ''یعنی''پیاس پیاس''پکارتے ہوں گےاور شدت پیاس کی وجہ سے ان کی زبانیں باہر آجائیں گی ،ایسے عالم میں آب کوثر ان کی پیاس بجھانے کے لیے کافی ہوگا اور وہ بھی اس طرح کہ جو ایک مرتبہ آب کوثر نوش کرلے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

(مدارج النبوۃ ،از شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی ،اردو ،جلد ۱،ص ۴۸۲)

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کا جلوہ دیکھنے کے بعد آنکھوں کے شعلے اس طرح سرد ہو جائیں گے جس طرح میدان محشر کے پیاسوں کی پیاس حوض کوثر کے پانی سے بجھ جائے گی۔

شعر کا ایک اور معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن مصیبت زدہ لوگ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلوہ دیکھیں گے تو حضور کے جمال کا یہ عالم ہوگا کہ آپ کے مقدس لب مثل لعل کے محسوس ہوں گے۔لغت میں لعل کا معنی معشوق کے ہونٹ ہے۔(دیکھو حل لغت کا کالم)اور فارسی شاعری میں معشوق ومحبوب کے ہونٹوں کو اکثر لعل سے ہی تشبیہ دی جاتی ہے۔قیامت کے دن محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے گناہوں کی معافی

اوراس کی شفاعت کے لیے"رَبِّ هَبْ لِي أُمَّتِي"فرمانے کے لیے سخن طراز ہوں گے تو ان مقدس ہونٹوں کے درمیان آپ کے مقدس دندان مبارک نمایاں ہوں گے اور ان کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوگا کہ لعل میں آب گوہر یعنی موتیوں کی چمک درخشاں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے۔انھوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم کے لب ہائے مبارک کشادہ تھے، جب گفتگو فرماتے تو ایسا دیکھا جاتا کہ گویا سامنے کے دندان ہائے مبارک کی کشادگی کے درمیان سے نور نکل رہا ہے۔(مدارج النبوت،اردو،جلد ا،ص ۲۰)

دارمی اور ترمذی نے شمائل میں اور بیہقی وطبرانی نے اوسط میں اور ابن عسا کر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کے دونوں دانت کشادہ تھے۔دوران کلام ان کے درمیان سے نور نکلتا محسوس ہوتا۔

(خصائص کبریٰ،از امام جلال الدین سیوطی،اردو ترجمہ،جلد ا،ص ۱۵۸)

حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان ہائے مبارک کا نور آفتاب کی شعاعوں کی طرح جلوہ افروز ہوتا تھا۔

(مدارج النبوت،اردو،جلد ا،ص ۲۱)

آخری مصرع میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ پانی میں آتش تر،شعلہ میں آب کوثر یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی گنہگار امت کی معافی اور بخشش کے لیے اپنے رب کریم ،رحمٰن ورحیم مولیٰ کی بارگاہ میں سر بسجود ہوکر رورو کے شفاعت فرمائیں گے اور اس وقت آپ کی چشمان اقدس سے جو مقدس اشک رواں ہوں گے، ان اشکوں کی یہ شان ہوگی کہ وہ بہتے جائیں گے اور امت کے گناہ مٹتے جائیں گے۔ان اشکوں کے پانی کی وجہ سے گناہوں کی آگ (آتش) پانی پانی ہو جائے گی۔آتش تر میں دولفظ ہیں۔ ایک آتش اور دوسرا تر۔اگر ان دونوں کی اضافت کر کے آتش تر کا معنی کیا جائے تو شراب ہوگی

اور اگر ان دونوں الفاظ کو منفرد گردان کر دونوں الفاظ کے الگ الگ معنی لیے جائیں گے تو آتش یعنی آگ اور تر کے معنی گیلا، بھیگا ہوا، بھیگی ہوئی آگ۔ یا وہ آگ جو بھیگ گئی ہوتی ہے وہ عنقریب بلکہ بہت جلد سرد ہو جاتی ہے اور ابھی حضور سجدہ میں ہیں، آنسو بہہ رہے ہیں، آگ گیلی اور بھیگی ہو رہی ہے اور آپ کو سجدہ کرنے کی حالت میں ملاحظہ فرما کر رحمت خداوندی پکارے گی کہ "يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَعَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ" یعنی اے محبوب! اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو دیا جائے گا اور شفاعت کرو کہ شفاعت قبول کی جائے گی۔ اور احادیث میں وارد اخبار کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شمار لوگوں کو عذاب جہنم سے نجات دلا کر داخل جنت فرمائیں گے، تو شعلہ تر جو مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس اشکوں کے طفیل گیلی آگ ہو گیا ہے وہ آگ گناہ گاران امت پر ٹھنڈی ہو جائے گی اور وہ مصیبت کے مارے شعلہ میں آب کوثر یعنی آگ کے شعلوں سے نجات پا کر داخل جنت ہو کر حوض کوثر کے پانی سے سیراب ہوں گے۔

ان تمام احوال کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے

●

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

●

اشک شب بھر انتظار عفو امت میں بہیں
میں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ واہ

●

سوختہ جانوں پہ وہ پُر جوش رحمت آئے ہیں
آب کوثر سے لگی دل کی بجھاتے جائیں گے

●

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدے میں گرے مولیٰ
رو رو کے شفاعت کی تمہید اٹھائی ہے

۞……۞……۞

(97)

عرض و طول ریش وافر باوقار
طول عرض سائلاں کے ذمہ دار

(حدائق بخشش، حصہ۳، ص۸۲)

حل لغت:

عرض: بیان، گزارش، اظہار، التماس، چوڑائی، چوڑان، پاٹ، عرصہ، مدت، دفعہ، اثنا، درمیان، ظاہر کرنا کسی چیز کا کسی شخص پر، اسباب گھر کا، ملامت، دیوانگی۔

(فیروز اللغات، ص۸۹۴☆لغات کشوری، ص۴۸۷☆ کریم اللغات، ص۱۰۹)

ریش: ڈاڑھی، مرد کے چہرے کے بال، خط۔

(فیروز اللغات، ص۷۳۴☆لغات کشوری، ص۳۳۹☆ کریم اللغات، ص۸۲)

طول: لمبائی، درازی، وسعت، پھیلاؤ، طویل، لمبا ہونا۔

(فیروز اللغات، ص۸۸۲☆لغات کشوری، ص۴۷۳☆ کریم اللغات، ص۱۰۶)

وافر: بہت کثرت سے، افراط سے، علم عروض میں ایک بحر کا نام۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۰۲☆لغات کشوری، ص۷۹۸☆ کریم اللغات، ص۱۹۰)

وقار: بھاری بھرکم، متانت، سنجیدگی، بردباری، قدرومنزلت، جاہ وجلال، آرام، گراں باری، حلم۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۱۲☆لغات کشوری، ص۸۰۶☆ کریم اللغات، ص۱۹۳)

سائلاں: جمع ہے سائل کی: بھکاری، سوال کرنے والا، چاہنے والا، امیدوار، جاری ہونے والا، پوچھنے والا، عرضی دینے والا۔ (فیروز اللغات، ص۷۷۱☆لغات کشوری، ص۳۶۴)

ذمہ دار: ضامن، کفیل، جوابدہ، فرض شناس۔ (فیروز اللغات، ص۶۹۱)

پہلے مصرع میں لفظ ''عرض'' کا مطلب ''چوڑائی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''عرض'' کا مطلب ''گزارش'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش یعنی ڈاڑھی شریف کی زیب و زینت، خوبصورتی اور قدر و منزلت کا تذکرہ و مدح وثناء فرمارہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باوقار کثیر ڈاڑھی کی چوڑائی (عرض) اور لمبائی (طول) آپ کے در کے سائلوں کی لمبی چوڑی گزارش کو پورا کر کے سائل کے خالی دامن کو گوہر مراد سے بھرنے کی ضمانت دے رہی ہیں۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ عرض کا دومرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ دونوں جگہ لفظ عرض معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق، لیکن حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کا شعر ہے۔ خوبی کی بات تو یہ ہے کہ آپ نے مصرع اول میں ''عرض وطول'' جن دو الفاظ کا استعمال فرمایا ہے ان ہی دو الفاظ کو مصرع ثانی میں الٹ کر ایک گہری معنویت پیدا کردی ہے۔ مصرع اول میں عرض وطول کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس ڈاڑھی شریف کی چوڑائی اور لمبائی بیان کرنے کے لیے استعمال فرمایا ہے، لیکن ان ہی الفاظ کو مصرع ثانی میں الٹ کر طول وعرض کردیا اور سائل کی طویل گزارش کے معنی میں استعمال فرمایا۔ شعر کا لغوی وظاہری معنی تو حسب ذیل مذکور ہوئے، لیکن اس شعر میں حضرت رضا بریلوی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو دربار ہے وہ دربار اجابت ہے یعنی یہاں ہر ایک کی سنی جاتی ہے۔ یہاں مانگنے کے سلسلہ میں سائل پر کوئی پابندی نہیں، بلکہ سائلوں کو پوری آزادی ہے کہ اپنی تمام جائز مرادیں جتنی ہو سکے مانگ لو، کیوں کہ جب یہاں دینے والے کے دینے کی کوئی حد نہیں تو پھر مانگنے والے پر

کیوں کوئی حد یا پابندی لگائی جائے؟ طویل ولمبی مانگیں اور لمبی چوڑی مرادیں لے کراس دربار میں آؤ۔ یہ اس شہنشاہ کا دربار عالی ہے کہ جہاں کا منگتا کبھی نامراد و مایوس نہیں پھرتا۔اس سخی داتا کے چہرۂ اقدس کی ریش یعنی ڈاڑھی مبارک طول وعرض یعنی لمبائی اور چوڑائی میں وقار و کثرت سے پھیلی ہوئی ہے اور ڈاڑھی شریف کا لمبا وچوڑا ہونا گویا کہ سائلوں کو اکسا رہا ہے اور حوصلہ افزائی کر رہا ہے کہ تمھاری گزارش والتماس بھی طویل اور پھیلی ہوئی ہونی چاہیئے اور تم اپنی طویل گزارش کے رد ہونے کا خوف نہ کرو، کیوں کہ سرکار کی ڈاڑھی شریف کے طول وعرض تمہاری طویل گزارش کو پورا کرنے کی ضمانت دیتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک یعنی ڈاڑھی شریف کی مدح وثنا شعر نمبر35

ریش خوش معتدل مرہم ریش دل ☆ ہا لۂ ماہ قدرت پہ لاکھوں سلام

کی تشریح میں مذکور ہوئے۔ یہاں مزید دو چار روایات پیش خدمت ہیں۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے:

''اَلـلِّحيَةُ يَمْلَاءُ صَدْرُهُ ''یعنی آپ کی ریش مبارک کے بال اس کثرت سے تھے کہ جس سے آپ کا سینہ مبارک بھر گیا تھا۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۳۱)

حضرت ہضم بن ضحاک بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مقام رَنیخ پر ٹھہرا تھا۔ وہاں کسی نے بتایا کہ یہاں ایک شخص ایسا بھی موجود ہے جس نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ میں اسی وقت اس شخص کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے؟ انھوں نے فرمایا،'' ہاں، آپ کا قد مبارک نہایت خوبصورت تھا۔ نہ زیادہ طویل نہ ہی پست اور آپ کی ڈاڑھی نہایت خوش منظر تھی۔''

حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک اعتدال کے ساتھ لمبی تھی۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی مبارک کے طول وعرض کو برابر طور پر کاٹ دیتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ وعلیہ وسلم کے چہرۂ انور پر ریش مبارک کے خوبصورت گھیراؤ (احاطہ) کو یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں رخساروں کو احاطہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک یہاں سے یہاں تک تھی۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان شعر کے مصرع اول میں ڈاڑھی مبارک کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''ریش وافر باوقار'' یعنی کثرت سے بال کے ساتھ باوقار ڈاڑھی شریف، ڈاڑھی میں جب کثرت سے بال ہوں اور وہ اعتدال وتناسب کے ساتھ اگے ہوئے ہوں، تو ڈاڑھی خوبصورت نظر آتی ہے اور ساتھ میں اس معتدل ومناسب اور پروقار ڈاڑھی کی وجہ سے چہرے کا حسن وجمال بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کچھ لوگوں کے رخساروں اور ٹھوڑی پر ادھر ادھر کچھ بال مشکل سے نکلتے ہیں ایسی ڈاڑھی میں وہ زینت نہیں ہوتی جو کثرت سے اگے ہوئے بال والی ڈاڑھی میں ہوتی ہے۔ اور حضور کی ڈاڑھی مبارک گھنی، گنجان اور خوش منظر تھی۔ ڈاڑھی مبارک کے بال بالکل سیاہ تھے اور کثرت سے بال دونوں اطراف پر برابر تھے۔ ڈاڑھی مبارک نہایت خوبصورت اور سینۂ اقدس کو مزین کئے ہوئے تھی۔ دیکھنے والا ڈاڑھی مبارک کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو جائے۔

(98)

بہر معروف و سری معروف دے بیخود سری
جند حق میں گن جنید باصفا کے واسطے

حل لغت:

بہر: برائے، واسطے، لئے، وسیلے، برکت سے، صدقے میں۔

(فیروز اللغات، ص۱۹۴☆لغات کشوری، ص۹۱ ☆ کریم اللغات، ص۲۲)

معروف: مراد: حضرت شیخ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ، ص۵)

سری: مراد: حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ، ص۵)

معروف: نیکی، نیک بات، مشہور، معلوم، ظاہر، پہچانا ہوا، جو معلوم ہو۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۶۴☆لغات کشوری، ص۱۹۷☆ کریم اللغات، ص۱۶۰)

بےخود: آپے سے بے خبر، خودرفتہ، مدہوش، سرشار۔ (فیروز اللغات، ص۲۴۶)

سری: سرداری، سپہ سالاری، تیر کا گز۔

(فیروز اللغات، ص۷۹۸☆لغات کشوری، ص۳۸۳☆ کریم اللغات، ص۹۱)

جند: لشکر، فوج۔ (فیروز اللغات، ص۲۰۱)

جنید: مراد حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ، ص۵)

با: حرف ربط ہے یعنی ہمراہ، ساتھ، مع، وجود، صاحب، والا، مطابق، موافق، سامنے۔

(فیروز اللغات، ص۱۵۵☆لغات کشوری، ص۶۷☆ کریم اللغات، ص۲۰)

صفا: پاک، پاکیزہ، مجلّا، صیقل کیا ہوا، سپاٹ، نرمل، ہموار، صفائی، درستی، کھرا، دوستی خالص، مکہ کی ایک پہاڑی۔

(فیروز اللغات، ص۸۶۲☆لغات کشوری، ص۴۴۶ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۲)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''معروف'' سے مراد ''حضرت معروف کرخی'' ہیں۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''معروف'' کا مطلب ''نیک بات'' ہے۔

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''سری'' سے مراد ''حضرت سری سقطی'' ہیں۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''سری'' کا مطلب ''سرداری'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ اے خداوند عالم! حضرت معروف کرخی اور حضرت سری سقطی کے صدقے میں نیکی وشہرت اور عشق رسول میں سرشار سرداری عطا فرما اور ساتھ ساتھ مجھ کو سچوں کے لشکر میں شمار فرما۔ واسطہ تجھے تیرے پاکیزہ بندے اور ولی حضرت جنید بغدادی کا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے دو مرتبہ لفظ ''معروف'' اور دو مرتبہ لفظ ''سری'' کا استعمال کیا ہے۔ دونوں لفظ ''معروف'' اور دونوں لفظ ''سری'' کے معنی الگ الگ ہیں۔ لہٰذا اس شعر میں ایک ساتھ دو تجنیس کامل ہیں۔ پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''معروف'' ہے وہ عربی کا لفظ ہے اور صفت ہے۔ جس کا مطلب نیک، مشہور وغیرہ ہے۔ اور شروع میں جو لفظ ''معروف'' ہے وہ اسم ہے اور اس سے مراد حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اسی طرح پہلے مصرع میں شروع میں جو لفظ ''سری'' ہے وہ اسم ہے اور اس سے مراد حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ پہلے مصرع میں بعد میں جو لفظ ''سری'' ہے وہ سنسکرت اور فارسی دونوں زبانوں کا لفظ ہے۔ سنسکرت میں یہ لفظ مذکر ہے اور اس کا معنی تیر کا گز ہے اور فارسی میں یہ لفظ مؤنث ہے معنی سرداری وغیرہ ہے۔ اس شعر کی دونوں تجنیسات بھی

متفرق ہیں۔ایک تجنیس کامل مماثل ہے اور دوسری تجنیس کامل مستوفی ہے۔اس شعر کی ایک خوبی یہ ہے کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور سرداری کے حصول کے لیے حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واسطہ دیا ہے۔گویا مسمّٰی کی صفت اجاگر کررہے ہیں۔کیوں کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات شہرۂ آفاق تھی، یہاں تک کہ جانوراور پرند بھی آپ کی ولایت کے قائل تھے اور آپ کا ادب واحترام بجالاتے تھے اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

حضرت کے ماموں شہر کے حاکم تھے۔ایک دن ان کا گزر جنگل میں ہوا۔ وہاں پر حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے روٹی کھارہے تھے اور قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک کتے کو بھی روٹی کھلا رہے تھے۔آپ کے ماموں نے کہا کہ کتے کے قریب کیوں روٹی کھارہے ہو؟ آپ نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک پرندہ ہوا میں اڑرہا ہے۔آپ نے اس کو آواز دی۔ پرندہ حکم پاتے ہی نیچے اترآیا اور آپ کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا،لیکن پرندے نے اپنا منھ اور اپنی آنکھیں اپنے پر میں چھپالیں۔حضرت معروف کرخی نے اپنے ماموں سے فرمایا کہ دیکھو جو شخص خدائے تعالیٰ سے شرم کرتا ہے ہر چیز اس سے شرم کرتی ہے۔آپ کے ماموں نے آپ کی یہ شان دیکھی تو بہت حیران ہوئے۔ (تذکرۂ مشائخ رضویہ)

آپ کی شہرت کا عالم یہ تھا کہ جب آپ کا وصال ہوا تو تمام مذاہب والوں نے دعویٰ کیا کہ آپ کا جنازہ ہم اٹھائیں گے، چنانچہ یہودی ترساں اور مسلمان سبھی اس کے دعویدار تھے۔ بات تنازعہ اور جھگڑے تک پہنچ گئی۔آپ کے خادم نے کہا کہ حضرت نے مجھ سے وصیت فرمائی جو قوم میرا جنازہ زمین سے اٹھالے، وہی قوم میری تجہیز و تکفین کرے گی۔سب سے پہلے یہودیوں نے کوشش کی لیکن وہ جنازہ نہ اٹھاسکے، پھر قوم ترساں نے محنت کی وہ بھی ناکام رہے آخر میں مسلمانوں نے جنازہ اٹھالیا اور آپ کو دفن کیا۔(تذکرۂ اولیا،ص ۲۳۱،خزینۃ الاصفیاء،ص ۷۷)

حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے عشق میں ایسے سرشار تھے کہ آپ بسا اوقات اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتے۔ آپ پہلے تجارت کرتے تھے بعد میں دنیادی امور سے سبکدوش ہو کر عبادت وریاضت میں محو ہو گئے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے حقائق و معارف بغداد میں نشر فرمائے۔ عراق کے بہت سے مشائخ آپ کے سلسلہ ارادت سے منسلک تھے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی آپ کے بھانجے اور مرید تھے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ طریقت جیسا پیر کامل کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ آپ نے اپنے آپ کو خدا کی محبت میں اتنا گھلا دیا کہ دنیا و مافیہا کی رغبت ہی نہ رہی بلکہ دنیا کی کسی نعمت کے حصول پر خدا کا شکر بجالانے کو بھی آپ مناسب نہ سمجھتے تھے۔

جس زمانے میں آپ تجارت کرتے تھے اور بغداد کے بازار میں آپ کی دکان تھی۔ اس زمانہ کو یاد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ تیس سال ہو گئے کہ میں ایک شکر خدا بجالانے پر استغفار کرتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا، وہ کس طرح؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ایک روز بغداد کے بازار میں آگ لگ گئی۔ جس کی وجہ سے بازار کی تمام دکانیں جل گئیں، لیکن میری دکان جلنے سے محفوظ رہی۔ اس وقت میں اپنے گھر میں موجود تھا۔ ایک شخص نے آکر خبر دی کہ آپ کی دکان نہیں جلی۔ میں نے اس پر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' کہا، بعد میں خیال آیا کہ گویا اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے بہتر جانتا ہوں اور دنیا کی سلامتی پر شکر کیا۔ اپنے اس قصور پر مسلسل تیس سال سے استغفار کر رہا ہوں۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۳۷، مسالک السالکین)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مذکورہ واقعات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے حضرت معروف کرخی کے واسطے سے بھلائی ونیکی اور حضرت سری سقطی کے واسطے سے رہنمائی مانگ رہے ہیں۔ صرف ایک ہی مصرع میں دو جلیل القدر اولیائے ملت اسلامیہ کے صفات کا

ذکر کر دینا اور ان صفات کے تناسب سے محاسن کا بارگاہ خداوندی میں سوال کرنا، اور صرف ایک ہی مصرع میں ایک ساتھ دو تجنیسات کا استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ کلام کی جامعیت اور معنویت کو برقرار رکھنا اور صرف ایک مصرع میں اس طرح جملہ کی بندش کرنا کہ پورا مطلب واضح طور پر بیان ہو جائے اور پہلے مصرع کے مفہوم کو ذہن نشیں کرنے کے لیے دوسرے مصرع کی ضرورت نہ رہے۔ یہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہی حصہ ہے۔ سب کے بس کی بات نہیں۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کتنے نفیس انداز میں بارگاہ خداوندی میں التجا کرتے ہیں کہ جند حق میں گن یعنی حق کے لشکر میں شمار کر۔ اس ایک ہی جملہ میں حضرت رضا بریلوی نے بہت کچھ فرما دیا ہے۔ جند حق کون ہے؟ جند حق کا اطلاق کن پر ہوسکتا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ آج ہر گروہ اور ہر فرقہ اپنے کو جند حق میں شمار کرتا ہے۔ کوئی بھی شیطانی گروہ اپنے کو جماعت ابلیس میں شمار کرنے کے لیے راضی نہیں، چاہے وہ بڑے چھوٹے شیاطین الانس پر مشتمل جماعت ہی کیوں نہ ہو، لیکن سب کو جند حق کے سپاہی کا لیبل لگانا ہے۔ عربی زبان میں جند کے معنی اور حزب کے معنی قریب قریب مساوی ہیں۔ لغت میں حزب کے معنی، گروہ، جماعت وغیرہ کے آتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۵۶۷) اب ہم قرآن کی روشنی میں پرکھیں اور جانچیں کہ حزب اللہ یا جند حق کس کو کہا جائے۔ قرآن شریف میں ہے:

”لَا تَجِدُ قَوْماً یُّؤْ مِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآ دُّوْنَ مَنْ حَآدَّاللّٰہَ وَرَسُوْ لَہٗ وَلَوْ کَانُوْا اٰبَآئَھُمْ اَوْ اَبْنَائَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“ (سورۃ المجادلہ، آیت ۲۲)

ترجمہ: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی، اگر چہ ان کے وہ باپ یا بھائی ان کے کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اللہ کی جماعت یا اللہ کا گروہ یا اللہ کا لشکر کی صاف وضاحت فرمادی کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھے وہ ہرگز ان لوگوں سے دوستی نہیں کرے گا جنہوں نے اللہ اور رسول کی مخالفت کی۔ پھر یہ مخالفت کرنے والے ان کے باپ، بھائی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، سچا مسلمان ان دشمنان خدا اور رسول سے ہرگز تعلق نہیں رکھے گا۔ تو جس مومن نے اللہ اور رسول کے دشمنوں سے علاقہ محبت اور دوستی منقطع کر لی اور قطع تعلق کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ اللہ اور رسول کے دشمن اور مخالف ہیں تو اس قطع تعلق کرنے والے کو اللہ تعالیٰ انعامات سے نوازتا ہے۔ ان کے دلوں میں ایمان کو مضبوط فرمانے کے ساتھ ساتھ روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی مدد فرماتا ہے۔ اس کے باوجود انعامات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، بلکہ جاری ہے۔ اب بڑے بڑے انعامات شمار کرائے جارہے ہیں۔ اللہ انہیں جنت میں داخل فرمائے گا اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

سب سے بڑا انعام جس سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہوسکتا وہ یہ ہے کہ اللہ ان سے راضی ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی رحمتوں اور نعمتوں کا اتنا زیادہ انعام واکرام کرتا رہے گا کہ ان کا وہم وگمان بھی ان انعامات کے پانے کا نہ ہوگا۔ لیکن رب کریم اپنے کرم سے انہیں اتنا زیادہ عطا فرمائے گا، یہاں تک کہ رب کی عطا سے راضی ہوجائیں گے۔ اتنے پر ہی بس نہیں، بلکہ اب ان کو حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت کا تمغہ عطا ہورہا ہے۔ صرف تمغہ ہی عطا نہیں کیا جارہا

ہے، بلکہ یہ بھی اعلان کیا جارہا ہے کہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب و کامران ہے۔صرف اسی آیت مبارکہ کے ضمن میں بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔اگر قارئین کرام کو اس آیت کی ایمان افروز تفسیر وتشریح ملاحظہ کرنی ہوتو وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب ''تمہید ایمان بآیات قرآن'' کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

المختصر! اس آیت سے وہ حضرات سبق لیں جو اپنے آپ کو سنی مسلمان کہنے کے باوجود ان لوگوں سے رشتۂ الفت ومحبت قائم کئے ہوئے ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول کی شان میں گستاخیاں کی ہیں، مثلاً: فرقۂ نجدیہ، وہابیہ، دیوبندیہ، غیر مقلدیہ، تبلیغیہ وغیرہم۔

سلسلۂ گفتگو یہ تھا کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جندحق میں شمار ہونے کی دعا کی ہے۔اس لفظ میں حضرت رضا نے اشارۃً وکنایۃً بہت بڑی بات کہہ دی ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے شعر میں لفظ ''گن'' یعنی شمار کر فرما کر اپنے رب کریم کی شان رحیمی اور رحمانی بیان کر کے شعر میں ایک نئی جان ڈال دی ہے۔

حضرت رضا بریلوی جندحق میں شمولیت کی دعا کی مقبولیت اور اجابت کے لیے حضرت سیدالطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واسطہ دے رہے ہیں۔لفظ جنید جند کا اسم تصغیر ہے۔یعنی چھوٹا لشکر۔شعر میں الفاظ کی بندش اور برجستگی پر بے ساختہ صدائے تحسین نکل پڑتی ہے۔اس مصرع میں لفظ جنید سے مراد سیدالطائفہ، طاؤس العلماء، شیخ علے الاطلاق، منبع اسرار، سلطان طریقت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔اگر تھوڑی دیر کے لیے اس مراد کو حذف بھی کرلیا جائے اور صرف ظاہری اور لغوی معنی ہی اخذ کئے جائیں، پھر بھی شعر کا مطلب ایک ہی انداز سے برقرار رہتا ہے، کیوں کہ حضرت رضا بریلوی نے جنید کے ساتھ باصفا کو موصوف اور صفت کی اضافت سے مرکب کیا ہے تو اب معنی یہ ہوں گے کہ اے اللہ! تیرے اس چھوٹے لشکر کے صدقے کہ جو پاکیزہ گروہ ہے۔اس پاک گروہ کے طفیل مجھے جندحق یعنی حزب اللہ میں شمار کر۔حالاں کہ ''جنید باصفا'' سے حضرت رضا بریلوی کی مراد

حضرت شیخ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ’’باصفا‘‘ یعنی صفائی قلب والا، تقویٰ وطہارت والا وغیرہ لفظ کا استعمال فرما کر ان کے شایان شان خراج عقیدت پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاکیزگی اور طاعت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ آپ کا تیس سال تک یہ معمول رہا کہ عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہوکر صبح تک اللہ اللہ کہا کرتے۔ اور اسی وضو سے آپ صبح کی نماز ادا کرتے یہاں تک کہ آپ کا ہی قول ہے کہ بیس برس تک پہلی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی اور نماز میں اگر دنیا کا خیال آجاتا تو میں نماز دوبارہ ادا کرتا اور اگر بہشت وآخرت کا خیال آتا تو سجدہ سہوادا کرتا۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص ۲۷۷، شجرۃ الکاملین، ص ۱۵۰)

حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ کسی مرید کا درجہ آپ سے بلند ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہوا ہے۔ جنید بغدادی مجھ سے بلند درجہ رکھتا ہے، حالاں کہ وہ میرا مرید ہے۔

حضرت سہل تشتری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جنید صاحب آیات سباق غایات ہیں۔ باوجود اس کے دل نہیں رکھتے مگر فرشتہ صفت ہیں۔ شیوۂ معرفت وکشف توحید میں آپ کی شان نہایت ارفع واعلیٰ ہے۔ آپ مجاہدہ ومشاہدہ میں ’’آیت من آیت اللہ‘‘ ہوئے ہیں۔ (مسالک السالکین، ص ۳۰۱)

آپ کی بے شمار کرامات ہیں جن کا شمار وتذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایسا کشف عطا فرمایا کہ سر باطن پر بھی آپ مطلع ہوجاتے تھے۔

آپ کا ایک مرید جو بصرہ میں رہتا تھا۔ اس کے دل میں ایک روز گناہ کا خیال پیدا ہوا۔ یہ برا خیال آتے ہی اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا۔ جب اس نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی تو گھبرایا اور شرم وندامت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا بھی ترک کردیا، لیکن تین روز کے بعد اس کے

چہرے کی سیاہی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی، یہاں تک کہ بالکل دور ہوگئی اور اس کا چہرہ پہلے کی طرح پھر خوشنما اور روشن ہوگیا۔ ناگاہ ایک شخص نے آکر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اندر سے پوچھا کون؟ آنے والے نے کہا کہ حضرت جنید کا خط لایا ہوں۔ اس نے خط لے کر جو پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ اپنے دل کو قابو میں رکھو۔ آج مجھے تین دن سے دھوبی کا کام کرنا پڑا ہے، تاکہ تمہارے چہرے کی سیاہی دور ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص۲۹۴)

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک مجوسی اپنے گلے میں صلیب ڈال کر اوپر سے مسلمانوں کا لباس پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضور! ایک حدیث شریف کا مطلب واضح نہیں ہورہا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

''اِتَّقُوْا فَرَاسَۃَ الْمُؤمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ''یعنی مومن کی فراست (دانائی، معاملہ فہمی) سے ڈرو، اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اس کا مطلب کیا ہوا؟ آپ نے اس کا سوال سن کر تبسم فرمایا اور پھر فرمایا کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنا صلیب توڑ، کفر چھوڑ اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجا۔ مجوسی نے آپ کا یہ جواب سنا تو دنگ رہ گیا اور فوراً کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

(تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، ص۱۹۶)

آپ کے وصال کے بعد جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ایک سفید کبوتر آیا اور جنازے کے ایک کونہ پر بیٹھ گیا۔ لوگوں نے اسے اڑانے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ اٹھا۔ اس نے کہا کہ مجھے اور اپنے آپ کو رنج نہ دو، کیوں کہ میرے پنجے عشق کی میخ کے جنازے کے کونے سے مس ہوئے ہیں۔ اے لوگو! تم جنازہ اٹھانے کی تکلیف نہ کرو، کیوں کہ آج آپ کا قالب فرشتوں کے حصہ میں ہے۔ اگر تم شوروغوغہ نہ کرتے تو آپ کا جسم سفید باز کی طرح اڑتا ہوتا۔

(تذکرۂ مشائخ)

آپ کا وصال ۲۷/رجب المرجب ۲۹۷ھ یا ۲۹۸ھ کو ہوا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی دعا بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت سے نوازی گئی اور آپ کو جند حق میں صرف شمولیت ہی نہیں، بلکہ سرداری حاصل ہوئی اور آپ اپنے دور کے اہل حق کی جماعت کے مقتدا اور پیشوا کی حیثیت سے ابھرے اور آج بھی آپ ''امام اہل سنت'' کے مبارک لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے سورۃ مجادلہ کی مذکورہ آیت کو مشعل راہ بنا کر اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس کے سانچے میں ڈھالا اور آخری سانس تک اس پر عمل پیرا رہے۔

❁......❁......❁

(99)

ان پر درود جن کو کس بے کساں کہیں
ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے

حل لغت:

کس: زور، طاقت، بل، امتحان، آزمائش، چاشنی، تلوار کی خمیدگی، مضبوطی، حقیقت، پہاڑی بارش سے بہنے والا نالہ، تاؤ، سونے کا کس، گھی کا کس، یار، ساتھی، رفیق، شریف مرد، لائق آدمی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۰۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۹)

بے کس: اکیلا، محتاج، کنگال، مسافر، پردیسی، یتیم، بے یار و مددگار، دوست آشنا کے بغیر تنہا۔

(فیروز اللغات، ص ۲۴۸)

خبر: اطلاع، آگاہی، واقفیت، پیغام، سندیسہ، حدیث نبوی، پتہ، نشان، سراغ، ہوش، سدھ بدھ، حال سناؤنی، مدت کی اطلاع، کسی کی بات سننا۔

(فیروز اللغات، ص ۵۸۴ ☆ لغات کشوری، ص ۲۵۲ ☆ کریم اللغات، ص ۶۲)

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''خبر'' کا مطلب ''اطلاع'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسرے لفظ ''خبر'' کا مطلب ''حال'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات و تصرفات اور علم و اطلاع ما کان و ما یکون کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان پر درود ہو جو محتاج و بے یار و مددگار کی طاقت اور اس کے مددگار ہیں

اوران پرسلام ہوجن کو ہر بے خبر کی خبر ہے۔اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے پہلے مصرع میں درود اور دوسرے مصرع میں سلام کا لفظ استعمال فرمایا ہے یعنی درود کو سلام پر مقدم رکھا ہے۔ایسا کیوں؟ جواب سنیے: اس لیے کہ قرآن مجید کی جس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا ہے اس میں درود کو مقدم اور سلام کو مؤخر ذکر فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا''

ترجمہ: بیشک اللہ اوراس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو! تم بھی ان پرخوب درود وسلام بھیجو۔حضرت رضا بریلوی نے اس آیت کریمہ کی اتباع کرتے ہوئے اپنے شعر میں درود کے لفظ کو پہلے اور سلام کے لفظ کو بعد میں ذکر فرمایا ہے۔

اس شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''کس بے کساں'' کا جملہ استعمال فرمایا ہے۔یعنی بے یارومددگار اور محتاجوں کے حامی اور مددگار۔اور یہ سچ ہے کہ جس کا کوئی حامی و مددگار نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے حامی اور مددگار ہیں۔اس مضمون کی متعدد احادیث وارد ہیں جن سب کا ذکر یہاں ممکن نہیں،صرف چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف اپنی امت ہی کو نہیں، بلکہ پوری کائنات کو پناہ دینے والے ہیں۔

- امام بخاری حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ توریت مقدس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت میں لفظ ''حرزا'' یعنی ''پناہ'' وارد ہے۔
- علامہ زرقانی شرح مواہب شریف میں فرماتے ہیں کہ ''جَعَلَ نَفْسَہٗ حِرْزاً مُبَالَغَۃً لِحِفْظِہٖ لَھُمْ فِی الدَّارَیْنِ ''یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو پناہ دینے والے ہیں،

مگر رب تبارک وتعالیٰ نے حضور کو بطور مبالغہ خود پناہ کہا (جیسے عادل کو عدل یا عالم کو علم) کہتے ہیں اور اس صفت کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت میں امت کے محافظ ونگہبان ہیں۔

- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ "كَانَ مِنْ دَلَالِهِ حَمْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ كُلَّ دَابَّةٍ كَانَتْ لِقُرَيْشٍ نَطَقَتْ تِلْكَ الَّيْلَةَ وَقَالَتْ حَمْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَبُّ الْكَعْبَةِ هُوَ اَمَانُ الدُّنْيَا وَسِرَاجُ اَهْلِهَا"

ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حمل مبارک کی نشانیوں سے تھا کہ قریش کے جتنے چوپائے تھے سب نے اس رات کلام کیا اور کہا کہ رب کعبہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حمل میں تشریف فرما ہوئے۔ وہ تمام دنیا کی پناہ اور اہل عالم کے سورج ہیں۔

(الامن والعلیٰ، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۲۸)

- امام ترمذی اور ابن ماجہ نے امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مَوْلٰى مَنْ لَا مَوْلٰى لَهٗ" یعنی جس کا کوئی نگہبان نہ ہو اللہ ورسول اس کے نگہبان ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ مناوی اپنی کتاب "تیسیر" میں فرماتے ہیں کہ "اَیْ حَافِظٌ مَنْ لَّا حَافِظَ لَهٗ" یعنی ارشاد حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کا کوئی حافظ نہیں، اللہ اور رسول اس کے حافظ ہیں۔ اور ان تمام احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ جن کو کس بے کساں کہیں۔

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں "جن کو خبر بے خبر کی ہے۔" اس مصرع میں آپ نے لفظ "خبر" کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ "خبر" ہے اس کا

مطلب آ گاہی اور اطلاع ہے اور دوسری مرتبہ جو ''خبر'' ہے اس کا مطلب حال ہے۔ دونوں لفظ ''خبر'' اعراب وحروف کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شعر وادب کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں جو آخر میں لفظ ''خبر'' ہے وہ حال یعنی احوال، خاتمہ، انجام، نتیجہ وغیرہ کے معنی میں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے امتیوں کی تو خبر ہے ہی، لیکن امتیوں کا کیا حال ہوگا؟ وہ کب مریں گے؟ کیا عمل کریں گے؟ جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں؟ ان تمام امور کی بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہے۔ آج کے پُرفتن دور کے منافقین وہابی، نجدی، دیوبندی، تبلیغی وغیرہ فرقۂ باطلہ یہ عقیدہ رائج کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں اور قیامت میں ان کے ساتھ اور ان کی بیٹی خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، اس کی بھی خبر نہیں، بلکہ فرقۂ وہابیہ کے پیشوا مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب ''براہین قاطعہ'' میں تو یہاں تک لکھ دیا کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں تھا۔

چند احادیث بعد اختصار قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہیں جن کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے تمام امتیوں کے احوال کی خبر ومعلومات ہے۔

- بخاری شریف میں امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''قَامَ فِيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ'' یعنی ایک بار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضور نے خلق کی ابتداء سے لے کر یہاں تک کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں جائیں گے، سب احوال کی

ہمیں خبر دی۔

● صحیح مسلم شریف کی حدیث میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ''فِیْ خُطْبَتِہٖ صَلَی اللّٰہ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْفَجْرِ اِلَی الْغُرُوْبِ وَفِیْہِ اَخْبَرَنَا بِمَا کَانَ وَبِمَا ھُوَ کَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا''

ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح سے لے کر غروب تک جو خطبہ فرمایا اس میں سے یہ الفاظ ہیں کہ جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے اس سب کی ہمیں خبر دی۔ ہم میں زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ یاد رہا ہو۔

● صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ انھوں نے فرمایا ''قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَکَ شَیْئًا یَکُوْنُ وَمَقَامُہٗ ذَالِکَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا حَدَّثَ بِہٖ''

ترجمہ: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضور نے وقت قیام سے روز قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا کچھ نہ چھوڑا بلکہ سب بیان فرما دیا۔

● ترمذی شریف کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''فَعَلِمْتُ مَا فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ '' یعنی میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب جان لیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ''فَعَلِمْتُ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ '' یعنی جو کچھ مشرق سے مغرب تک ہے سب مجھے معلوم ہو گیا۔

● مسند امام احمد اور طبقات ابن سعد اور معجم کبیر طبرانی کی حدیث بہ سند صحیح حضرت ابوذر غفاری و نیز ابویعلی اور ابن منیع اور طبرانی کی حدیث حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہ دونوں صاحبوں نے فرمایا ''لَقَدْ تَرَکْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّم

وَمَا يُحَرِّكُ طَائِرٌ جَنَا حَيْهِ فِيْ السَّمَاءِ اِلَّا ذَكَرَ لَنَا مِنْهُ عِلْمًا ''یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا نہیں جس کا علم حضور نے ہم سے ذکر نہ فرمایا ہو۔

یہ پانچوں احادیث مبارکہ ماخوذ از: (الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۲۵۹ تا ص ۲۶۱)

- امام ابن حجر مکی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''اَلْـفَـضْـلُ الْـكُبْـرىٰ لِـقُـرَّاءِ اُمِ الْقُرىٰ'' میں فرماتے ہیں ''لِاَنَّ اللّٰـهَ تَـعَالىٰ اَطْلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ فَعَلِمَ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخَرِيْنَ وَمَا كَانَ وَمَايَكُوْنُ''

ترجمہ: یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سارے جہاں کا علم دیا تو حضور نے تمام اگلوں پچھلوں کا علم اور جو کچھ گزر رہا ہے اور ہونے والا ہے سب جان لیا۔

اس قسم کی متعدد احادیث و اقوال ائمہ کرام سے دفاتر بھرے پڑے ہیں جن سب کا ماحصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کے ذرہ ذرہ کے علوم سے آگاہ فرمایا ہے اور اسی کو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں ''ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے''

حضور اقدس عالم ما کان و ما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے تعلق سے کچھ گفتگو شعر نمبر 9 ''فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انھیں'' کی تشریح میں بھی کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

(100)

جان ہلکان ہوئی جاتی ہے
بارِ سا بار ہے کیا ہونا ہے

حلِ لغت:

جان: روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، قوت، ہمت، حوصلہ، تاب تواں، جوہر، مغز، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیارا بیٹا، خوبی، خوبصورتی، زیب وآرائش، بچہ، پیار کا کلمہ۔

(فیروز اللغات، ص۴۴۳ ☆ لغات کشوری، ص۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص۴۶)

ہلکان: تھکا ماندہ، نیم جان، مضمحل۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۴۵)

بار: بوجھ، گرانی، وزن، اسباب، دخل، آمیزش، گویوں کا ساز، رسائی، نوبت، مرتبہ، دفعہ، شمار، اجازت، حمل، گربھ، قرض، ذمہ داری، ثمر، پھل، دربار، عدالت، جناب، جلیل، بزرگ، ناگوار، تکلیف دہ، برسنے والا، برسانے والا، گوہر، گوہر بار کے ساتھ بطور تابع مثلاً: کاروبار کسی چیز کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے مثلاً: جوئے بار اور سنگ بار اور انبار، نصیب، رخصت، درخت کی جڑ، کام، بارگاہ، ہر چیز کی زیادتی۔

(فیروز اللغات، ص۱۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۷۸)

بار: عرصہ، دیر، نوبت، مرتبہ، دفعہ، موقع، گھر کے ساتھ بطور تابع مثلاً: گھر بار یعنی اہل و عیال، ہفتہ کا دن، شنبہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۶۴)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''بار'' کا مطلب ''تکلیف دہ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''بار'' کا مطلب ''بوجھ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ شعر امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس نعت کا ہے جس کا بہت ہی مختصر تذکرہ شعر نمبر 87

نفس پُر زور کا وہ زور اور دل

زیر ہے زار ہے کیا ہونا ہے

کی تشریح میں کیا گیا ہے۔ یہ شعر اس نعت کا سولہواں شعر ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''جان'' یعنی روح یا زندگی مضمحل و نیم جان ہوئی جاتی ہے۔ نیم جان اس کو کہتے ہیں جو زندگی سے مایوس ہو جائے یعنی ادھ مرا جو قریب المرگ ہوتا ہے اور اس کی وجہ مصرع ثانی میں بتائی ہے ''بار سا بار ہے'' یعنی تکلیف دہ اور ناگوار بوجھ آپڑا ہے اور اس بوجھ سے مراد عصیاں، گناہ وغیرہ ہیں۔

اس شعر میں لفظ ''بار'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''بار'' ہے اس کا معنی تکلیف دہ، ناگوار، دشوار وغیرہ ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''بار'' ہے اس کا معنی بوجھ، وزن اور گرانی وغیرہ ہے۔ دونوں لفظ ''بار'' معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہیں، لیکن حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں بھی حضرت رضا بریلوی نے ملت اسلامیہ کو ایک عظیم پیغام دیا ہے کہ ہم رات دن گناہوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور گناہوں کا بوجھ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب اس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ہمارے تحمل اور بساط کے باہر معاملہ ہے اور اس بوجھ نے ہم کو مضمحل کر دیا ہے۔ یہاں پر حضرت رضا نے جان کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد جان

ایمان ہے۔ ہمارا ایمان اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ اب اس کے بچنے یا نہ بچنے کا مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے، کیوں کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ دل کے اعتقاد اور دل کے ارادے پر ایمان کا انحصار ہے، لیکن اب ہمارا دل گناہوں کے ارتکاب سے ایسا بوجھل ہوگیا ہے کہ اس میں اب حرارت ایمان کا فقدان محسوس ہو رہا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''بلا شبہ جب مؤمن بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ کا نقطہ لگ جاتا ہے۔ پس اگر وہ توبہ واستغفار کرلے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا۔''

(ترمذی شریف)

نوٹ: اس حدیث کی عربی عبارت شعر نمبر 75 کی تشریح میں درج ہے۔

حدیث میں ہے کہ مسلمان کے نزدیک تو گناہ ایک پہاڑ سے کم نہیں ہوتا اور اسے ہمیشہ خوف رہتا ہے کہ یہ پہاڑ کہیں اس کے سر پر پھٹ نہ پڑے اور منافق کے نزدیک گناہ کی حیثیت ایک مکھی سے زیادہ نہیں جو ناک پر بیٹھ جائے اور اڑ جائے۔ اس لئے وہ گناہ سے خائف نہیں ہوتا۔

ایک صحابی کا قول ہے کہ لوگ بڑے بڑے گناہ کر گزرتے ہیں اور اسے بال کے برابر حقیر سمجھتے ہیں، حالاں کہ ہمارے نزدیک ہر گناہ پہاڑ کے برابر ہوتا ہے، کیوں کہ ہم اس راز کو جانتے ہیں کہ کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب پوشیدہ نہ ہو۔ گناہ جتنا ہی بڑا ہوگا اتنا ہی قہر الٰہی اس میں پنہاں ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ جس گناہ کو لوگ آسان ترین تصور کر رہے ہوں وہی حق تعالیٰ کے قہر وغضب کا باعث ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ تم جس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری تھی۔ اب ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ ہم کتنے گناہوں میں ملوث ہیں۔ حدیث شریف کے ارشاد کے مطابق مؤمن کے نزدیک ہر

گناہ ایک پہاڑ کی حیثیت رکھتا ہے یعنی پہاڑ جتنا بوجھ اس پر پڑتا ہے۔ تو ہمارے اوپر ایسے کتنے پہاڑوں کا بوجھ لد چکا ہے۔

علاوہ ازیں گناہ کرنے سے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے اور پھر گناہ پر اصرار کرنے سے وہ نقطہ بڑھ کر پورے دل کو سیاہ کر دیتا ہے اور دل جب سیاہ ہو جاتا ہے تو پھر اس میں ایمان کی حرارت نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر میں مسلمانوں کی حالت دن بہ دن خستہ ہوتی جا رہی ہے، کیوں کہ ایمان کی حرارت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا حوصلہ پست ہو گیا ہے اور وہ بزدلی اور پس ماندگی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ایمان کی جان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی تعظیم و توقیر بجالانا ہے اور حضور کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرامین وارشادات پر کامل طور پر عمل کیا جائے اور ان ارشادات کی روشنی میں شریعت مطہرہ کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہوئے ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب و پرہیز کیا جائے، لیکن افسوس کہ محبت کا دعویٰ تو ہم بڑے ہی طمطراق کے ساتھ کرتے ہیں لیکن میدان عمل میں راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا ایمان کی حلاوت اور حرارت کا صحیح لطف حاصل کرنے کے لیے گناہوں سے دور رہنا لازمی اور ضروری ہے۔ نیک اعمال سے ایمان کی ضیاء میں اور جلا میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے برعکس بقول حضرت رضا بریلوی ''جان ہلکان ہوئی جاتی ہے۔'' یہ ہماری جان نیم مردہ ہو جائے گی۔ اس کی قوت برداشت بھی کتنی ہے؟ معمولی سی۔ وہ گناہوں کا بوجھ کب تک اٹھاتی رہے گی؟ اور گناہوں کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ گناہ ''بارسا بار'' یعنی تکلیف دہ بوجھ ہیں، کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں تکالیف جھیلنی اور برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

(101)

یہ گھر یہ در ہے اس کا جو گھر در سے پاک ہے
مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے

حل لغت:

گھر: مکان، خانہ، رہنے کی جگہ، مسکن، ٹھکانہ، کیس، بھٹ، کھوہ، بل، گھونسلا، آشیانہ، وطن، دیس، جائے پیدائش، خاندان، گھرانا۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۲۲)

در: چوکھٹ، بیچ، اندر میں۔

(فیروز اللغات، ص۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص۲۸۳ ☆ کریم اللغات، ص۷۰)

مژدہ: خوش خبری، بشارت، مبارکباد، تہنیت۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۴۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۹۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۵۲)

صلا: پکار، آواز، دعوت عام کرنا، آواز دینا واسطے کھانا کھلانے یا کچھ دینے کے لیے۔

(فیروز اللغات، ص۸۶۴ ☆ لغات کشوری، ص۴۴۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۲)

اچھا: برا کی ضد، بہتر، مناسب، ٹھیک، درست، تندرست، بے روگ، بہت خوب، مبارک، نیک، مسعود، مفید، سزاوار، موافق، افضل، اعلیٰ، تسلی، اطمینان، دیکھا جائے گا، سن لیا، اجازت ہے۔ (فیروز اللغات، ص۷۱)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''گھر'' کا مطلب ''خانہ کعبہ'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''گھر'' کا مطلب ''مسکن'' ہے۔

دوسرے مصرع والے لفظ ''گھر'' کا مطلب ''ٹھکانہ، گنبد خضریٰ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مکہ معظّمہ کی زیارت کرلینے کے بعد مدینہ منورہ جانے کا عزم کرنے والے زائرین سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ اے مکہ معظّمہ اور بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونے والے حجاج کرام! اس وقت تم مقدس شہر مکہ معظّمہ میں خانہ کعبہ کی زیارت سے بہرہ مند ہورہے ہو۔ یہ خانہ کعبہ اس کا گھر ہے جو گھر اور در سے پاک ہے اور اللہ کے گھر یعنی بیت اللہ شریف کی زیارت کے بعد اے بے گھرو! تم کو اچھے گھر یعنی گنبد خضریٰ کی حاضری کے لیے پکارا جارہا ہے اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے پہلے مصرع میں دو مرتبہ اور دوسرے مصرع میں ایک مرتبہ یعنی تین مرتبہ لفظ ''گھر'' کا استعمال فرمایا ہے۔ تینوں لفظ ''گھر'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں اور معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے فصاحت وبلاغت اور طرز وبیان کی انتہا کردی ہے۔ شعر کی ابتدا میں فرماتے ہیں کہ ''یہ گھر، یہ در ہے اس کا'' یعنی خانۂ کعبہ اس کا گھر ہے۔ کس کا؟ جو گھر در سے پاک ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ حضرت رضا بریلوی خانۂ کعبہ کو اللہ کا گھر اور اللہ کا در کہنے کے ساتھ یہ بھی فرمارہے ہیں کہ اللہ کی ذات گھر اور در سے پاک ہے، یعنی ایک طرف تو اللہ کا گھر اور در بھی کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف اللہ کو گھر اور در سے پاک بھی کہہ رہے ہیں۔ اس معمہ کو حل کرنے کے لیے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے استعمال کردہ تینوں لفظ ''گھر'' کے معنی پر غور کریں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ گھر ہے اس سے مراد خانہ کعبہ ہے دوسری مرتبہ جو لفظ گھر ہے اس کے معنی مکان ہے۔ تیسری مرتبہ جو لفظ گھر ہے اس سے مراد گنبد

خضریٰ ہے۔

حضرت رضا بریلوی نے خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر اور اللہ کا در کہا ہے۔اس سے مراد اصطلاحی اور مجازی معنی ہیں اور اللہ تعالیٰ گھر در سے پاک ہے اس میں گھر کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ کیوں کہ گھر کا اطلاق ایک مخصوص و محدود عمارت پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تمام صفات غیر محیط، غیر محدود اور غیر متناہی ہیں جو کسی احاطہ میں نہیں آسکتیں، بلکہ اس کا کسی احاطہ میں آنا ممکن ہی نہیں ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ زمان و مکان سے پاک اور منزہ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی مخصوص مکان و مقام میں ہونا محدود و متناہی ہونے کو مستلزم ہے جو شرعاً و عقلاً غلط ہے۔اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی معنی میں مکان و مسکن ثابت کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ مکان میں کوئی فرد داخل ہوتا ہے تو اس کا ایک مخصوص ٹھکانہ اور حیز ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر زید مکان میں ہے، کہنے سے زید کے لیے مکان و جہت کا تعین ہو جاتا ہے۔ یعنی زید اس مکان میں ہے جس کو دیواروں نے مشرق و مغرب، شمال و جنوب اور فوق و تحت سے گھیر رکھا ہے۔ زید اس مکان کے حدود کے مابین محدود، محیط اور منتہیٰ ہے اور وہ مکان اس کا مسکن ہے۔ یہ اطلاق انسان پر تو صادق آتا ہے، کیوں کہ وہ جسم ہے لیکن خالق کائنات رب تبارک وتعالیٰ جسم و جسمانیت سے پاک ہے۔لہٰذا وہ مکان سے بھی پاک ہے۔لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان خانہ کعبہ کے لیے فرما رہے ہیں کہ اللہ کا گھر ہے تو یہ مجازی معنی مراد ہیں۔اسی لیے خانہ کعبہ کو ''بیت اللہ'' کہا جاتا ہے۔لغت میں بیت کے معنی گھر، حویلی مکان اور محل ہی ہیں۔لیکن ہمیشہ بیت اللہ سے مجازی معنی ہی مراد رہتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۲۵۱) لیکن یہ تمام تعبیریں مجازاً و عرفاً ہیں، حقیقتاً نہیں، صرف لغت ہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث میں کئی مقامات پر خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر کہا گیا ہے، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود خانہ کعبہ کو اپنا گھر فرمایا ہے۔

قرآن شریف میں ہے:

’’وَعَهِدْ نَآ اِلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعَاکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ‘‘ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم و اسمٰعیل کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کے لیے۔ (کنزالایمان)

ان تمام مقامات پر اللہ کا گھر سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں سکونت پزیر ہے۔ ویسے ہر مسجد کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے۔ اس سے بھی ہرگز یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ مسجد میں رہتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ اور اس کی قدرت کے کرشمے کائنات کے ہر ذرہ میں موجود ہیں، لیکن کسی خاص مکان و مقام کا تعین کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں مکین ہے۔ خانہ کعبہ یا کسی مسجد کو بیت اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت لوگوں کے دلوں میں جمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا گھر فرمایا اور خانہ کعبہ کی متابعت میں دنیا کی دیگر مساجد کو بھی بیت اللہ یعنی اللہ کے گھر کا شرف حاصل ہے۔ خانہ کعبہ اور دیگر مساجد کو اللہ کا گھر کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خانہ کعبہ اور دیگر مساجد بندہ کے لیے تقرب الی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، کیوں کہ ان مساجد میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور پرستش کی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خانہ کعبہ روئے زمین کا دل ہونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی دیگر مساجد اپنے اپنے شہروں کا دل ہونے کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اعضائے بدن میں دل کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اسی لیے قرآن مجید میں:

’’وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانْ‘‘ فرمایا گیا کہ آدمی کے کفر و ایمان کا دارومدار بھی دل کے اعتقاد پر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ غلام مسلمان آزاد مشرک سے بہتر ہے۔بہتر ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ایمان اور ایمان کا تعلق دل سے ہے اور دل کے اعتقاد کی وجہ سے سارے جسم پر مومن یا مشرک کا اطلاق ہوتا ہے۔قرآن میں یوں نہیں کہا گیا ہے کہ مومن کا دل مشرک کے دل سے بہتر ہے حالاں کہ جسمانی ہیئت میں بظاہر مومن اور مشرک دونوں مساوی ہیں لیکن دل کے اعتقاد نے ان کو دو گروہ میں منقسم کر دیا۔مومن کو اللہ پسند کرتا ہے اس کے دل کے اعتقاد کی وجہ سے اور مشرک کو ناپسند کرتا ہے اس کے دل کی خباثت واعتقاد کی وجہ سے۔معلوم ہوا کہ جسم کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے میں دل ذریعہ بنا اور دل کے اعتقاد نے نیک و بد کا فرق کر دیا۔الحاصل مساجد تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہونے سے ''اللہ کا گھر'' کے لقب سے مشرف ہوئیں۔

حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اَحَبُّ الْاَرْضِ اِلَی اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا وَاَبْغَضُ الاَرْضِ اِلَی اللّٰہِ اَسْوَاقُھَا''

یعنی زمین میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ اس کی مسجدیں ہیں اور ناپسندیدہ اس کے بازار ہیں۔

ہماری مندرجہ بالا گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خانۂ کعبہ کو اللہ کا گھر اور در کہا ہے اور وہ عین قرآن کے مطابق ہے اور قرآن میں خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر کہا گیا ہے، مگر حقیقۃً کعبہ اللہ کا مسکن نہیں ہے بلکہ اللہ سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔رہی بات یہ کہ جب اللہ اس میں رہتا نہیں تو پھر گھر کیوں کہا گیا ہے؟ جواباً عرض یہ ہے کہ گھر کا اطلاق ہمیشہ مسکن پر ہی نہیں ہوتا بلکہ محاورۃً دوست رکھنے اور محبت کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔مثال کے طور پر زید اور بکر میں بہت دوستی اور محبت ہے تو کہا جاتا ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کے دل میں گھر کر لیا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسی میں گھس گئے ہیں۔یا دونوں کے دل ایک دوسرے کی رہائش گاہ ہیں کیوں کہ یہ ممکن نہیں۔لغت میں دل میں گھر

کر جانا کا معنی لکھا ہے دوستی پیدا کرنا، محبت کرنا۔ (فیروز اللغات، ص ٦٤٠) خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر کہنے کو اس معنی میں لیا جائے گا کیوں کہ خانۂ کعبہ بندوں کو اللہ سے قریب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اور جو شئے بندوں کو اللہ سے قریب کرنے کا ذریعہ بنے وہ اللہ کو محبوب ہوتی ہے اور اسی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خانہ کعبہ کو ''بیتی'' یعنی اپنا گھر فرمایا اور اسی وجہ سے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر کہا ہے، لیکن خانہ کعبہ کو معاذ اللہ کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کا مسکن نہ سمجھ بیٹھے اسی لیے فوراً بعد یہ وضاحت بھی فرمارہے ہیں کہ جو گھر در سے پاک ہے۔ اللہ گھر اور در سے پاک ہے۔ بلکہ جہت ومکان سے بھی پاک ہے۔ یہ عقیدہ ہر مومن کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ جہت ومکان سے کیسے پاک ہے؟ اور اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ ایک طویل علمی بحث ہے۔ اس بحث سے رغبت اور دلچسپی رکھنے والے قارئین حضرات ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' (سورۃ طٰہٰ، آیت ۵) کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔

شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے۔ یعنی اے بے گھرو! ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے والو! خوش خبری ہو! مبارک ہو! تم کو اچھے گھر یعنی مدینہ طیبہ کی طرف کچھ دینے کے لئے بلایا جارہا ہے۔ اس مصرع میں لفظ ''صلا'' اور ''اچھے گھر'' قابل توجہ ہیں۔ لفظ ''صلا'' کے لغوی معنی حل لغت کے کالم میں درج ہے۔ لفظ صلا کا استعمال فرما کر حضرت رضا بریلوی نے شعر کی معنویت میں مزید اضافہ فرمادیا ہے۔ یہاں مدینہ طیبہ میں مانگنے والوں کو خود داتا بلارہے ہیں کہ میرے حضور آجاؤ۔ اپنے خالی دامن کو گوہر مراد سے بھرلو۔ ہماری پناہ میں آجاؤ۔ امن وامان حاصل کرلو۔ اچھے گھر والے کے گھر آکر اچھے بن جاؤ۔ گناہوں کی گندگیوں سے صیقل ہوجاؤ۔ ہمارے دربار میں حاضر ہوکر توبہ واستغفار کرو اور قبول توبہ کی ہم سے ضمانت حاصل کرلو۔ ہاں

ہاں، آجاؤ، ہمارا دربار وہ اعلیٰ دربار ہے کہ جہاں مانگنے والوں کو ''نا'' کہہ کر محروم نہیں لوٹایا جاتا، بلکہ اس کے وہم وگمان سے بھی زائد عطا کیا جاتا ہے۔ اپنے در کے سائلوں پر ہم نہایت مہربان اور کرم فرمانے والے ہیں۔ تمہاری عرض کو شرف قبولیت دلانے میں ہم تاخیر نہیں کرتے، بلکہ بقول حضرت رضا بریلوی:

منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

ہمارے دربار میں آکر جو بھی مانگنا ہو، دل کھول کر مانگو، جتنا ہو سکے اتنا مانگو۔ منھ مانگی اور من مانتی جو بھی مراد ہوگی ہم اپنے فضل وکرم سے پوری فرمادیں گے۔ تمہاری جو بھی مانگ اور تمنا ہے اسے رد نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو پورا کرنے سے انکار کیا جائے گا۔ بقول حضرت رضا بریلوی:

مانگیں گے مانگے جائیں گے منھ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہ مَوْلٰی مَنْ لَّامَوْلٰی لَہٗ'' یعنی جس کا کوئی نگہبان نہ ہو اللہ و رسول اس کے نگہبان ہیں۔

اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی ہے۔

نسائی نے عمرو بن شعیب سے، انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ جب ہوازن کا وفد خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر اپنے اہل وعیال اور اموال جن کو مجاہدین اسلام غنیمت میں لائے تھے حضور سے طلب کیا اور احسان فرمانے کے خواستگار ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ:

''اِذَا صَلَّيْتُمُ الظُّهرَ فَقُومُوا فَقُولُوا اِنَّا نَستَعِينُ بِرَسُولِ اللّٰهِ عَلَى الْمُؤمِنِينَ وَالْمُسلِمِينَ فِيْ نِسَائِنَا وَاَبنَائِنَا ''یعنی جب ظہر کی نماز پڑھ چکوتو کھڑے ہونا اور یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استعانت کرتے ہیں مومنین پر اپنی عورتوں اور بچوں کے باب میں۔ (الامن والعلی ،از:امام احمد رضا بریلوی،ص۱۱۰)

امام احمد نے محمد بن ابی بکر مقدسی سے اور انھوں نے ابومعشر البرا سے اور انھوں نے صدقہ بن طیسلہ سے اور انھوں نے معن بن ثعلبہ مازنی سے روایت کی کہ حضرت اعشی مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنے بعض اقارب کی ایک فریاد لے کر حاضر ہوئے اور پنی منظوم عرضی خدمت اقدس میں پیش کی جس کی ابتدا اس مصرع سے تھی۔

''يَا مَالِكَ النَّاسِ وَ يَا دَيَّانَ الْعَرَبِ ''یعنی اے تمام انسانوں کے مالک،اور اے عرب کے جزا اور سزا دینے والے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی فریاد سن کر شکایت رفع فرمائی۔

(الامن والعلی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء،ص۷۳)

(102)

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

حل لغت:

عرش: چھت، سقف، تخت، آسماں، آٹھواں آسمان۔

(فیروز اللغات، ص۸۹۳☆لغات کشوری، ص۸۷۴ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۹)

کیف: نشہ، خمار، سرور، حالت، کیفیت، کیوں کر، کیسا، مستی، وہ چیز جو نشہ بے ہوشی دے۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۷۳☆لغات کشوری، ص۶۰۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۲)

پر جلنا: طاقت نہ رہنا، کس بل جاتا رہنا، خوف ہونا، مرعوب ہونا، رسائی نہ ہونا، پہنچ نہ ہونا۔

(فیروز اللغات، ص۲۸۴)

یوں: اس طرح، بایں طور، ایسا، اس طرز سے، اس ڈھنگ سے۔(فیروز اللغات، ص۱۴۷۱)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''یوں'' کا مطلب ''اس طرح'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''یوں'' کا مطلب ''اس طرز سے'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''یوں'' کا مطلب ''ایسے'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صاحب معراج، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزۂ معراج اور عرش معلیٰ پر پہنچنے کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ منکرین معراج اور واقعۂ معراج میں شک وشبہ پیدا کرنے والے

گروہ کو طنزاً تہدید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے واقعۂ معراج میں شک وشبہ پیدا کرنے والو! تم یہ پوچھتے ہو کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش پر کس طرح گئے؟ ارے مقام محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کوئی کیا جانے؟ اور کیا سمجھے؟ وہ وہاں پہنچے کہ جہاں کیف یعنی حالت وکیفیت کے بھی پر جل جائیں، جہاں محبوب ومحبّ کے علاوہ اور کسی کی موجودگی کا امکان ہی نہیں۔ اس حالت اور کیفیت کا بیان کیوں کر کوئی کرسکتا ہے؟ کہ آپ یوں پہنچے۔

یہ تو ہوئے شعر کے لغوی اور ظاہری معنی۔ حالاں کہ یہ لغوی معنی بھی افہام وتفہیم میں کامل طور پر سرایت کرنا تھوڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی وضاحت کے لئے تفصیل درکار ہے۔ حسب استطاعت باوجود علمی کم مائیگی کے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

پہلے ہم واقعہ معراج کی حقیقت معلوم کریں۔

شیخ محقق، عاشق رسول حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ معراج اخص الخصائص، اشرف فضائل وکمالات ابہر معجزات وکرامات میں سے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسریٰ ومعراج کے ساتھ مخصوص ومشرف فرمایا ہے، کیوں کہ کسی نبی یا رسول کو اس سے مشرف ومکرم نہ کیا گیا اور جس مقام علیا تک آپ کی رسائی ہوئی اور جو کچھ وہاں دکھایا گیا، کوئی ہستی کبھی وہاں نہ تو پہنچی ہے اور نہ دیکھی ہے۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۲۸۷)

ابن مردویہ نے حضرت عمرو بن شعیب کے جد امجد سے روایت کی انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس رات معراج ہوئی وہ ایک سال قبل ہجرت واقع ہوئی تھی۔ (خصائص کبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۳۲۸)

بیہقی نے سدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہجرت سے سولہ مہینہ پہلے معراج ہوئی۔ (خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۳۲۹)

قرآن مجید میں واقعۂ معراج کا ذکر اس طرح ہے۔

''سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ آیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ''

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱)

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، بے شک! وہ سنتا دیکھتا ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندۂ خاص یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راتوں رات مسجد حرام (مکہ معظّمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) لے گیا۔

مکہ معظّمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ چالیس منزل یعنی سوا مہینہ سے زیادہ کی راہ ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۵۰۷)

اعلان نبوت کے بارہویں سال (یعنی ہجرت کے ایک سال قبل) حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج سے نوازے گئے۔ مہینہ میں اختلاف ہے لیکن اشہر یہ ہے کہ رجب کی ستائیسویں (۲۷) تاریخ میں معراج ہوئی ہے۔ (خزائن العرفان، ص ۵۰۷)

سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت میں لفظ ''اسریٰ'' وارد ہے اور اس کے معنی ہیں رات میں لے جانا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک شب کے چھوٹے حصہ میں تشریف لے جانا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔

(مدارج النبوۃ، از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۲۸۷)

بیت المقدس سے آسمانوں کی سیر اور منازل قرب میں پہنچنا احادیث معتمدہ مشہورہ سے ثابت ہے، جو تمام احایث حد تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں۔ اس کا منکر گمراہ ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۵۰۷)

ابن اسحٰق نے کلبی، ابو صالح اور ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اس رات آپ میرے گھر میں آرام فرما تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی اور اس کے بعد حضور اور ہم سب سو گئے۔ طلوع فجر کے قریب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سب کو جگایا اور جب حضور نے نماز پڑھی تو ہم نے بھی حضور کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضور نے مجھ سے یہ فرمایا کہ اے ام ہانی! میں نے تمہارے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد میں نے بیت المقدس پہنچ کر وہاں نماز پڑھی اور صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی ہے۔

(خصائص کبریٰ، از امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۴۰)

مسلم نے بہ طریق ثابت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ براق لایا جو سفید گدھے سے اونچا اور خچر سے تھوڑا چھوٹا ایک چوپایہ تھا۔ میں اس پر سوار ہوا اور بیت المقدس آیا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۳۱۷)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے اور براق کو مسجد اقصیٰ کے دروازے کے حلقے سے باندھا جسے اب ''باب محمد'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ظاہر ہے یہ دوگانہ تحیۃ المسجد تھا۔ یہاں فرشتے حاضر ہوئے اور تمام انبیاء کرام حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح مقدسہ متمثل ہو کر حاضر ہوئیں۔ خدا کی حمد و ثنا کی اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کیا اور سب نے حضور کی افضلیت کا اعتراف کیا۔ پھر اذان کہی گئی اور نماز کے لئے اقامت ہوئی اور سب نے امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امامت فرمائی اور تمام انبیاء و ملائکہ نے آپ کی اقتداء کی۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۹۵)

اس کی منظرکشی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی اپنے قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنیٔ اول آخر

کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مکہ سے بیت المقدس آتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور پر ہوا تو وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ "اَشْهَدُ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" یعنی شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(مدارج النبوت، جلد ا، ص ۲۹۵)

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث معراج روایت کی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ بیت المقدس میں نماز ادا فرمانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جبرئیل کے ساتھ پہلے آسمان پر گئے وہاں حضرت آدم سے، دوسرے آسمان پر حضرت عیسٰی اور حضرت یحییٰ سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم سے ملاقات کی (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۳۱۷)

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "سدرۃ المنتہیٰ" کی جانب لے جایا گیا۔ جہاں فرشتے ٹھہرتے ہیں۔ اس کے آگے بڑھنے اور وہاں سے تجاوز کرنے کی کسی میں تاب نہیں۔ اس سے آگے بجز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی مخلوق نے تجاوز نہیں کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس جگہ رک گئے اور حضور سے جدا ہو گئے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور جدا ہونے کا کون سا مقام ہے؟ یہ جگہ تو ایسی نہیں کہ دوست کو چھوڑ کر دوست جدا ہو جائے۔ حضرت

جبرئیل نے عرض کیا کہ:

اگر یک سر موئے بر تر پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم

یعنی اگر ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھوں تو نور کی تجلی سے میرے پر جل جائیں گے۔ (مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۹۹)

الغرض حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے آگے تشریف لے گئے۔ اس کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی اپنے قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

چلا وہ سرو چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این وآں سے گزر چکے تھے

●

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے

سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت کا نام ہے اور وہ بیری کا درخت ہے۔ اس درخت کی تین طرح کی صفتیں ہیں۔

ایک یہ کہ اس کا سایہ طویل ہے۔ دوسری یہ کہ اس کا مزہ لطیف ہے۔ تیسری یہ کہ اس کی بو پاکیزہ ہے اور یہ درخت آسمان میں اس طرح پیوست ہے جس طرح زمین میں درخت پیوست ہوتا ہے۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۳۰۰)

بیری کے درخت کے پھل کو بیر کہتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۲۵۴)

سدرۃ المنتہیٰ سے چار نہریں نکلتی ہیں۔ دو ظاہر اور دو باطن، باطن وہ ہیں جو جنت میں جاتی ہیں اور ظاہر وہ ہیں جو نیل اور فرات کہلاتی ہیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۳۰۰)

دریائے نیل ایک مشہور دریا ہے جو مصر اور سوڈان میں ہے۔ دریائے فرات عراق میں واقع ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۹۲۶)

حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جنت میں جو چشمہ جاری ہوتا ہے اس کا نام سلسبیل ہے۔ اس سے دو نہریں پھوٹتی ہیں۔ ایک کا نام کوثر ہے اور دوسری کا نام نہر رحمت ہے۔ یہ وہ نہر رحمت ہے کہ جب گنہگار جرم کی سزا بھگتنے کے بعد یا شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے نجات دیئے جائیں گے تو وہ جلے بھنے سیاہ نکلیں گے، پھر وہ اس نہر رحمت میں نہائیں گے تو اسی وقت تر و تازہ ہو جائیں گے۔ (مدارج النبوت، جلد ۱، ص ۳۰۰)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو آپ بیت المعمور پہنچے۔ آپ کے لئے بیت المعمور کا پردہ اٹھایا گیا۔ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے الفاظ یہ ہیں کہ "ثُمَّ رُفِعَ اِلَیَّ الْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ" یعنی میرے لئے بیت المعمور نمودار ہوا۔ اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور کے درمیان بہت سے عالم تھے اور پردہ پڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان پردوں کو اٹھایا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بصیرت میں لایا گیا اور آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا۔

بیت المعمور وہ مسجد ہے جو خانۂ کعبہ کے محازی و مقابل ہے۔ یعنی خانۂ کعبہ کے ٹھیک اوپر آسمان میں، یہاں تک کہ اگر اس کا زمین پر گرنا فرض کیا جائے تو وہ کعبہ معظّمہ پر آ کر گرے۔ یہ وہ گھر ہے جسے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے زمین پر اترنے کے بعد بھیجا گیا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اٹھالیا گیا اور آسمان پر اس کی قدر و منزلت ایسی ہی ہے جیسے زمین میں خانۂ کعبہ کی۔ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور اس کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ جس طرح انسان کعبہ معظّمہ کا طواف کرتے ہیں۔ روزانہ ستر ہزار فرشتے بیت المعمور کی زیارت کو آتے ہیں اور واپس ہوتے ہیں تو دوبارہ اس کی طرف کبھی نہیں آتے۔ اسی

طرح ہر روز آتے جاتے ہیں۔ یہ حال اس دن سے ہے جس دن سے بیت المعمور وجود میں آیا ہے اور ابد تک یوں ہی رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی دلیل ہے۔

حدیث میں مروی ہے کہ آسمان میں ایک نہر ہے اس نہر کو ''نہر الحیوۃ'' کہتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام روزانہ اس میں غسل کرتے ہیں۔ جب غسل کر کے نہر سے باہر آتے ہیں تو اپنے بال و پر کو جھاڑتے ہیں اور اس سے ستر ہزار قطرے پانی کے ٹپکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ تو یہی وہ فرشتے ہیں جو بیت المعمور کی حاضری دیتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ پھر دوبارہ اس کی طرف آنے کی نوبت نہیں آتی۔ امام اجل علامہ احمد بن محمد قسطلانی نے اپنی کتاب ''مواہب لدنیہ'' میں ایسا ہی منقول فرمایا ہے۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۳۰۱)

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری اور بلند ہوئی، یہاں تک کہ آپ نے ان قلموں کی آوازیں سماعت فرمائیں جو فرشتے حق تعالیٰ کی تقدیروں کی کتابت کرتے ہیں۔ اگر چہ قضا و تقدیر الٰہی قدیم ہے، لیکن ان کی کتابت حادث ہے اور لوح محفوظ کی تحریر جہاں ثبت ہے، آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہے۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۳۰۳)

امام زہری نے فرمایا، مجھے ابن حزم نے بتایا کہ حضرت ابن عباس و حضرت ابوحبّہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اتنا اونچا لے جایا گیا کہ اس جگہ میں نے قلموں کی چر چراہٹ کی آواز سنی۔

(خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۳۴۳)

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی سیر فرمائی اور دوزخ کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ ان صفات و خوبیوں کے ساتھ جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ چنانچہ آپ

نے جنت کو رحمت الٰہی کا مظہر دیکھا اور دوزخ کو عذاب وغضب کی جگہ اور جنت کو کھلی ہوئی اور دوزخ کو بند۔ (مدارج النبوت، جلد ا، ص ۳۰۴)

جنت اور دوزخ کے احوال جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج ملاحظہ فرمائے ان تمام کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔ لہٰذا صرف چند احادیث ان احوال کے تعلق سے پیش خدمت ہیں۔

● امام احمد وامام ابونعیم اور ابن مردو یہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ جس رات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور آپ جنت میں تشریف لے گئے تو ایک گوشے سے آپ نے دھیمی سی آواز سنی، آپ نے حضرت جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ یہ آپ کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج سے جب واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا، بلاشبہ بلال نے فلاح پائی۔ میں نے ان کی اذان مقام اعلیٰ میں سنی ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۳۲۲)

● امام احمد نسائی، بزار، طبرانی، بیہقی اور ابن مردو یہ نے بہ سند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں سماوی سفر میں ایک لطیف خوشبو سے گزرا، میں نے پوچھا یہ خوشبو کیسی ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ دختر فرعون کی مشاطہ کی خوشبو ہے۔

مشاطہ: یعنی وہ عورت جو عورتوں کو بناؤ سنگار کرائے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۴۹)

اس نیک عادت خاتون کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز دختر فرعون کے بالوں میں کنگھا کرنے کے دوران اس مشاطہ خاتون کے ہاتھ سے کنگھا گر گیا۔ اس مشاطہ نے ''بسم اللہ'' پڑھ کر کنگھا اٹھایا۔ فرعون کی لڑکی نے پوچھا کہ کیا میرے باپ کا نام اللہ ہے؟ مشاطہ نے کہا کہ تیرے باپ کا نام اللہ نہیں، بلکہ میرا اللہ سارے جہاں کا، میرا، تیرا اور تیرے باپ کا بھی رب

ہے۔لڑکی نے حیرت سے پوچھا، کیا تمہارا رب میرے باپ کے سوا کوئی اور ہے؟ مشاطہ نے جواب دیا کہ ہاں! میرے رب کے سوا اور کوئی رب نہیں۔اس بات کی اطلاع فرعون کی دختر نے اپنے باپ کو دی، پس فرعون نے اس مشاطہ خاتون کو طلب کیا اور پوچھا کہ ''اے عمر رسیدہ اور وفادار مشاطہ! کیا تم میرے علاوہ کسی اور کو رب سمجھ بیٹھی ہو؟ پرستارِ توحید مشاطہ نے جواب دیا کہ ہاں! میرا رب اور تیرا رب، نیز ساری کائنات کا وہی ایک رب ہے جو رب السمٰوٰت والارض ہے۔مشاطہ کا جواب سن کر فرعون خشمناک ہوگیا اور ایک کھوکھلا مجسمہ بنانے کا حکم دیا جو تانبے کا بنایا گیا۔پھر اس مجسمے کو آگ پر تپانے اور سرخ کردینے کا حکم دیا۔جب وہ تپ کر مثل شعلہ ہوگیا تو فرعون نے حکم دیا کہ اس مجسمے کے اندر مشاطہ اور اس کی اولاد کو ڈال دیا جائے۔ فرعون کے سپاہیوں نے فرعون کے حکم کے مطابق ایک ایک کر کے اس مشاطہ کی اولاد کو ڈالا، حتی کہ جب ایک شیر خوار بچے کو اس میں ڈالا تو اس نے اس آگ کے شعلوں کے درمیان سے کلام کرتے ہوئے اپنی ماں کو پکار کر کہا ''اے ماں! تم اس میں آجاؤ اور پیچھے مت ہٹنا، کیوں کہ تم حق پر ہو۔'' (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۳۲۵)

المختصر! اس نیک خاتون کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مراتب عالیہ سے نوازا، یہاں تک کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج میں اس کی خوشبو محسوس فرمائی۔

ابن مردویہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج میں نے ایک شخص کو آتش سیال (یعنی بہتی ہوئی آگ) کی نہر میں غوطہ لگاتا اور پتھر نگلتا دیکھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جو اس دردناک عذاب میں مبتلا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں عرض کیا کہ یہ سودی کاروبار کرنے والا ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۳۲۱)

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو ملاحظہ فرما چکے تو اب قرب خاص میں باریابی اور حضوری کا وقت آیا۔آپ اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ

تمام مخلوق سے انقطاع ہوگیا۔آپ تنہا رہ گئے۔کوئی فرشتہ یا انسان ساتھ نہ رہا۔لیکن ہنوز ستر نورانی حجاب ایسے ہیں کہ ایک حجاب دوسرے حجاب کے ہم مثل نہ تھا۔روایت میں آیا ہے کہ ہر حجاب کی تہ (موٹائی) پانچ سو برس کی راہ تھی۔ابھی ان کا طے کرنا باقی تھا۔چنانچہ آپ نے ان سب کو حق تعالیٰ کی اعانت وفضل سے طے فرمایا تمام حجابات اٹھ گئے۔اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک خاص قسم کی حیرت اور دہشت اور حق تعالیٰ کے جلال وعظمت کی ہیبت پیش آئی۔ (مدارج النبوت اردو، جلد ۱، ص ۳۰۵)

اس وقت کی حالت کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اپنے قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

●

بڑھے تو لیکن جھجھکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رکتے
جو قرب انھیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے

جب منادی نے آواز دی کہ ”قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ رَبَّكَ یُصَلِّی“یعنی اے محمد! ٹھہریئے! بے شک آپ کا رب صلاۃ (درود) بھیجتا ہے۔تب آپ وحشت وحیرت کی کیفیت سے باہر آئے۔اور پھر یہ ندا آئی کہ”اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّةِ اَدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ“یعنی اے ساری مخلوق سے افضل قریب ہوجایئے،اے احمد قریب ہوجایئے،اے محمد قریب ہوجایئے۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (مدارج النبوۃ،اردو، جلد ۱، ص ۳۰۵)

اس کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

یہی سماں تھا کہ پیک رحمت خبر یہ لایا کہ چلئے حضرت
تمھاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

●

بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرور مجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

پیک: قاصد، نامہ بر۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۰)

بحکم رب وعنایت وفضل تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب سے نزدیک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا نزدیک فرمالیا اور وہ محبوب اتنی قربت سے سرفراز ہوئے کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح ہے:

''ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی'' (سورہ النجم، آیت ۸/۱۲)

ترجمہ: پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اتر آیا، تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ (کنز الایمان)

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت ''ثُمَّ دَنَا'' کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ نزدیک ہونے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عروج ووصول مراد ہے اور اترنے سے نزول و رجوع۔ تو حاصل معنی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے قرب میں باریاب ہوئے، پھر وصال کی نعمتوں سے فیضیاب ہو کر خلق کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ اپنے لطف اور رحمت کے ساتھ اپنے حبیب سے قریب ہوا اور اس قریب میں زیادتی فرمائی۔

(تفسیر روح البیان وتفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۷)

آیت شریفہ ''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی'' کی تفسیر میں ہے کہ یہ وحی بے واسطہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کے درمیان کے اسرار ہیں، جن کی ان کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ اللہ

تعالیٰ نے اس راز کو تمام خلق سے پوشیدہ رکھا اور بیان نہ فرمایا کہ اپنے حبیب کو کیا وحی فرمائی۔ محبّ اور محبوب کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(روح البیان)

آیت شریفہ ''مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی ''یعنی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا، کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی جو چشم مبارک نے دیکھا۔ معنی یہ ہیں کہ آنکھ سے دیکھا اور دل سے پہچانا اس رویت ومعرفت میں شک وتردد نے راہ نہ پائی۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۸)

اس وقت کی روح پرور اور روح افزا کیفیت کا تذکرہ حضرت رضا اپنے قصیدۂ معراج میں یوں فرماتے ہیں:

پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃً فعل تھا ادھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا دنیٰ تدلّی کے سلسلے تھے

●

اٹھے جو قصر دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چشمان مبارک سے اپنے رب کا دیدار حالت بیداری میں فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی'' (سورۂ النجم، آیت ۱۷)

ترجمہ: آنکھ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ (کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوت اور کمال تحمل کا اظہار ہے، کیوں کہ آپ اس مقام پر جلوہ گر ہوئے تھے کہ

جہاں عقلیں حیرت زدہ ہوجاتی ہیں۔لیکن آپ اپنے ہوش وحواس کے ساتھ ثابت قدم رہے اور جس نور الٰہی کا دیدار کرنا مقصود تھا اس دیدار سے بہرہ مند ہوئے اور آپ دائیں بائیں طرف بھی ملتفت نہ ہوئے اور مقصود کی دید سے آنکھ نہ پھری، علاوہ ازیں آپ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح بے ہوش بھی نہ ہوئے۔ بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت قدم رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رب العزت کو اپنے قلب مبارک سے دو بار دیکھا ہے۔ (مسلم شریف)

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ نے رب تبارک وتعالیٰ کو حقیقۃً چشم مبارک سے دیکھا۔ یہ قول حضرت انس بن مالک، حضرت حسن اور حضرت عکرمہ کا ہے۔

(خزائن العرفان، ص ۹۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کسی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بھیجا کہ کیا رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہاں؟ اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلعت سے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلام سے اور سید عالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رویت سے خاص مشرف فرمایا ہے۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۳۱۲)

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''رَاَیۡتُ رَبِّیۡ بِعَیۡنَیَّ وَبِقَلۡبِی''یعنی میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں اور اپنے دل سے دیکھا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۹)

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی چشم مبارک سے دیکھا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

ان سے پوچھا کیا حضور نے اپنی نظرا پنے رب کی طرف ڈالی؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نظر سے اپنے رب کو دیکھا۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد۱، ص ۳۲۷)

حضرت امام احمد سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جواب دوں گا کہ فرمایا ''رأه ، رأه''یعنی اسے دیکھا اسے دیکھا۔ اور آپ مسلسل اسے دیکھا اسے دیکھا فرماتے رہے، یہاں تک کہ ان کا سانس منقطع ہوگیا۔

(خزائن العرفان، ص ۹۴۹)

کچھ لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد۱، ص ۳۱۳)

اب واقعۂ معراج کے آخری حصے کا کچھ تذکرہ کرتا ہوں۔

حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں کہ پھر مجھ سے میرے رب نے کچھ دریافت فرمایا تو مجھ میں اتنی تاب نہ تھی کہ جواب دیتا۔ اس وقت رب تبارک وتعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان بے کیف و بے حد کے بڑھایا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ اس وقت مجھے تمام اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا اور طرح طرح کے علوم تعلیم فرمائے۔ جن میں سے ایک علم ایسا تھا کہ جس کو ظاہر نہ کرنے کا عہد مجھ سے لیا گیا کہ اسے کسی سے نہ کہوں اور ہر کوئی اس کے برداشت کی طاقت نہیں رکھتا، بجز میرے، ایک علم ایسا تھا جس کے ظاہر کرنے اور چھپانے کا مجھے اختیار دیا گیا اور ایک علم ایسا تھا جس کو اپنی امت کے ہر خاص وعام میں تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد۱، ص ۳۰۵)

یہاں تک کہ معراج کے واقعات یعنی قرب ورویت رب، ہم کلامی، عطائے علم، انعام و اکرام وغیرہ کے متعلق حضرت رضؔا بریلوی فرماتے ہیں:

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

●

زبان کو انتظار گفتن تو گوش کو حسرت شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے لیے سبز رنگ کی رف رف بچھائی گئی۔ جس کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا۔ اس سے میری آنکھوں کا نور چمکنے لگا۔ مجھے اس رفرف پر بٹھایا گیا۔ وہ مجھے لے کر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا۔ اس کے بعد ایک ایسا امر عظیم دیکھنے میں آیا جس کی توصیف سے زبانیں قاصر ہیں۔ پھر عرش سے ایک قطرہ میرے قریب آیا اور وہ میری زبان پر گرا، میں نے اس چیز کو چکھا جسے کسی چکھنے والے نے کبھی اس سے زیادہ شیریں نہ چکھا ہوگا۔ اور مجھے اولین وآخرین کی خبریں حاصل ہوئیں اور میرا دل روشن ہوگیا۔ اور عرش کے نور سے میری آنکھیں ڈھانپ لی گئیں۔ اس وقت میں نے تمام چیزوں کو اپنے دل سے دیکھا اور اپنے پس پشت بھی ایسا ہی دیکھنے لگا، جیسا اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۳۰۶)

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش پر پہنچے تو عرش نے آپ کا دامن اجلال تھام کر زبان حال سے عرض کیا اور کہا کہ آپ کو حق تعالیٰ نے اپنے جلال احدیت کا مشاہدہ کرایا اور اپنے جمال صمدیت سے مطلع فرمایا۔ اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جب پروردگار نے مجھے پیدا فرمایا تو اس کی ہیبت اور جلال سے میں کانپنے لگا۔ پھر میرے پایہ پر ''لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' لکھا تو ہیبت میں اور اضافہ ہوا اور میں زیادہ کانپنے اور لرزنے لگا۔ پھر جب ''مُـحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـہِ'' لکھا تو میرا قلق ٹھہر گیا اور میرا اضطراب کم ہوگیا۔ آپ کا اسم گرامی میرے دل کا چین

اور میرے اطمینان کا باعث ثابت ہوا۔ مجھ پر آپ کے اسم گرامی کی برکت پہلے سے رونما ہوتی ہے۔ اور اب تو آپ کی نظر کرم مجھ پر پڑ گئی ہے تو اب کیسی کچھ برکتیں حاصل ہوں گی ''اَنْتَ الْمُرْسَلُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' یعنی آپ تو سارے جہان کے لئے رسول رحمت ہیں۔ آپ کی اس رحمت میں میرا بھی حصہ لازمی ہوگا۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۳۰۸)

عرش کی مذکورہ عرض و معروض اور التجا کی منظر کشی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اپنے قصیدۂ معراج میں یوں فرماتے ہیں:

سنا یہ اتنے میں عرش حق نے کہ لے مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاج شرف تیرے تھے

●

یہ سن کے بے خود پکار اٹھا نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر ان کے تلووں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

●

جھکا تھا مجرے کو عرش اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزم بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

امام مسلم نے بہ طریق ثابت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واقعۂ معراج کی جو طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''اور میری امت پر ایک رات اور دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ پھر میں چھٹے آسمان پر اترا اور دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا۔ انھوں نے نمازوں کی فرضیت کے بارے میں پوچھا، میں نے کہا پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ اپنے رب کے حضور واپس جائیے اور نماز کی تعداد میں کمی کے لئے عرض کیجئے، کیوں کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ تو میں حضور خداوندی میں واپس گیا اور تخفیف نماز کے لئے

عرض کی تو بارگاہ کریمی سے پانچ نمازیں کم ہوگئیں۔ میں نے واپس آکر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا۔ انھوں نے کہا کہ لوگوں کو برداشت کم ہے، رب کے حضور پھر جایئے اور مزید کمی کے لئے درخواست کیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اسی طرح اپنے رب کے حضور اور حضرت موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ رب العالمین نے فرمایا:

اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہر دن کے لئے پانچ نمازیں ہیں اور ہر ایک نماز دس نمازوں کے قائم مقام ہے۔ میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس واپس آیا اور ان کو بتایا تو انھوں نے کہا کہ آپ پھر واپس جایئے اور کمی کے لئے درخواست کیجئے، میں نے کہا کہ کمی کے لئے درخواست کرتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، ترجمہ: جلد۱، ص۳۱۸)

اس کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اپنے قصیدۂ معراج میں فرماتے ہیں:

ادھر سے تھیں نذر شہ نمازیں، اُدھر سے انعام خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر، گلوئے پُر نور میں پڑے تھے

المختصر! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر معراج میں بیت المقدس میں انبیاء کرام کی امامت کی، مختلف آسمانوں میں اولوالعزم انبیاء کرام سے ملاقات کی۔ سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور تک رسائی، اپنے رب کا قرب، رویت، شرف ہم کلامی، عرض وسماعت، حصول علوم ومعرفت، عرش رسائی، جنت کی سیر، دوزخ کا معائنہ، نماز کا تحفہ وغیرہ بے شمار فضیلتوں اور برکتوں کے ساتھ اسی رات میں مکہ معظّمہ واپس تشریف لے آئے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں سے تذکرہ فرمایا۔ تو کچھ ضعیف الایمان لوگ اسی کو نہ مان کر مرتد ہوگئے۔ کفار اور مشرکین نے کھلم کھلا انکار کیا اور استہزاء اور مذاق اڑایا۔ کچھ مشرکین دوڑ کر حضرت سیدنا ابوبکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اے ابوبکر! کچھ اپنے یار اور رفیق کی بھی خبر ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ آج رات مجھے بیت المقدس لے جایا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا حقیقت میں وہ ایسا فرماتے ہیں؟ مشرکین نے کہا ہاں! یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ پھر تو وہ جو کچھ فرماتے ہیں ٹھیک ہی فرماتے ہیں۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ مشرکین کہنے لگے کہ کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ رات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس تشریف لے گئے اور صبح سے پہلے یہاں واپس تشریف بھی لے آئے؟ انھوں نے فرمایا ہاں! میں تو اس سے دور تک کی بھی تصدیق کرتا ہوں اگر آپ یہ فرمائیں کہ میں آسمان پر گیا اور پھر واپس آ گیا، تو میں اس کی بھی تصدیق کروں گا۔ بیت المقدس کیا دور ہے؟ چنانچہ اسی دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ''صدیق'' مشہور ہو گیا۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۳۱۰ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۳۴۳)

اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کی طرف توجہ مبذول کریں، آپ اپنے شعر کے مصرع اول میں فرماتے ہیں:

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں

یعنی اے معراج مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں شک وشبہ پیدا کرنے والو! تم معراج کی حقیقت کے متعلق سوال کرتے ہو اور تمہارا یہ سوال کرنا از راہ تردد و تذبذب ہے، بلکہ تمھارا یہ سوال کرنا ہی تمہارے عدم اعتقاد کی دلیل ہے کہ تم واقعۂ معراج پر یقین نہیں رکھتے اور شک و شبہ پیدا کرتے ہو۔ اسی لئے تو پوچھتے ہو کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج میں کیسے گئے؟ اور رسول کے فرمان پر سوال کرنا مومن کی شان نہیں۔ مومن کی شان یہ ہے کہ جو کچھ رسول فرمائیں اس پر صرف '' آمنا وصدقنا '' کا ورد کریں، جیسے کہ امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واقعۂ معراج کی تصدیق فرمائی۔ لڑنا، جھگڑنا، شک وشبہ کرنا وغیرہ کفار ومشرکین کا کام ہے۔ مومنین کا نہیں۔ اسی لئے تو قرآن شریف میں

اس کام کو کفار و مشرکین کا کام قرار دیا گیا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے:

''اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَایَرٰی'' (سورہ النجم، آیت ۱۲)

ترجمہ: تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ (کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ مشرکین سے خطاب ہے جو شب معراج کے واقعات کا انکار کرتے تھے اور اس میں جھگڑتے تھے۔ (تفسیر خزائن العرفان، ص ۹۴۹)

اب یہ دیکھیں کہ کفار اور مشرکین واقعۂ معراج کے بارے میں کس طرح جھگڑتے تھے۔

امام احمد ابن ابی شیبہ، بزار، طبرانی اور ابو نعیم نے بسند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھ کو معراج ہوئی اور صبح کو مکہ مکرمہ میں ایک گوشہ میں بیٹھ کر فکر مند ہو رہا تھا کہ رات کے واقعۂ معراج کو سن کر لوگ مجھے جھٹلائیں گے کہ اسی دوران دشمن خدا ابو جہل آیا اور میرے قریب بیٹھ کر اس نے استہزاء کے طور پر کہا کہ کیا کوئی نئی خبر ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔

اس نے کہا کہ ہم سے بھی ارشاد ہو۔

میں نے کہا، رات مجھ کو لے جایا گیا۔

اس نے پوچھا کہاں؟

میں نے بتایا، بیت المقدس تک۔

اس نے کہا کیا اس سفر کے بعد صبح کو ہمارے شہر میں آپ موجود ہیں؟

میں نے کہا ہاں۔

اس پر کج فہم اور بد باطن ابو جہل نے سوچا کہ اسی وقت تردید کرنا اور جھٹلانا مناسب نہیں۔ مبادا ایسا نہ ہو کہ قوم کے سامنے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان باتوں سے انکار کر

بیٹھیں۔ کچھ دیر وہ سوچتا رہا پھر اس نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اگر میں قبیلے کے لوگوں کو بلاؤں تو کیا آپ ان کے سامنے وہی باتیں فرمائیں گے جو مجھ سے بیان کی ہیں؟

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں؟ حقائق تو ہر ماحول اور ہر صورت میں جوں کے توں رہتے ہیں اور حقائق اور سچائی کو بر بنائے مصلحت چھپانا درست نہیں۔ یہ سن کر ابوجہل کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ پس اس نے قوم کو پکارا کہ اے بنی کعب آؤ، آؤ، ابوجہل کی آواز سن کر لوگ ادھر اُدھر سے دوڑ کر جمع ہو گئے اور پھر سب اکٹھا ہو کر میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ اس وقت ابوجہل نے مجھ سے کہا کہ:

اے ابن عبداللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ رات کی وہی باتیں، جو مجھ سے بیان کر چکے ہیں، اس وقت میری قوم کو سنایئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مجھے رات بیت المقدس لے جایا گیا۔ لوگوں نے پوچھا، دراں حال کہ صبح کو آپ یہیں تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! مجھے جلد ہی لوٹا دیا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس پر کچھ لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارے اور کچھ لوگ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر تعجب کرنے لگے۔ مجمع میں سے کوئی بولا: کیا آپ مسجد اقصیٰ کی پہچان بتا سکتے ہیں؟ ان لوگوں میں چند افراد ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے بیت المقدس دیکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں بیت المقدس کے بارے میں سوالات کے جوابات دیتا رہا، یہاں تک کہ بعض جوابات کے سلسلہ میں مجھے تردد ہوا تو فوراً مسجد اقصیٰ میرے روبرو کر دی گئی اور میں دیکھ دیکھ کر سوالات کے جوابات پورے اعتماد کے ساتھ دیتا رہا۔ آخر میں لوگوں نے کہا کہ جہاں تک نشانیوں کا معاملہ ہے خدا کی قسم آپ نے بالکل صحیح صحیح بیان فرمایا۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۳۲۵/۳۲۶)

لیکن لوگوں نے بغض وعناد کی بناء پر واقعۂ معراج کی تصدیق نہ کی۔ بلکہ اس کو سحر یعنی جادو سے تعبیر کر کے حق بات کا عناداً انکار کیا۔

ابو یعلی، ابن عساکر، یحییٰ بن ابی عمر شیبانی اور ابو صالح نے حضرت ام ہانی سے اس سلسلہ میں جو طویل حدیث روایت کی ہے اس میں یہاں تک ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کے بیت المقدس کے تعلق سے تمام سوالات کا شافی اور کافی جواب دے دیا تو انھوں نے اعتراف حق کرنے کے بجائے انحراف کیا۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ یہ ساحر ہے۔ اور کج فہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کی صداقت کو جادو ہی کا کرشمہ قرار دیا، اکثر لوگوں نے کہا کہ ولید بن مغیرہ نے ٹھیک کہا کہ یہ سب جادو کا معاملہ ہے۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۳۴۴)

واقعۂ معراج کے تعلق سے کفار مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے طرح طرح کے سوالات کرتے تھے۔ کسی نے بیت المقدس میں واقع مسجد اقصیٰ کے ستون کی تعداد پوچھی، کسی نے بیت المقدس گئے ہوئے قریش کے قافلے کی کیفیت پوچھی، کسی نے گم شدہ اونٹنی کے متعلق پوچھا، کسی نے قافلے کے اونٹوں پر لادے ہوئے اسباب کی جنس اور مقدار کے متعلق پوچھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام سوالات کے صحیح جوابات عطا فرمائے۔ اس کے باوجود بھی وہ لوگ ایمان نہ لائے بلکہ نئے نئے سوالات کرنے لگے۔

بیہقی نے اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی اور آپ نے قافلے کے بارے میں کفار کے سوالات کے صحیح جوابات مرحمت فرمائے تو کفار مکہ نے کہا کہ آپ یہ تو بتائیں کہ قافلہ یہاں کب پہنچے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بدھ کے روز، چنانچہ جب بدھ کا دن آیا تو لوگ قافلے کا انتظار کرنے لگے، حتیٰ کہ غروب آفتاب کا وقت آ گیا۔ لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اس وقت حضور نے دعا فرمائی اور سورج کو غروب ہونے سے باز رکھا گیا اور قافلہ آ گیا۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۱، ص ۳۴۶ ☆ مدارج النبوت، جلد ۱، ص ۳۱۱)

قافلہ وقت پر آ پہنچا اور دشمنوں اور منکروں کے چہروں پر خاک پڑ گئی۔ لیکن بغض وعناد

اور تعصب کی بناء پر واقعۂ معراج کی تصدیق نہ کی، بلکہ اس کو جادو کا کرشمہ قرار دیا۔

موجودہ دور میں بھی کچھ عناصر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ) حضور کو اپنے جیسا قیاس کر کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزۂ کبریٰ معراج جسمانی کو نہیں مانتے اور طرح طرح کی تاویلیں کرتے اور شوشے نکالتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ معراج خواب میں ہوئی تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ مسجد اقصیٰ تک حالت بیداری میں اور پھر وہاں سے حالت خواب میں ہوئی۔ حالاں کہ ان کے تمام شبہات واعتراضات کا دنداں شکن جواب قرآن وحدیث میں موجود ہے، بلکہ بارہا وہ دلائل ان اعتراض کرنے والوں کے سامنے پیش ہو چکے ہیں لیکن ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور دیگر کفار مکہ کے نقش قدم پر چل کر وہ لوگ واقعۂ معراج میں ہمیشہ جھگڑتے رہتے ہیں اور قرآن شریف کی سورہ النجم کی آیت ۱۲ یعنی ''اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَایَرٰی'' یعنی تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ کے مصداق بنتے ہیں۔ عداوت وگستاخی رسول سے سیاہ دلوں میں نبی کی عظمت کی بات نہیں جمتی۔ لہٰذا وہ بیّن شواہد وبراہین کے باوجود بھی معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں۔ مومن کے ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ رسول کی ہر بات پر آمنّا وصدّقنا کہے، جیسے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا کسی دلیل کے صرف اس وجہ سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمارہے ہیں آپ نے آمنّا وصدّقنا کہا، لیکن ابوجہل وغیرہ نے کئی سوالات کر کے واقعہ کی سچائی جانتے ہوئے بھی انکار کیا۔ تو جو لوگ دور حاضر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں وہ ابوجہل اور ولید بن مغیرہ کی جماعت کے لوگ ہیں اور معراج جسمانی کا اقرار کرنے والے اہل سنت وجماعت کے لوگ گروہ صدیقین میں سے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے اس شعر میں ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جسمانی معراج کے متعلق شک وشبہ پیدا کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے حضرت رضا فرماتے ہیں کہ اس کی تفتیش میں مت پڑو کہ حضور معراج میں کس

طرح گئے؟ بلکہ ایک مومن کی شایان شان اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صرف اتنا ہی کافی سمجھو کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معراج ہوئی۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت چاہیئے کہ خود حضور نے فرمایا کہ مجھے معراج ہوئی ہے۔ اور اگر کوئی سر پھرا یہ کہے کہ نہیں ہم کو تو ثبوت چاہیئے کہ حضور عرش پر گئے رویت الٰہی سے مشرف ہوئے، سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے گئے، ان تمام کے گواہ درکار ہیں۔ وہاں تک حضور کو تشریف لے جاتے کس نے دیکھا؟ ایسے کور مغز کو حضرت رضا بریلوی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

یعنی اے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصول عرش اور حصول قرب الٰہی کی حقیقت پر گواہ طلب کرنے والو! ان معاملات کا کون گواہ ہوسکتا ہے؟ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں بجز اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی نہ گیا ہے۔ نہ جائے گا اور نہ ہی جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ پر آ کر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ٹھہر گئے اور حضور کی ہمراہی و ہمرکابی چھوٹ گئی، اور جدائی کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ اگر ایک بال کے برابر بھی یہاں سے آگے بڑھوں تو تجلیٔ الٰہی سے میرے پر جل جائیں۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام وہیں رک گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تن تنہا اپنے رب کے حضور تشریف لے گئے۔ تو جس مقام تک حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے مقرب اور جلیل القدر فرشتے کی رسائی محال ہے وہاں اور کوئی کس طرح پہنچ سکتا ہے اور کوئی کیا بتائے کہ یوں گئے؟ یعنی کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ حضور اپنے رب کے حضور کس طرح گئے تھے، کیوں کہ وہ مقام ہی ایسا ہے کہ بقول حضرت رضا بریلوی:

سراغ این و متیٰ کہاں تھا نشان کیف و الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

جولوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج خواب میں ہوئی تھی وہ لوگ دیگر احادیث ''رؤیا فی المنام'' کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر مغالطے میں ہیں۔ حالاں کہ حضور کو خواب میں بھی معراج ہوئی ہے اور متعدد مرتبہ ہوئی ہے۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ''بعض عارفین فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اسرءات اور معاریج بہت تھیں اور بعض نے چونتیس کہا ہے۔ جن میں سے ایک تو بچشم سر بیداری سے تھی۔ باقی خواب روحانی تھیں۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۲۸۸)

سورۂ بنی اسرائیل میں جو لفظ اسریٰ ہے اس کا اطلاق خواب پر نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اسریٰ بمعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جانا حالت بیداری میں ہوا ہے اور معراج جو مسجد اقصیٰ سے شروع ہوئی ہے وہ بھی بیداری میں ہی ہونا ماننا پڑے گا، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچ کر سو گئے تھے اور وہاں نیند میں بحالت خواب معراج ہوئی ایسی کوئی ضعیف دلیل بھی نہیں ہے۔ (مدارج النبوت، جلد ا، ص ۲۸۸)

مذہب صحیح یہی ہے کہ وجود اسریٰ اور معراج سب کچھ بحالت بیداری اور جسم کے ساتھ تھا۔ صحابہ، تابعین اور اتباع کے علمائے مشاہیر اور ان کے بعد محدثین، فقہاء اور متکلمین کا مذہب یہی ہے۔ اس پر احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ متواتر ہیں۔

(مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۲۸۷)

مومن کے لئے لازم ہے کہ وہ ان کے اتباع میں معراج جسمانی پر اعتقاد رکھے۔

(103)

نہ دیکھوں شکل مشکل تیرے آگے
کوئی مشکل سی یہ مشکل ہے یا غوث

حل لغت:

شکل: صورت، انداز، قطع، روپ، چہرہ، وضع، ڈھنگ، طور طریق، نوع، قسم، نقشہ، ڈھانچہ، سبیل، حالت، گت، مشابہ، مثل، مانند۔ (فیروز اللغات، ص ۸۴۵)

مشکل: دشوار، کٹھن، سخت، پیچیدہ، الجھا ہوا، دشوار، سختی، مصیبت۔ (فیروز اللغات، ص ۱۲۵۲)

کوئی: کچھ، کسی، تقریباً، نامعلوم شخص، لگ بھگ، ایک آدھ، کہیں، ممکن ہے، ذرا، ایک، اکادکا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۴۷)

پہلے مصرع میں لفظ ''مشکل'' کا مطلب ''مصیبت'' ہے۔

دوسرے مصرع میں پہلے وارد لفظ ''مشکل'' کا مطلب ''دشوار'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''مشکل'' کا مطلب ''وقت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ پیران پیر دستگیر حضور سیدنا الشیخ غوث اعظم حضور عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ وارضاہ عنا کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ سرکار! آپ کے ہوتے ہوئے مصیبت کی صورت بھی نہ دیکھوں گا اور اس وقت جو مجھ پر مشکل آن پڑی ہے وہ ذرا سے وقت کی مشکل ہے یعنی یہ مشکل ذرا

وقت گزرتے ہی چلی جائے گی، یعنی تھوڑے عرصہ کے لئے ہے۔اس شعر میں لفظ مشکل کا تین مرتبہ استعمال کیا گیا ہے پہلی مرتبہ مصیبت کے معنی میں، دوسری مرتبہ دشواری کے معنی میں اور تیسری مرتبہ وقت کے معنی میں ہے۔ مندرجہ بالا معانی حل لغات کے کالم میں دیکھئے۔لیکن تیسری مرتبہ استعمال شدہ لفظ مشکل کا معنی ''وقت'' محاورہ کے طور پر ہے۔اور کبھی کبھی لفظ مشکل تابع فعل ہوکر ''وقت'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ فیروز اللغات، ص۱۲۵۲ پر ہے کہ ''مشکل سے'' وقت سے، جوں توں کر کے۔(تابع فعل)

لغات میں مشکل بمعنی وقت بھی آیا ہے اور یہ محاورہ میں استعمال ہے۔ (دیکھو فیروز اللغات، ص۱۴۱۳) وقت پڑنا، مصیبت پڑنا، دقت یا دشواری ہونا، ضرورت مند ہونا، (محاورہ) یہاں وقت کے معنی مصیبت حاصل ہوئے۔ اور مصیبت کے معنی لغت میں مشکل کے وارد ہیں۔

دیکھو فیروز اللغات، ص۱۲۵۵ پر ہے کہ ''مصیبت، رنج، دکھ، تکلیف، حادثہ، صدمہ، نحوست، دقت، مشکل، دشواری، جمع، مصائب۔ ان اقتباسات لغت سے مندرجہ بالا شعر میں تیسری مرتبہ استعمال شدہ لفظ ''مشکل'' کا معنی ''وقت'' جو کیا گیا ہے وہ درست ہے۔ مشکل کے معنی وقت ثابت کرنے کے لئے لغت سے اتنے حوالہ جات اخذ کرنے کی زحمت اس لئے گوارا کی گئی ہے کہ کسی صاحب کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب اپنی منشاء کے مطابق وموافق کرنے کے لئے لفظ کے غلط معنی ومطلب مراد لئے گئے ہیں۔ اس شعر میں تینوں لفظ ''مشکل'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بے پناہ عقیدت اور آپ کے لطف وکرم اور نصرت واستعانت پر اعتماد کامل کا اظہار فرمایا ہے مصرع اول میں تو آپ نے صراحۃً بارگاہ غوثیت میں عرض کردیا ہے کہ

آپ کے ہوتے ہوئے میں مشکل تو کیا بلکہ اس کی شکل بھی نہ دیکھو۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مریدین اور نام لیوا کی یقیناً امداد فرماتے ہیں۔

شیخ ابوالفضل منصور بن احمد بن عطاء اللہ بن عبدالجبار روایت کرتے ہیں کہ کسی نے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کوئی شخص آپ کا نام لیتا ہے۔ لیکن اس نے نہ تو آپ کا ہاتھ پکڑا اور نہ خرقہ پہنا ہے تو کیا وہ آپ کا مرید کہلا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف منسوب ہو اور میرا نام لے اس کو اللہ تعالیٰ قبول کرے گا اور اس پر مہربانی کرے گا اور اگر چہ وہ برے عمل پر ہے وہ من جملہ میرے مریدوں میں ہے۔ بیشک میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میرے مریدوں، میرے ہم مذہبوں اور میرے دوستوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو، ص ۲۹۵)

شیخ ابو الحسن علی قرشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"اِنَّ یَدِیْ عَلٰی مُرِیْدِیْ کَالسَّمَآءِ عَلَی الْاَرْضِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ مُرِیْدِیْ جَیِّدٌ فَـاَنَـا جَیِّدٌ" یعنی بے شک میرا ہاتھ میرے مرید پر ایسا ہے جیسے آسمان زمین پر، اور اگر میرا مرید جید (زور آور) نہیں تو میں جید ہوں۔ (بہجۃ الاسرار)

یہی شیخ ابوالحسن روایت فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ایک کاغذ دیا گیا جو اتنا بڑا تھا کہ حد نظر اس کا طول وعرض تھا۔ اس میں میرے اصحاب اور مریدوں کے نام تھے جو قیامت تک ہونے والے تھے اور مجھ سے کہا گیا کہ سب کو تمہارے لئے بخش دیا گیا۔ (ایضاً)

شیخ ابوالسعو دسریمی، شیخ ابوعبداللہ بن قائدادانی اور شیخ ابوالقاسم عمر بزاز فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیامت تک اپنے مریدوں کی اس بات کے ضامن ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص توبہ کئے بغیر نہ مرے گا۔ اور ان کو یہ بات دی گئی ہے کہ میں

اپنے مریدوں کے مریدوں کا سات پشت تک ہر امر کا ذمہ دار ہوں اور اگر میرے مرید کا پردہ (ستر) مشرق میں کھل جائے اور میں مغرب میں ہوں تو اس کو چھپاتا ہوں۔

(بہجۃ الاسرار،ص۲۹۲)

شیخ حافظ ابوعبداللہ محمد بن نجار بغدادی فرماتے ہیں کہ مجھ کو عبداللہ جبائی نے بتایا کہ میں ہمدان میں ایک مرد سے ملا، جو کہ دمشق کا باشندہ تھا، جس کو ظریف کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں بشر قرظی کو نیشاپور یا خوارزم کے راستہ میں ملا۔ اس کے ساتھ چودہ اونٹ شکر تھی۔ اس نے کہا کہ ہم ایسے جنگل میں اترے جو خوفناک تھا۔ اس جنگل میں میرے چار اونٹ جو شکر سے لدے ہوئے تھے، گم ہوگئے۔ میں نے ان کو بہت تلاش کیا لیکن کہیں بھی پتہ نہ چلا۔ قافلہ تو چل دیا اور میں اپنے گم شدہ اونٹوں کی تلاش کے لئے قافلہ سے الگ ہوگیا۔ ان کے ساربان نے میری حمایت کی اور میرے ساتھ وہ بھی ٹھہر گیا۔ ہم دونوں مل کر گم شدہ اونٹوں کی تلاش میں لگ گئے۔ لیکن ناکام رہے۔ جب صبح ہوئی اور میں متفکر بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ مجھے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قول یاد آیا کہ ''اگر تو اونٹ کی وجہ سے سختی میں پڑے تو مجھ کو پکارنا، تیری مصیبت جاتی رہے گی۔'' میں نے کہا کہ اے شیخ عبدالقادر جیلانی! میرے اونٹ گم ہوگئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے مطلع کی طرف جو دیکھا تو صبح ہوگئی تھی اور آفتاب کی روشنی پھیل چکی تھی۔ تب میں نے ایک شخص کو اونچے ٹیلے پر دیکھا جس کے کپڑے بہت ہی سفید تھے۔ اور وہ مجھ کو ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ جب ہم ٹیلے پر دیکھنے چڑھے تو وہ شخص اچانک غائب ہوگیا اور ہم کو کہیں نظر نہ آیا۔ ہم اس شخص کو ادھر اُدھر تلاش کرنے کی غرض سے اپنی نظریں گھما رہے تھے کہ ٹیلے کے نیچے ہم نے دیکھا کہ وہ چاروں اونٹ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم نے فوراً جا کر ان اونٹوں کو پکڑ لیا اور قافلے سے جا ملے۔

(بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ،ص۳۰۰)

شیخ ابوعمرو عثمان صریفی اور شیخ محمد عبدالحق حریمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما بیان کرتے ہیں کہ ہم

دونوں اپنے شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بروز اتوار ۳/صفر ۵۵۵ھ کے دن مدرسہ میں تھے۔آپ کھڑے ہوئے اور کھڑاؤں پہنے ہوئے وضو کرنے لگے۔وضو کرنے کے بعد آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ جب دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا تو آپ بہت زور سے چلائے اور ایک کھڑاؤں کو ہوا میں پھینکا تو وہ ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئی۔ پھر آپ دوبارہ زور سے چلائے اور دوسری کھڑاؤں ہوا میں پھینکا، وہ بھی ہماری نظروں سے غائب ہوگئی۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ آپ سے اس معاملے کے متعلق پوچھے۔ پھر تینتیس دن کے بعد بلاد عجم سے ایک قافلہ آیا۔اس نے کہا کہ ہمارے پاس شیخ کی نذر ہے۔ ہم نے حضور شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی سے اذن طلب کیا۔آپ نے فرمایا کہ ان سے لے لو۔تب قافلے والوں نے ہم کو دریائی اور ریشمی کپڑے،سونا اور شیخ کی وہ کھڑاؤں جو آپ نے اس دن پھینکی تھیں۔ ہم کو دیں ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ کھڑاؤں تم کو کہاں سے ملیں؟ انھوں نے کہا کہ ہم ۳/صفر اتوار کے دن سفر کر رہے تھے کہ اتفاقاً ہمارے سامنے عرب کا ایک قافلہ نکلا۔اس قافلے کے دو سردار تھے۔انھوں نے ہمارا مال لوٹنا شروع کیا اور بعض کو قتل کردیا۔ لوٹ مار اور قتل کے بعد وہ قافلہ جنگل کے اندرونی حصے میں چلا گیا اور وہاں بیٹھ کر لوٹ کا مال آپس میں تقسیم کرنے لگے۔ ہمارا لٹا ہوا قافلہ جنگل کے ایک کنارے بے یار و مددگار کف افسوس مل رہا تھا۔اس وقت ہم نے کہا کہ کاش! ہم شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت یاد کرتے تو بچ جاتے۔اور ہم نے ان کے لئے کچھ مال نذر مانا کہ اگر ہم بچ رہے تو ان کی خدمت میں نذر پیش کریں گے۔ ہم آپ کا تذکرہ کر رہے آپ کو یاد کر رہے تھے کہ اچانک دو ایسی بلند آوازیں سنیں کہ جن سے تمام جنگل لرز گیا۔ہم نے یہ سمجھا کہ شاید ان ڈاکوؤں کو بھی لوٹنے کوئی ان سے بڑے ڈاکو آپہنچے، کیوں کہ ان میں سے کچھ خوف زدہ ہوکر ہمارے پاس آرہے تھے۔وہ ہمارے قریب آئے اور ہم سے معافی مانگتے ہوئے درخواست کرنے لگے کہ آؤ اور اپنا مال واپس لے جاؤ۔ہم پر نہ جانے کیا آفت آپڑی ہے۔ پھر وہ ہم کو اپنے سرداروں

کے پاس لائے تو ہم نے کیا دیکھا کہ وہ دونوں مردہ پڑے ہیں۔ ہر ایک کے پاس ایک ایک کھڑاؤں پڑی ہوئی ہے جو کہ پانی سے تر ہے۔ انھوں نے ہمارا تمام مال واپس لوٹا دیا اور ہم خیریت سے یہاں آپہنچے۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص۱۹۸)

ایسے تو بے شمار واقعات ہیں جو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بین کرامات پر دلالت کرتے اور اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ جس نے بھی مصیبت میں، جس وقت اور جس مقام سے آپ کو پکارا اور مدد طلب کی، آپ نے اس کی پکار ضرور سنی اور اس کی ضرور مدد فرمائی۔ ان تمام واقعات کے پیش نظر حضرت رضا بریلوی نے بارگاہ غوثیت میں یہ شعر عرض کیا ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو سرکار بغداد حضور غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی اور آپ ہر معاملہ میں اپنے آقا سرکار بغداد حضور غوث اعظم سے استعانت طلب کرتے تھے اور آپ کی استعانت ودستگیری پر کامل بھروسہ رکھتے تھے۔ عرض کرتے ہیں کہ:

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے — حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

ہیں رضؔا یوں نہ بلک، تو نہیں جید تو نہ ہو — سید جید ہر دہر ہے مولیٰ تیرا

دھوپ محشر کی وہ جاں سوز قیامت ہے مگر — مطمئن ہوں کہ میرے سر پہ ہے پلّا تیرا

●

رضؔا کے کام اور رک جائیں حاشا — ترا سائل ہے تو باذل ہے یا غوث

❁……❁……❁

(104)

جلتی تھی زمیں کیسی تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قد بے سایہ اب سایہ کناں آیا

حل لغت:

کڑی: کڑا کی تانیث، سخت، شدید، مضبوط، مستحکم، ناگوار طبع، تند، تیز، غضبناک، دشوار، بھاری، کٹھن، مشکل، حلقہ آہنی، لوہے کا کڑا یا چھلا، پاؤں کا ایک زیور، چاندی یا سونے کا باریک اور پتلا حلقہ، ہندی نظم کا بند۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۰۸)

قد: جسم کی لمبائی، قامت، ڈیل، بدن، جسم۔

(فیروز اللغات، ص۹۴۹ ☆ لغات کشوری، ص۵۵۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۲۲)

سایہ: پرچھائی، پرتو، جن بھوت کا اثر، آسیب، پناہ، حفاظت، سرپرستی، حمایت، صحبت کا اثر، تصویر میں آئی ہوئی سیاہی، سفید تانبے میں نقص کی وجہ سے آئی ہوئی سیاہی، علم کیمیا کی اصطلاح میں باہر کو نکلا ہوا۔

(فیروز اللغات، ص۷۷۱ ☆ لغات کشوری، ص۳۶۴ ☆ کریم اللغات، ص۸۳)

کناں: کرنے والا، کن سے مشتق ہے، مرکبات میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: کارکن۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۳۲)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''سایہ'' کا مطلب ''پرچھائی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''سایہ'' کا مطلب ''حفاظت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان میدان محشر کی دھوپ اور سختی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایۂ رحمت کے طفیل حاصل ہونے والی حفاظت اور امن کا ذکر کر رہے ہیں۔ شعر کا ظاہری معنی یہ ہے ''زمین کیسی جلتی تھی اور دھوپ بھی کیسی کڑی تھی''، لیکن دیکھو بے سایہ جسم اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد ہوگئی ہے۔ اب وہ حفاظت کرنے والے آپہنچے ہیں۔ یہ تو ہوئے ظاہری اور لغوی معنی۔ آئیے اب شعر کی تشریح و وضاحت اور اس میں پوشیدہ عشق و محبت کے بے بہا موتیوں کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

شفاعت کبریٰ کے تعلق سے جو احادیث وارد ہیں ان میں صاف و صریح ارشاد ہے کہ عرصہ محشر میں وہ دن ہوگا کہ کاٹے نہ کٹے، آفتاب سروں سے بالکل قریب ہوگا۔ اس دن آفتاب میں دس برس کامل کی گرمی جمع کردی جائے گی اور سروں سے کچھ ہی فاصلہ پر اسے لایا جائے گا۔ پیاس کی وہ شدت کہ خدا نہ دکھائے، گرمی کا وہ عالم کہ اللہ بچائے۔ بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہوکر اوپر چڑھے گا۔ پیاس کی وجہ سے زبانیں باہر آجائیں گی اور زمین تپتے ہوئے لوہے کی طرح گرم ہوگی۔ زمین پر پاؤں رکھنا بھی دشوار ہوگا۔ ایسے ہولناک ماحول میں اپنے گنہگار اور بے سہارا امتیوں کی محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دستگیری فرما کر اپنی شفاعت کے طفیل اپنی امت کو مصائب و آلام سے نجات دلا کر جنت میں داخل کردیں گے۔ شفاعت کے تعلق سے وارد احادیث اور میدان محشر کے احوال کا تفصیلی ذکر اگر کیا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

المختصر! حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے مصرع اول میں جلتی زمین اور کڑی دھوپ کے ذریعہ ماحول کی خوفناکی کا احساس کرا دیا ہے۔ جلتی زمین اور کڑی دھوپ میں آپس میں گہرا

ربط ہے یعنی جب دھوپ کڑی اور شدت کی ہوتی ہے تب زمین خوب گرم ہو جاتی ہے اور عام اصطلاح میں محاورۃً کہا جاتا ہے کہ زمین جلتی ہے۔ شعر کے الفاظ آپ بغور ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو جلتی زمین اور کڑی دھوپ کے ساتھ ''تھی'' لفظ کی اضافت ملے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ زمین جلتی تھی اور دھوپ کڑی تھی، لیکن اب نہیں ہے۔ لفظ ''تھی'' تانیث ہے۔ ''تھا'' کی اور لفظ ''تھا'' علامت ماضی ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ زمین جلتی تھی اور دھوپ کڑی تھی یہ ماضی کی بات ہوگی، لیکن اب یہ مصیبت ختم ہوگئی ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ آپ نے اپنے کلام میں عوامی اصطلاح کے الفاظ و محاورات اور رائج لہجوں کو بھی شمولیت عطا فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر فرض کرو کہ دو دوست کسی پہاڑی مقام کی سیر و تفریح کے لئے گئے۔ وہاں ایک ہوٹل میں ٹھہرے، دوسرے دن علی الصبح پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا شروع کیا اور بڑی محنت اور مشقت برداشت کر کے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچے، لیکن تھوڑی دیر میں اچانک تیز ہوا، سخت بارش، کڑاکے کی سردی اور ساتھ میں اولے اور برف باری شروع ہوگئی۔ دونوں نہایت گھبرائے، جان کا خطرہ تھا۔ بچنے کی بظاہر امید کم تھی، پھر بھی ہمت کر کے پہاڑ سے اترنا شروع کر دیا۔ ابھی تھوڑا ہی اترے تھے کہ ایک شخص نظر آیا۔ اس نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر تھوڑے فاصلے پر اپنے پختہ مکان میں پناہ دے دی۔ دوپہر کے بعد جب بارش کا طوفان ختم ہوگیا تو خود ان کے ہمراہ جا کر ان کی قیام گاہ تک حفاظت سے پہنچا آیا۔ اب جب یہ دونوں دوست ہوٹل کے کمرے میں آگئے اور اطمنان کی سانس لی، تب ایک نے دوسرے سے کہا کہ یار! کیا تیز ہوا تھی، کیا زور کی بارش تھی، لیکن خدا بھلا کرے اس بھلے آدمی کا جو ہماری حفاظت کرنے کے لئے آپہنچا۔ ہماری جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ موت سامنے کھڑی نظر آرہی تھی۔ اگر وہ بھلا آدمی نہ آتا تو ہم تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ دونوں دوست کمرے میں بیٹھ کر گزرے ہوئے حادثہ کی سنگینی کا

ذکر کررہے ہیں۔اسی لئے ہر جملہ میں ''تھی، تھا، تھے'' آرہے ہیں۔ جب یہ دونوں اس حادثہ کا ذکر کررہے تھے تب کوئی خطرے میں نہ تھا، بلکہ دونوں امن میں تھے لیکن ان کے ساتھ ایسا خطرناک حادثہ ہوا تھا کہ اس کا تذکرہ کررہے تھے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شعر کا مطلب اب یہ ہوا کہ الحمدللہ! اب تو امن حاصل ہوگیا ہے۔لیکن ہماری حالت کیا تھی؟ کڑی دھوپ تھی ، زمین تپتی اور جلتی تھی، وغیرہ۔لیکن ہمیں ان جان لیوا مصیبتوں سے نجات دلانے کے لئے وہ قد بے سایہ اب سایہ کناں آیا، یعنی وہ بے سایہ جسم اقدس والے حضور اقدس شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری حفاظت کے لئے آپہنچے اور ہمیں مصائب سے نجات بخشی۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس شعر میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو بے سایہ کی صفت سے موصوف کیا ہے۔اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مبارک وصف یعنی جسم اقدس کا سایہ نہ ہونا احادیث و اقوال صحابہ و ائمہ دین سے ثابت ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ایسا بے مثل و بے مثال پیدا فرمایا کہ ان کا سایہ بھی نہ بنایا تاکہ سایہ کی بھی مثال نہ دی جائے۔

- امام الحدیث حضرت حکیم ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب نوادرالاصول میں حضرت ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں ''عَنْ ذَکْوَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یُرٰی لَہُ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ'' یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ مبارک نہ سورج کی دھوپ میں نظر آتا نہ چاندنی میں۔

(المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ، مطبوعہ:مصر، ص۳۰ ☆ الزرقانی علی المواہب ، مطبوعہ مصر، جلد۲،ص۲۲۰)

- سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ ابن جوزی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبداللہ

بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمائی ہے ''لَمْ یَکُنْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَلَمْ یَقُمْ مَعَ شَمْسٍ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَ ھَا وَلَا مَعَ السِّرَاجِ اِلَّا غَلَبَ ضَوْئُہٗ ''یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، نہ سورج کی دھوپ میں، نہ چراغ کی روشنی میں، آپ کا نور سورج اور چراغ کے نور پر غالب رہتا تھا۔

(خصائص کبریٰ، جلد۱، ص ۶۸ ☆ جمع الوسائل للقاری، جلد۱، ص ۲۰۶)

● امام نسفی مدارک شریف میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل فرماتے ہیں ''قَالَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ مَا اَوْقَعَ ظِلَّکَ عَلَی الْاَرْضِ لِئَلَّا یَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَہٗ عَلٰی ذَالِکَ الظِّلِّ ''یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ خدائے عزوجل نے آپ کا سایہ زمین پر پڑنے نہیں دیا، تاکہ اس پر کسی انسان کا قدم نہ پڑ جائے۔

(مدارک شریف، جلد۲، ص ۱۰۳ ☆ مدارج النبوۃ فارسی، رکن ۴، ص ۱۰۰ ☆ مدارج النبوۃ، جلد۲، ص ۱۶۱)

● حضرت علامہ امام سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل فرمایا ہے کہ ''قَالَ ابْنُ سَبُعَ مِنْ خَصَائِصِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ ظِلَّہٗ کَانَ لَایَقَعُ عَلَی الْاَرْضِ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا اِذَا مَشٰی فِیْ الشَّمْسِ اَوِالْقَمَرِ لَایُنْظَرُ لَہٗ ظِلٌّ ''یعنی ابن سبع نے فرمایا کہ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیوں کہ آپ نور تھے۔ سورج اور چاند کی روشنی میں جب چلتے تھے تو آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ (خصائص کبریٰ، جلد۱، ص ۶۸)

یہاں تک صرف چار احادیث پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جلیل القدر ائمہ ملت اسلامیہ مثلاً: امام قاضی عیاض، امام جلال الدین سیوطی صاحب تفسیر جلالین شریف، علامہ شہاب الدین خفاجی، امام احمد قسطلانی، علامہ حسین ابن محمد دیار بکری، امام ابن حجر مکی، علامہ سلیمان جمل، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام ربانی مجدد الف ثانی، امام راغب اصفہانی، امام

تقی الدین سبکی، علامہ ملا علی قاری، مولانا جلال الدین رومی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیر ہم رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی معتبر و مستند کتب میں اس بات کی وضاحت اور تائید فرمائی ہے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔ ائمہ ملت اسلامیہ کی تصریحات آئندہ شعر نمبر 105 ''قد بے سایہ ظل کبریا ہے'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے دو مرتبہ لفظ سایہ کا استعمال فرمایا۔ دونوں مرتبہ لفظ سایہ اسم ہے اور دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔ پہلے جو لفظ سایہ ہے اس کا مطلب پرچھائی، پرتو یا سایہ ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ سایہ ہے اس کا مطلب حفاظت یا حمایت ہے۔ خوبی کی بات تو یہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے دونوں لفظ سایہ کو منفرد استعمال نہیں کیا، بلکہ دونوں میں اضافت استعمال کیا، لیکن ایک میں اضافت مقدم ہے یعنی سایہ سے پہلے لفظ ''بے'' لایا گیا ہے اور ''بے سایہ'' بنا اور دوسرے میں اضافت مؤخر ہے یعنی سایہ کے بعد لفظ ''کناں'' لاکر سایہ کناں بنا ہے۔ یہاں کوئی تعصب میں مبتلا مریض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ یہ شعر صنعت تجنیس کامل کا نہیں، کیوں کہ دونوں مرتبہ لفظ سایہ کا معنی ایک ہی ہے الگ الگ نہیں اور سایہ کناں کا معنی سایہ کرنے والا، کیوں کہ شعر میں دھوپ کا ذکر ہے۔ کڑی دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ مفید ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسری مرتبہ جو لفظ سایہ ہے اس کے معنی حفاظت نہیں بلکہ سایہ یا پرچھائی ہی موزوں اور مناسب ہے اور اس اعتبار سے یہاں تجنیس کامل نہیں، لیکن یہ اعتراض درست نہیں۔ کیوں کہ یہاں صرف دھوپ سے ہی بچنے کا معاملہ نہیں، بلکہ جلتی زمین، پسینہ کی بہتات، حساب و کتاب کا مرحلہ اور دیگر بے شمار تکالیف کا بھی سابقہ پڑے گا جو احوال قیامت میں مذکور ہیں۔ ان تمام مصائب سے چھٹکارا وہی دلا سکتا ہے جس میں حفاظت کرنے کی استطاعت ہو۔ ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ جسم ہی نہیں تو وہ کیسے سایہ فرمائیں گے؟ عرض ہے

کہ ایک جسم کا سایہ حقیقی معنی میں ہوتا ہے جس کا امکان نہیں اور ایک سایہ مجازی معنی میں ہوتا ہے اور اسی سے حفاظت کے معنی بھی حاصل ہوں گے اور اسی کا ہم دعویٰ کرر ہے ہیں۔ لہٰذا ہمارے دعوے کی دلیل خود معترض صاحب نے ہی فراہم کردی۔ دوسری بات یہ ہے کہ سایہ کرنے کے لئے یہ امر لازم ہے کہ سایہ کناں دھوپ اور شئی کے درمیان حائل ہو اور نتیجہ یہ ہوگا کہ سایہ کناں اوپر رہے گا۔ اس کو آسانی سے اس طرح سمجھیں کہ دوپہر کی تیز دھوپ میں ایک آدمی نے دھوپ سے بچنے کے لئے اپنے سر پر کپڑے کا سائبان کیا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ سورج کی کرنیں اب اس کپڑے پر پڑیں گی۔ اور کپڑے کی کثافت کی وجہ سے وہ کرنیں کپڑے سے آر پار نہیں گزریں گی بلکہ کثافت کی وجہ سے پرچھائی وجود میں آئے گی اور وہ پرچھائی اب اس آدمی کے سر پر پڑے گی اس کو سایہ کہا جاتا ہے۔ اب اس فعل میں آفتاب کی حرارت جہاں سے نکلی اور اس شخص تک پہنچنے میں کپڑا بیچ میں حائل ہوگیا۔ آفتاب آسمان پر اور وہ آدمی زمین پر۔ اب جو کپڑے کا سایہ کیا گیا تو وہ آفتاب اور آدمی کے درمیان میں حائل ہوگا۔ اس صورت میں آفتاب اوپر آدمی نیچے اور کپڑا بیچ میں ہوگا۔ یعنی آفتاب اس آدمی اور کپڑے دونوں سے اوپر ہوگا۔ لیکن اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اتنی بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے اور خاص کر قیامت میں اس کا اظہار وانکشاف ہوگا کہ اس دن سورج کو آپ کے اوپر اور آپ کو سورج کے نیچے ہونے کا امکان ہی نہیں۔ آپ ماسوی اللہ سب سے ارفع اور اعلیٰ۔ حضرت رضا بریلوی کے شعر کے دوسرے مصرع میں دوسری مرتبہ استعمال شدہ لفظ سایہ کے معنی حفاظت ہی مناسب اور درست ہیں سایہ کناں کے معنی حفاظت کرنے والا کے مناسب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے ہر محافظ بذات خود جائے واردات پر آکر حفاظت کرے یہ لازمی اور ضروری نہیں بلکہ اس کے ایک اشارے یا نگاہ کرم سے تکالیف زائل ہوجائیں یہ بھی حفاظت ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''رزاق'' ہے جس کے لغوی معنی ہیں

رزق پہنچانے والا اور تمام مسلمانان عالم کا یہی عقیدہ ہے کہ رزق پہنچانے والا اللہ ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ بذات خود رزق دینے نہیں جاتا یا آسمان سے سونے چاندی، چاول، گیہوں، ودیگر اشیاء خوردونوش کی بارش نہیں کرتا، یا فرشتوں کے ذریعہ ہر آدمی کے گھر تیل، راشن، گھی، مرچ، مصالحہ وغیرہ کے پارسل نہیں بھیجتا، پھر بھی حقیقت یہی ہے کہ رزاق حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی سب کو روزی دینے والا ہے۔لیکن کس طرح؟ ذرائع اور وسائل سے۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ایسے اسباب پیدا فرما دیتا ہے کہ ہر مخلوق کو رزق ملا کرتا ہے۔اسی طرح سایہ کناں میں سایہ کے معنی لینے میں وہ عمدگی اور خوبی نہیں ہے جو حفاظت کے معنی میں ہے اور حفاظت کا معنی اس طرح درست ہے۔میدان محشر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کے حضور اپنے گنہگار اور بے عمل امتیوں کی شفاعت فرما کر، ان کے گناہوں کی بخشش دلا کر، ان گناہوں کی سزا کے طور پر دوزخ میں جانے کے عذاب سے حفاظت کر کے جنت میں داخلہ عطا فرمائیں گے۔حضرت رضا بریلوی نے شعر کے آخر میں لفظ ''آیا'' کا استعمال فرمایا ہے۔ اس لفظ نے شعر کی معنویت میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔جس کی وضاحت کے لئے کئی صفحات درکار ہیں۔خوف طوالت کے باعث لفظ ''آیا'' کی تشریح نہ کرنے کی معذرت ومعافی چاہتے ہوئے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ حضرت رضا بریلوی کی ہر نعت کا ہر شعر اور ہر شعر کا ہر لفظ عشق رسول کا بحر بیکراں ہے۔

(105)

قد بے سایہ ظلِ کبریا ہے
تو اس بے سایہ ظل کا ظل ہے یا غوث

حل لغت:

قد: جسم کی لمبائی، قامت، ڈیل، بدن، جسم۔

(فیروز اللغات، ص ۹۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۵۵۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۲)

ظل: سایہ، چھاؤں، پناہ، سورج کو چھپانے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۸۸۵ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷۶ ☆ کریم اللغات، ص ۱۰۷)

ظل اللہ: سایہ خدا کا، اصطلاح میں بادشاہ عادل کو کہتے ہیں، نائب خدا۔

(فیروز اللغات، ص ۸۸۵ ☆ لغات کشوری، ص ۴۷۷)

کبریا: بزرگی، بزرگ پن، عظمت، غرور، تکبر، خدائی، خدائے تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات، ص ۹۸۶ ☆ لغات کشوری، ص ۵۸۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۷)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''ظل'' کا مطلب ''نائب خدا، بادشاہ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد میں وارد لفظ ''ظل'' کا مطلب ''سایہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سلطان الاولیاء نائب سلطان الانبیاء غوث اعظم حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

بارگاہ عالیہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے میرے آقا! آپ کے جدامجد، محبوب احد، حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تو ظل کبریا ہے۔یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نائب اعظم اور خلیفۂ اکرم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے مثل و بے مثال پیدا فرمایا ہے۔آپ کی بے مثالی کی روشن دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے جسم کا سایہ بھی نہ بنایا، تاکہ سایہ کی وجہ سے بھی تمثیل کا امکان نہ رہے۔حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم شریف بے سایہ تھا۔آپ کے جسم اقدس کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا۔نہ دن میں نہ رات میں، نہ سورج کی روشنی میں، نہ چاند کی چاندنی میں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس بے سایہ جسم کے سایہ کی حیثیت سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے۔یعنی جس طرح جسم کا سایہ جسم کا پرتو ہوتا ہے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات وکمالات اور اسوۂ حسنہ کے سیدنا غوث اعظم مظہر ہیں۔گویا کہ حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر کی کرامات حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کے پرتو ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کمالات رفیعہ وصفات عالیہ سے نوازا، اور اللہ کے محبوب نے اپنے فرزند غوث اعظم کو نوازا۔اسی لئے تو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بارگاہ غوثیت میں عرض کرتے ہیں کہ ''تو اس بے سایہ ظل کا ظل ہے یاغوث''، یعنی اے میرے آقا، غوث اعظم! آپ اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے سایہ جسم کا سایہ ہیں۔

صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور علمائے دین متین اس بات میں بلا شک متفق ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا۔جس کے ثبوت میں ابھی شعر نمبر 104

جلتی تھی زمیں کیسی ، تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قد بے سایہ ، اب سایہ کناں آیا

کی تشریح میں چار احادیث گزریں۔اب یہاں ملت اسلامیہ کے شہرۂ آفاق ائمہ وعلماء کی معرکۃ الآراءاور معتبر ومستند کتب سے اس مضمون کی مزید وضاحت پیش ہے۔

امام الزماں، قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’وَمَا ذُکِرَ مِنْ اَنَّـہُ لَاظِلَّ لِشَخْصِہٖ فِی شَمْسٍ وَلَا فِیْ قَمَرٍ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا وَاَنَّ الذُّبَابَ کَانَ لَایَقَعُ عَلٰی جَسَدِہٖ وَلَا ثِیَابِہٖ‘‘

ترجمہ: یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نور تھے اور آپ کے جسم اور کپڑوں پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ (الشفاء، جلد ا، ص ۳۴۲)

صاحب تفسیر جلالین شریف، امام جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ’’لَمْ یَقَعْ ظِلُّہٗ عَلَی الْاَرْضِ وَلَایُرٰی لَہٗ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ قَالَ ابْنُ سَبُعَ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا قَالَ رَزِیْنُ فَغَلَبَہٗ اَنْوَارُہ‘‘

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور نہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں سایہ نظر آتا تھا۔ ابن سبع اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نور تھے۔ رزین نے کہا کہ حضور کا نور سب پر غالب تھا۔ (انموزج اللبیب)

حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ’’مَاجَرَّ بِظِلِّ اَحْمَدَ فِی الْاَرْضِ کَرَامَۃً کَمَا قَدْ قَالُوْا، ھٰذَا عَجَبُ وَلِمَ بِہٖ مِنْ عَجَبٍ وَّالنَّاسُ بِظِلِّہٖ جَمِیْعًا قَالُوْا، وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْآنُ بِاَنَّہُ النُّوْرُ الْمُبِیْنُ وَکَوْنُہٗ بَشَرًا لَایُنَافِیْہِ‘‘

ترجمہ: عظمت واحترام کے باعث حضور کے جسم کا سایہ دامن زمین پر رگڑتا ہوا نہیں چلتا تھا۔ حالاں کہ حضور ہی کے سایۂ کرم میں سارے انسان چین کی نیند سوتے ہیں، اس سے حیرت انگیز بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ اس امر کی شہادت قرآن دیتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نور مبین ہیں اور حضور کا سایہ نہ ہونا بشر ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(نسیم الریاض، مطبوعہ: مصر، جلد۳، ص۳۱۹)

امام اجل، علامہ احمد قسطلانی صاحب المواہب قدس سرہٗ فرماتے ہیں ''قَالَ لَمْ یَکُنْ لَہُ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَلَا قَمرٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُ عَنِ ابْنِ ذَکْوَانَ وَقَالَ ابْنُ سَبعٍ کَانَ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُوْرًا فَکَانَ اِذَا مَشٰی فِیْ الشَّمْسِ اَوِالْقَمَرِ لَایَظْھُرُ لَہُ ظِلٌّ''

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں پڑتا تھا، نہ چاند کی چاندنی میں۔ ابن ذکوان سے یہ حدیث ترمذی نے روایت کی اور ابن سبع اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نور تھے۔ اسی لئے دھوپ اور چاندنی میں چلتے تھے تو جسم پاک کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ (المواہب اللدنیہ، جلد۱، ص۱۸۰ ☆ زرقانی جلد۴، ص۲۲۰)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وَمَا یُؤَیِّدُ اَنَّہُ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَارَ نُوْرًا اَنَّہُ اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ اَوِالْقَمَرِ لَا یَمُرُّ لَہُ ظِلٌّ لِاَنَّہُ لَایَظْھُرُ اِلَّا لِکَثِیْفٍ وَھُوَ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ خَلَصَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ سَائِرِ الْکَثَافَاتِ الْجِسْمَانِیَۃِ مُیَسَّرَہُ نُوْرًا فَلَا یَظْھُرُ لَہُ ظِلٌّ اَصلًا''

ترجمہ: اس بات کی تائید میں کہ حضور سراپا نور تھے، اس واقعہ کا اظہار کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جسم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا، نہ چاندنی میں۔ اس لئے کہ سایہ کثیف چیز کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو تمام جسمانی کثافتوں سے پاک کر کے انھیں نور محض بنا دیا تھا۔ اسی لئے ان کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ (افضل القریٰ، ص۴۷)

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ''ونبود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر''

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں پڑتا تھا نہ ماہتاب کی چاندنی میں۔ (مدارج النبوت، فارسی، جلد ا، ص ۲۱)

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی، شیخ فاروق سرہندی فرماتے ہیں ''او رصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سایہ نبود در عالم شہادت سایۂ ہر شخص از شخص لطیف تر است چوں لطیف تر از وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد''

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم شہادت میں ہر چیز سے اس کا سایہ لطیف ہوتا ہے اور حضور اقدس کی شان یہ ہے کہ کائنات میں ان سے زیادہ لطیف کوئی چیز ہے ہی نہیں، پھر حضور کا سایہ کیوں کر پڑتا۔

(مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ، جلد ۳، ص ۱۴۷)

امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ''لَقَدْ نَزَّہَ الرَّحْمٰنُ ظِلَّكَ اَنْ یُّریٰ، عَلَی الْاَرْضِ فَانْطَوٰی لِمَزِیَّۃٍ''

ترجمہ: خدائے رحمٰن نے آپ کے سایہ کو زمین پر واقع ہونے سے پاک فرمایا اور پائمالی سے بچنے کے لئے آپ کی عظمت کے سبب اس کو لپیٹ دیا کہ دکھائی نہ دے۔

(سیرت حلبیہ، مطبوعہ: مصر، جلد ۲، ص ۹۴)

مذکورہ اقوال ائمہ دین نے صاف وضاحت کردی کہ بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں تھا اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے تھا۔ علاوہ ازیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم کو بے شمار خصائص سے نوازا تھا اور ان میں علم غیب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا اور اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب کو جو کچھ گزر گیا، جو ہو رہا، اور جو ہونے والا ہے، اس کا علم عطا فرمایا۔ حضور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا اپنے آقا و مولیٰ وجد امجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے سایہ جسم کے سایہ کی حیثیت سے حضور کے معجزات کے مظہر تھے۔ حضور غوث اعظم کی بے شمار کرامتوں میں سے بہت سی کرامات حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کی مظہر ہیں۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کتاب بہجۃ الاسرار جو شیخ ابوالحسن نورالدین علی بن یوسف شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف ہے، ان کے اور حضور سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔ وہ حضرت شیخ جلیل القدر ابوالعباس احمد بن شیخ عبداللہ ازہری حسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں حضور سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس شریف میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کی مجلس مبارک میں دس ہزار لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور شیخ علی بن ہیتی غوث اعظم کے بالکل سامنے مواجہہ میں تھے۔ اس لئے کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ یہی مقرر تھی۔ انھیں غنودگی نے گھیر لیا۔ اس وقت حضور غوث پاک نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ۔ چنانچہ تمام لوگ خاموش ہو گئے اور ان کے سانسوں کی آواز کے سوا کوئی دوسری آواز سنائی نہ دیتی تھی، پھر حضور غوث اعظم منبر سے اترے اور حضرت شیخ ہیتی کے سامنے باادب دست بستہ کھڑے ہو گئے اور خوب غور سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر جب شیخ علی ہیتی نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے شیخ! کیا تم نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ حضرت غوث پاک نے فرمایا کہ میں اسی وجہ سے ادب بجالایا تھا اور فرمایا کہ حضور نے تمھیں کیا نصیحت فرمائی ہے۔ انھوں نے کہا مجھے آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس وقت شیخ علی ہیتی نے لوگوں سے فرمایا کہ میں نے جو کچھ خواب میں دیکھا حضور غوث اعظم نے اسے حالت بیداری میں دیکھ لیا۔ اس وقت اہل مجلس سے سات آدمی خوف وخشیت الٰہی سے فوت ہو گئے۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۲۴۴)

اس واقعہ کے مثل کئی واقعات آپ کی سوانح حیات میں موجود ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کے مظہر ہیں اسی لئے حضرت رضا عرض کرتے ہیں:

مصطفیٰ کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا میری جاں جلوۂ زیبا تیرا

❁......❁......❁

(106)

سبب ہر سبب منتہائے طلب
علت جملہ علت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

سبب: وجہ، باعث، موجب، واسطے، لئے، کارن، حجت، دلیل، ذریعہ، وسیلہ، واسطہ، وہ جو دو چیزوں کو ملائے، پیوند، جوڑ، وہ چیز جس سے دوسری چیز کا وجود حاصل ہو۔

(فیروز اللغات، ص۷۷۳ ☆ لغات کشوری ۳۶۵ ☆ کریم اللغات، ص۸۳)

منتہیٰ: انتہا کیا گیا، انتہا کو پہنچا ہوا، انجام کو پہنچا ہوا، پورا، کامل، تمام، مکمل، نتیجہ، انجام، ثمرہ، پھل، حاصل۔

(فیروز اللغات، ص۱۲۹۱ ☆ لغات کشوری، ص۷۴۳ ☆ کریم اللغات، ص۱۶۹)

طلب: مانگ، خواہش، آرزو، لت، دھت، جستجو، تلاش، بلاوا، طلبی، تنخواہ، مشاہرہ، وہ چیز جو مانگی جائے، مانگنا۔

(فیروز اللغات، ص۸۷۹ ☆ لغات کشوری، ص۴۷۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۶)

علت: حاصل، ماحصل، مقصود، اصلی، سبب، باعث، وجہ، فائدہ، پھل، بیماری، روگ، دکھ، عادت بد، لت، عیب، نقص، خراب اور ناکارہ چیز، جھگڑا، بکھیرا، الزام، بہتان، کوڑا کرکٹ، خس وخاشاک۔

(فیروز اللغات، ص۹۰۱ ☆ لغات کشوری، ص۴۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۱)

جملہ: تمام، سب، کل، حکموں کا مجموعہ، فقرہ، حصہ، کلام، فقرہ جو مطلب ادا کرے، جملہ کی مشہور قسمیں مثلاً: جملہ انشائیہ، جملہ خبریہ، جملہ شرطیہ وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص۴۷۲ ☆ لغات کشوری، ص۲۰۰)

پہلے مصرع میں پہلے لفظ ''سبب'' کا مطلب ''باعث'' ہے۔

پہلے مصرع میں دوسرے لفظ ''سبب'' کا مطلب ''مقصود اصلی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں پہلے لفظ ''علت'' کا مطلب ''باعث'' ہے۔

دوسرے مصرع میں دوسرے لفظ ''علت'' کا مطلب ''حاصل، ماحصل'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رحمت، ہر خلق کے وجود کا باعث ہونے کی شان اور اس کائنات کے لئے آپ کی ذات ہی مقصود اصلی ہے، کا بیان کیا ہے۔ حالاں کہ یہ موضوع اتنا وسیع اور دقیق ہے کہ اس کو بیان کرتے وقت سخت احتیاط درکار رہے۔ عبد و معبود اور خالق و مخلوق کا جوہری فرق سامنے رکھ کر ہی حضور کی شان رفیع کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ ذرا سی بے احتیاطی اور بے جا غلو اپنا کر آپ کو عبدیت کے مرتبہ سے نکال کر الوہیت کی منزل میں داخل کر دیا گیا۔ تو یہ کھلم کھلا شرک ہے، اور اگر آپ کو صرف عام بندوں کی طرح شمار کر کے محبوبیت کی منزل سے خارج کر دیا گیا تو یہ صراحتاً تنقیص رسالت اور کفر ہے۔ اب اس مقام نازک پر امام عشق و محبت کا عبدیت اور محبوبیت کے مقام کو اس کی شان اور منزل میں برقرار رکھ کر صرف ایک شعر میں اس معنی کو حسن اسلوبی سے بیان کر دینا یہ حضرت رضا کا ہی خاصہ ہے، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ شعر کا لغوی اعتبار سے ظاہری معنی یہ ہے کہ لاکھوں سلام ہو، اس مقدس ذات پر جو باعث تخلیق کائنات ہیں اور کائنات کی ہر شئے کے لئے مقصود اصلی بلکہ خالق کائنات کے بھی مطلوب اصلی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انھیں تمام علتوں کے لئے علت بنایا ہے۔

اس شعر میں لفظ سبب اور لفظ علت کا دو دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے مصرع میں دو مرتبہ لفظ ''سبب'' ہے اور دونوں کے معنی جدا ہیں۔ پہلی مرتبہ جو لفظ سبب ہے اس کا مطلب

باعث ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ سبب ہے اس کا مطلب مقصود اصلی ہے۔ دوسرے مصرع میں پہلی مرتبہ جو لفظ علت ہے اس کا معنی بھی باعث، وجہ ہے اور دوسرے مصرع میں دوسری مرتبہ جو لفظ علت ہے اس کا مطلب ہے ماحصل دونوں لفظ علت اور سبب اسم ہیں۔ اس شعر میں فن ادب کے اعتبار سے دو تجنیس کامل ہیں اور دونوں تجنیسات مماثل ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے منتہائے طلب کا استعمال کر کے انگوٹھی میں نگینہ کی جگہ چاند اور سورج جڑ دیا ہے۔ منتہائے طلب اس آخری سرے کو کہتے ہیں جہاں حد پوری ہوتی ہے۔ اس سے آگے جانے کی گنجائش اور امکان نہیں۔ اور یقیناً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی ہے کہ آپ کو پالینے کے بعد اب کچھ بھی طلب کی تمنا نہیں ہوتی۔ بقول شاعر:

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس نے آپ کو پالیا اس نے خدا کو بھی پالیا اور خدا کو پالینے کے بعد اب بھلا کیا پانے کی حاجت وخواہش ہوگی؟ طلب کی انتہائی حد آجاتی ہے، بلکہ اب طلب ہی فنا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اگلے صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے کلام کے ہر لفظ کا مآخذ قرآن وحدیث ہوتے ہیں۔ آپ ہر بات قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی فرماتے ہیں اور اس سے سرمو تجاوز نہیں کرتے۔

یہ امر مسلم ہے کہ کائنات کی ہر شئے کا وجود واسطے سے ہے۔ کوئی بھی شئ بلا واسطہ پیدا نہیں کی گئی، سوائے نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بلا کسی واسطے کے اپنے نور سے پیدا فرمایا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ کُلِّ اَشْیَاءٍ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُوْرِہٖ'' یعنی

اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو سب سے پہلے اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

(مشکوٰۃ وغیرہ)

تمام کائنات کہ جس میں عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت سب شامل ہیں ان تمام کے وجود کا سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''اَنَا مِنْ نُّوْرِاللّٰهِ وَكُلٌّ مِنْ نُّوْرِیْ'' یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور سب میرے نور سے ہیں۔

(مشکوٰۃ)

حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں: ''اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ آپ کا ظہور نہ ہوتا تو یہ افلاک و املاک کبھی بھی نہ ہوتے۔ پس آپ کی ذات اس رحمت الٰہی کا کامل مظہر ہے، جو ہر اس چیز کو محیط ہے جو اپنی ایجاد و تخلیق اور ظہور و وجود میں آپ کی محتاج ہے۔''

(شرح الشفا، جلد ۱، ص ۳۸)

المختصر! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ تمام کائنات کے وجود کا سبب ہے۔ بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ:

حضرت علامہ عمر بن احمد خرپوتی واقعہ معراج کے تحت بیان فرماتے ہیں کہ جب معراج کی شب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب! ''اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوَا ذَالِكَ خَلَقْتُهُ لِاَجْلِكَ''

ترجمہ: میں تیرا اور تو میرا مقصود ہے، باقی سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ اس ارشاد پاک پر حضور اقدس حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی:

''اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوَا ذَالِكَ تَرَكْتُهُ لِاَجْلِكَ۔''

ترجمہ: میں تیرا ہوں، تو میرا ہے، باقی سب تیرے نام پر نثار کرتا ہوں۔

(عقیدۃ الشہدۃ، ص ۱۷)

بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد جو حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

''لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ'' یعنی اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو میں اپنے رب ہونے کا اظہار نہ کرتا۔

مذکورہ حدیث قدسی کے الفاظ کو ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ پڑھیں اور غور فرمائیں کہ رب کریم اپنے محبوب اعظم سے کس درجہ محبت فرما رہا ہے۔ اس محبت کا ہی صدقہ ہے کہ تمام کائنات وجود میں آئی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مختلف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات ومقامات کا ذکر کر رہے تھے کہ حضرت آدم صفی اللہ ہیں، حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں، حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ سب حق ہے، لیکن میرے بارے میں سنو ''اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ'' یعنی میں اللہ کا حبیب ہوں۔

محقق علی الاطلاق، حجۃ اللہ فی الارض، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح طیبہ کے صدقے میں پیدا ہوئی ہے۔ اگر روح محمدی نہ ہوتی تو کسی کو بھی اللہ کی معرفت نصیب نہ ہوتی، کیوں کہ کسی کا وجود ہی نہ ہوتا، اس سے واضح ہو گیا کہ پہلا واسطہ موجودات کی تخلیق کا محبت ہے۔

(مدارج النبوۃ، جلد۲، ص ۶۱۷)

شیخ مہائمی فرماتے ہیں کہ اے صاحب فہم ودانش! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرما دیا ہے کہ اس نے اپنی کل مخلوقات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک حصہ سے عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا، لہٰذا عدم سے مشاہدہ کی طرف حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود تمام مخلوقات کے

لئے رحمت ہے، کیوں کہ مصدر خلائق وہی ہے سب کا صدور وظہور انہیں کے نور سے ہے۔ لہٰذا ان کا ہونا مخلوق کا ہونا ہے اور ان کا موجود ہونا وجود خلق کا سبب ہے اور ان کا وجود مبارک جمیع خلائق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہے۔ اس لئے کہ سب وجود کا سبب وہی ہے۔

(عرائس البیان، جلد۲، ص۵۳)

امام عبدالکریم الجیلی فرماتے ہیں کہ اور اسی حقیقت محمدیہ کے سبب تمام حقائق اشیاء پر کرم ہوا تو وہ اپنے اپنے مرتبۂ وجود میں ظاہر ہوئیں۔ (جواہر البحار، جلد۱، ص۲۴۵)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے شعر میں استعمال شدہ جملے ''سبب ہر سبب'' اور ''علت جملہ علت'' نے سب کچھ کہہ دیا کہ یہ وہی ذات گرامی ہے کہ اگر یہ نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کا بھی اظہار نہ فرماتا۔ اگر یہ نہ ہوتی تو مخلوق کا وجود ہی نہ ہوتا، اور جب مخلوق کا وجود ہی نہ ہوتا تو کوئی کام اور کسی قسم کے طلب کے وجود کا بھی امکان نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سبب بنایا اور اسی سبب کے سبب، سب کا وجود ہوا، تخلیق کائنات کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے وہی وسیلہ بنے اور اسی علت کے طفیل تمام علت کا حصول ہوا اور وہ حصول بھی ایسا کہ ''منتہائے طلب''، یعنی طلب کی بھی انتہا آ جائے، یہ سب کچھ ایک ذات گرامی کی برکت ورحمت اور اسی کا طفیل ہے اور اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ ہونا ہی نہ ہوتا۔ ایک نعت میں حضرت رضا اس حقیقت کو اس طرح فرماتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی ، جان ہے تو جہان ہے

(107)

گود میں عالم شباب حال شباب کچھ نہ پوچھ
گلبن باغ نور کی اور ہی کچھ اٹھان ہے

حل لغت:

گود: آغوش، پہلو، کنار۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۱۲)

عالم: دنیا، زمانہ، جہان، دنیا کے لوگ، مخلوق، قسم، جنس، حالت، صورت، درجہ، طریقہ، ڈھنگ، چال، لفظ، مزہ، حسن، رونق، مانند، ماسوا اللہ۔

(فیروز اللغات، ص۸۸۸ ☆ لغات کشوری، ص۴۸۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۸)

شباب: جوانی، شروع، آغاز، جوان، گرو، ابتداء، عروج کا زمانہ، ایک پردہ موسیقی کا نام۔

(فیروز اللغات، ص۸۳۶ ☆ لغات کشوری، ص۴۱۱ ☆ کریم اللغات، ص۹۶)

گلبن: گلاب کا پودا، گلاب کے پودے کی جڑیں، گلاب کا درخت، کسی درخت کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ لگا ہو۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۸ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۴)

باغ: گلزار، پھلواری، چمن، جہاں بہت سے درخت لگائے جائیں۔ مجازاً آل اولاد، بال بچے، نعمت، سکندر نامہ میں مراد ہے فیلقوس، اسکندر کے باپ سے۔

(فیروز اللغات، ص۱۶۹ ☆ لغات کشوری، ص۸۱)

اٹھان: اٹھنا، اٹھنے کی حالت، شروع، آغاز، ابھار، بالیدگی۔ (فیروز اللغات، ص۶۶)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''شباب'' کا مطلب ''عروج'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''شباب'' کا مطلب ''جوانی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد طفلی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ پہلے مصرع میں لفظ ''شباب'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ ''شباب'' دونوں مرتبہ بحیثیت اسم ہے، لیکن دونوں مرتبہ الگ الگ معنوں میں مستعمل ہے۔ لہٰذا یہ شعر تجنیس کامل مماثل کی صفت سے ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ شان رفیع ہے کہ گود میں یعنی حالت طفلی میں آپ کی صلاحیتوں کا وہ عالم تھا کہ ایسی صلاحیتیں عام طور پر انسانوں میں شاذ و نادر ہوتی ہیں۔ جب میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد طفلی کا یہ عالم ہے تو پھر حال شباب یعنی عہد جوانی کا کیا کہنا؟ حال شباب کی کیفیت مت پوچھو! کیوں کہ اس نورانی کیفیت کا حال ہم کما حقہ بیان نہیں کر سکتے۔ ہماری زبانیں اور ہمارے اقلام اس حالت نوری شباب کی کیفیت کامل طور پر بیان کرنے اور تحریر کرنے سے قاصر ہیں کیوں کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس ذات گرامی گلبن باغ نور یعنی باغ نور کے گلاب کا پودا ہے۔ اور اس کی اٹھان کچھ اور ہی ہے۔ عام انسانوں کی طرح نہیں بلکہ نوری بشر کی انوکھی بالیدگی ہے۔ یہ تو ہوا حضرت رضا بریلوی کے شعر کا ظاہری معنی۔ اب اس شعر میں پوشیدہ اسرار و رموز کی طرف التفات کریں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے شعر کی ابتداء لفظ گود سے کی ہے یعنی جب آپ گود میں تھے۔ اور عام طور پر گود میں چھوٹا بچہ ہوتا ہے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام بچوں کی طرح گود میں نہیں تھے، بلکہ ایک نرالی شان سے تھے۔ پہلے یہ دیکھیں کہ آپ کس کی

گود میں تھے؟ عرب کا دستور تھا کہ اعلیٰ خاندان میں پیدا ہونے والے بچوں کو کسی مرضعہ (دایہ) یعنی دودھ پلانے والی عورت کے حوالے کردیا جاتا تھا۔ وہ دایہ اس بچے کو اپنے گھر لے جاتی اور اجرت پر اس کی پرورش ایک زمانہ تک کرتی اور پھر بعد میں اس بچہ کو اس کے والدین کو لوٹا دیتی۔ پرورش کی خدمت کا دایہ کو بچے کے والدین کی طرف سے مناسب معاوضہ دیا جاتا تھا، اور اسی معاوضہ کی رقم سے اس کا گزر بسر ہوتا تھا۔ بہت سی عورتیں دایہ گیری کرتی تھیں اور وہی پیشہ ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ دایہ کا پیشہ اکثر و بیشتر دیہات میں رہنے والی عورتیں کرتی تھیں۔ یہ عورتیں گروہ درگروہ شہروں میں جاتیں اور اچھے سے اچھے گھرانے کا بچہ تلاش کر کے معاوضہ طے کر کے لے آتیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں چند عورتوں کے ساتھ خاندان قریش کا بچہ لانے کے لئے مکہ معظّمہ آئی۔ وہ سال سخت قحط کا تھا۔ لوگ بے حال تھے۔ میرے پستانوں میں اتنا دودھ بھی نہ تھا کہ میں اپنے بیٹے حضرت حمزہ کو بھی سیراب کرسکوں۔ حضرت حمزہ تشنگی کی وجہ سے روتے اور رات بھر میں سو نہیں سکتی تھی۔ میرے ساتھ میرا بیٹا اور میرے شوہر ابوذویب، ایک اونٹنی اور ایک دراز گوش تھا، لیکن قحط سالی کی وجہ سے وہ اونٹنی بھی دودھ نہیں دیتی تھی۔ میرے ساتھ والی تمام عورتوں کو اونچے گھرانوں کے بچے مل گئے۔ ان عورتوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس لئے نہیں لیا کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیا تھا اور دایہ کو رضاعت کی خدمت کا بدلہ چکانے کے لئے باپ کا موجود ہونا ضروری تھا۔ مجھے کوئی بچہ نہ ملا اور مجھے بغیر کسی بچے کے واپس جانے میں شرم محسوس ہوئی۔ میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچ گئی۔ میں نے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ سبز کپڑے پر لیٹے ہوئے تھے، آپ کے جسم اقدس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی، میں نے آگے بڑھ کر آپ کا چہرۂ انور چوم لیا۔ آپ نے

آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ حضور کی آنکھوں سے ایک نور عرش عظیم کی طرف گیا۔ پھر میں نے آپ کو اٹھا لیا اور اپنا دایاں پستان حضور کے دہن اقدس میں دیا، آپ نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ پھر میں نے اپنا بایاں پستان دیا تو آپ نے اس سے نہ پیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ الہام عدل و انصاف کرنے کی ہدایت فرمائی تھی کہ دوسرے پستان میں آپ کے ایک ساتھی کا حصہ ہے، اسی لئے آپ نے بائیں پستان سے دودھ نہیں پیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ہمیشہ دایاں پستان حضور کو اور بایاں اپنے بیٹے حمزہ کو دیتی تھی۔

(شواہد النبوۃ، اردو ترجمہ، ص ۷۳ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۳۸)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بایاں پستان ترک فرمایا اور اس سے دودھ نوش نہیں فرمایا، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے علمائے ملت اسلامیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ اعراض و انکار عدل و انصاف کا تقاضا پورا کرنے کے لئے تھا۔

''لِاَنَّهُ عَلِمَ اَنَّ لَهُ شَرِيْكًا فِى الرَّضَاعَةِ'' یعنی آپ کو اس بات کا علم تھا کہ میرے ساتھ دودھ پینے میں دوسرا بھائی بھی شریک ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۱، ص ۳۷۷)

عدل و انصاف کا تقاضا کیا ہے؟ وہ ایک عام بچہ نہیں جانتا اور وہ بھی اتنا چھوٹا بچہ جو ابھی شیر خوار ہو، لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام بچوں کی طرح نہیں تھے۔ بلکہ آپ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بائیں پستان سے اعراض فرما کر عملی طور پر واضح فرما دیا کہ میں کسی کا حق لینے نہیں بلکہ دینے اور دلانے کے لئے ہوں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو ماہ کے ہوئے تو لڑکوں کی طرح سرین کے بل چلنے لگے۔ جب پانچ ماہ کی عمر شریف ہوئی تو اٹھ کر پاؤں پر آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ جب چھ ماہ کی عمر شریف ہوئی تو تیز تیز چلنے لگے۔

اور عمر شریف جب سات ماہ کی ہوئی تو آپ جدھر چاہتے خوشی سے چلے جاتے۔ عمر شریف جب نو ماہ کی ہوئی تو فصیح گفتگو فرمانے لگے۔ دس ماہ کی عمر شریف میں تو لڑکوں کے ساتھ تیراندازی فرمانے لگے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(شواہد النبوۃ، از: علامہ نورالدین جامی، اردو ترجمہ، ص ۵۷)

بیہقی، ابن عساکر، صابونی اور خطیب نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ انھوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کی نبوت کی نشانیوں نے مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ گہوارے میں چاند سے باتیں کرتے اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے اور جس طرف اشارہ فرماتے چاند ادھر جھک جاتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاند سے باتیں کرتا تھا اور چاند مجھ سے باتیں کرتا تھا، اور مجھے رُلائی میں بہلاتا تھا اور عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتے وقت اس کی تسبیح کرنے کی آواز میں سنا کرتا ہوں۔

(خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۳۷ ☆ شواہد النبوۃ، از: علامہ نورالدین جامی، اردو ترجمہ، ص ۸۰)

اسی معجزہ کا ذکر حضرت رضا بریلوی نے اس طرح کیا ہے:

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف بارہ سال کی ہوئی تو آپ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ ملک شام کے سفر پر گئے۔ شام کے ایک قصبہ جسے بصریٰ کہتے ہیں۔ وہاں بحیرہ نامی ایک راہب رہتا تھا جو علم و فضل میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ قافلے عموماً اس کے پاس سے گزرتے تھے، لیکن وہ کسی کی طرف التفات نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب یہ قافلہ وہاں پہنچا تو بحیرہ راہب نے دیکھا کہ اس قافلہ میں ایک ایسی ہستی ہے جس پر سفید بادل سایہ فگن ہے اور وہ ہستی

جدھر جاتی ہے وہ بادل بھی ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بحیرہ راہب نے اہل قافلہ کی دعوت کی۔ اہل قافلہ کھانے سے فارغ ہوئے تو بحیرہ راہب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب آیا اور کہنے لگا: اے لڑکے! تجھے قسم ہے لات وعزیٰ کی، جو پوچھوں گا سچ بتایئے گا۔ قسم کھانے میں بحیرہ راہب نے قریش کی تقلید کی تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو مجھے لات وعزیٰ کی قسم نہ دو، کیوں کہ میرے نزدیک لات وعزی سے بڑھ کر کوئی چیز قابل قہر وغضب نہیں۔ راہب نے کہا: اچھا بچے خدا کی قسم، جو پوچھوں گا سچ بتاؤ گے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ بحیرہ راہب نے اپنے خواب، حالت بیداری اور دیگر احوال وواقعات کے متعلق پوچھا۔ حضور نے اس کے تمام سوالات کے شافی وکافی جوابات عنایت فرمائے۔ بحیرہ آپ کی فصیح وبلیغ گفتگو سے نہایت متاثر ہوا اور نبی آخر الزماں کے صفات وعلامات جو اس نے کتب سابقہ میں پڑھے تھے، وہ سارے صفات آپ میں موجود پائے۔ (شواہد النبوۃ، ص ۸۷)

حضور اقدس عالم ما کان وما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ طفلی کے ایسے بے شمار واقعات کتب احادیث اور کتب سیر وتاریخ میں موجود ہیں۔ ان تمام واقعات کا تفصیلی تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ الحاصل! زمانۂ طفلی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی استعداد وصلاحیت کا وہ عالم تھا کہ بڑے سے بڑا عالم وفاضل آپ کے سامنے طفل مکتب کی بھی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اسی کا ذکر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے اس شعر میں کیا ہے کہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صلاحیتوں کا جب عہد طفلی میں یہ عالم ہے تو ایام جوانی کے عالم کا کیا کہنا؟ دوسرے مصرع میں وضاحت کرتے ہیں:

گلبن باغ نور کی اور ہی کچھ اٹھان ہے

اس مصرع میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے لئے گلبن باغ نور کا جملہ استعمال فرمایا۔اس ایک جملہ میں حضرت رضا نے بہت کچھ فرما دیا ہے۔جس کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

ایک تو ہوتا ہے باغ اور دوسرا ہوتا ہے گلبن۔ باغ اور گلبن کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں،لیکن پھر بھی بہت فرق ہے۔گلبن مشتق ہے گل اور بن سے،گل یعنی پھول اور بن یعنی جنگل۔تو اب گلبن کے معنی ہوئے پھولوں کا جنگل۔یعنی باغ، کیوں کہ باغ میں بھی بے شمار پھول ہوتے ہیں۔جس طرح جنگل میں بے شمار درخت ہوتے ہیں۔تو بظاہر باغ اور گلبن کے معنی ایک ہی ہوئے،لیکن لغوی اعتبار سے باغ اور گلبن میں فرق ہے۔ باغ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سے اقسام کے پھول ہوں۔گلبن اس جگہ کو کہتے ہیں یا اس درخت کو کہتے ہیں جس میں صرف گلاب کے پھول ہوں۔ باغ میں بھی گلبن ہوتا ہے اور دیگر پھول بھی ہوتے ہیں۔مگر پورے باغ میں گلبن کا حصہ ایک مخصوص اہمیت رکھتا ہے، کیوں کہ گلبن میں صرف گلاب کے پھول ہی ہوتے ہیں۔ اگر آپ کو باغ کی سیر وتفریح کا اتفاق ہوا ہو تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ باغ میں گل رعنا،گل سوسن،گل لالہ،گل نیلوفر،گل یاسمین،گل سمن،گل سنبل،گل نسترن وغیرہ کئی قسم کے پھول ہوتے ہیں۔لیکن گلاب کے پھول کی شان ہی نرالی ہے۔گلاب کو پھولوں کے بادشاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ باغ میں چاہے کتنے ہی قسم کے پھول کیوں نہ ہوں،لیکن اگر گلاب کا پھول نہیں تو اس باغ کا حسن ادھورا اور اس کی رونق ناقص ہے۔علاوہ ازیں باغ میں سیر وتفریح کے لئے جانے والے کو دیگر پھول اپنی طرف مائل کرتے ہیں،لیکن گلاب کے پھول میں تسخیر کا جو مادہ ہے وہ دیگر پھولوں میں نہیں۔ اگر کسی باغ کے ایک کونے کو گلبن کی حیثیت دے دی جائے تو باغ میں آنے والا چاہے دیگر پھولوں کو دیکھے یا نہ دیکھے،لیکن گلبن کو تو ضرور دیکھے گا۔اور اس نے اگر گلبن کی سیر نہیں کی تو اس کی باغ کی سیر کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ اس شعر کے دوسرے مصرع میں بند لفظوں میں یہ

فرمارہے ہیں کہ حضرت آدم سے حضرت عیسٰی علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام تک جتنے بھی انبیاء و مرسلین ہیں وہ تمام باغ نور کے یقیناً شاداب پھول ہیں۔ان کی پاکیزہ مہک نے اپنے اپنے زمانے کی فضا کو ایمانی خوشبوؤں سے معطر کردیا۔باغ رسالت ونبوت کے ان تمام اولوالعزم پھولوں کی ایمانی شادابی، روحانی مہک اور ایمانی خوشبو وخوبصورتی مسلم ہے،لیکن ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان تمام حضرات پر وہ فضیلت حاصل ہے جیسی گلاب کو دیگر پھولوں پر۔گلاب اگر تمام پھولوں کا بادشاہ ہے تو میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء ومرسلین کے بھی آقا ومولیٰ ہیں۔اگر باغ کی سیر کو جانے والا دیگر پھولوں کو دیکھے اور گلاب کو ملاحظہ نہ کرے تو اس کا باغ میں جانا بے سود ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص تمام انبیاء کرام کو جانے اور مانے لیکن سیدالانبیاء والمرسلین کو نہ مانے تو اس کا ایمان بے سود ہے۔اسی لئے تو تمام انبیاء کرام نے اپنے اپنے دور میں اپنے امتیوں کے سامنے سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گن گائے،آپ کے اوصاف ومراتب بیان فرمائے،آپ کی آمد کا مژدہ سنایا اورآپ پر ایمان لانے کی تلقین وہدایت فرمائی۔تمام انبیائے کرام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس محبوب رب العالمین،سیدالمرسلین پر ایمان لانے اورآپ کی نصرت کرنے کا وعدہ دیا تھا۔

قرآن مجید، پارہ نمبر۳،سورۃ آل عمران،آیت نمبر۸۱ ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ ''میں اس کا تذکرہ ہے جو اس کتاب کے شعر نمبر ایک (1) کی تشریح میں مذکور ہے۔علاوہ ازیں دوسرے مصرع میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے ''اور ہی کچھ اٹھان ہے'' کا جملہ لکھ کر انبیائے سابقین اور سیدالانبیاء کے دین کی نشرواشاعت کا موازنہ کیا ہے۔حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوسو پچاس سال کی عمر پائی،لیکن ایک محدود حلقہ تک ان کا دین پھیلا،آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ طوفان نوح سے محفوظ رہنے کے لئے حضرت نوح علیہ السلام نے جو کشتی بنائی تھی اس کشتی میں تمام ایمان والے سما گئے۔اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

ایمان لانے والے اور آپ کی مدد کرنے والے حواریوں کی تعداد بھی بہت محدود تھی۔ اسی طرح دیگر انبیاء سابقین کے دین ایک قوم، یا گروہ، یا حلقہ تک محدود تھے۔ انبیائے سابقین علیہم وعلی سیدہم الصلوٰۃ والسلام نے اعلاء کلمۃ الحق میں سعی بلیغ فرمائی لیکن پھر بھی ان کا دین محدود رہا، لیکن سید الانبیائے والمرسلین کی ظاہری نبوت کے صرف تئیس (۲۳) سال میں اسلام جزیرۂ عرب کی سرحدوں کو عبور کرکے دنیا کے گوشے گوشے تک پھیل گیا۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو واقعہ مذکور ہے، اس میں آپ نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکنے کی تحریک چلائی، لیکن قوم پھر بھی باز نہ آئی۔ ایک دن کسی تقریب کے سلسلے میں پوری قوم شہر سے باہر میلے کی شکل میں جمع ہوئی۔ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بت کدہ میں تشریف لے گئے اور جو سب سے بڑا بت تھا، اس کو اپنے مبارک ہاتھوں سے توڑ دیا۔ میلے سے واپسی پر قوم نے اپنے صنم اکبر یعنی بڑے بت کی خستہ حالت دیکھی تو انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شک کیا اور آپ سے دریافت کیا کہ ہمارے معبود کے ساتھ یہ حرکت آپ نے کی ہے؟ جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم اپنے معبود سے ہی پوچھ لو کہ اس کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ لیکن وہ بت کچھ نہ بولا۔

الحاصل! بت کو توڑنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ میں تیشہ اٹھانے کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔ پھر بھی وہ بت کچھ نہ بول سکا۔ لیکن ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اعجاز ہے کہ آپ کی ولادت کی شب میں تمام دنیا کے بت اوندھے گر گئے اور بعض بتوں نے بحکم خدا کلام بھی کیا۔

خرائطی نے ''الہواتف'' میں اور ابن عساکر نے عروہ سے روایت کی کہ ایک جماعت قریش جس میں ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو بن نفیل، عبید اللہ بن جحش اور عثمان بن حُویرث

شامل تھے۔ ان لوگوں کا ایک مشترکہ بت تھا۔ جس کے پاس یہ جمع ہوتے تھے۔ ایک رات جب یہ اس بت کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ منھ کے بل اوندھا پڑا ہے۔ انھوں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور بت کو سیدھا کر کے اس کے مقام پر درست کر دیا۔ کچھ دیر گزری ہوگی کہ وہ بت پھر منھ کے بل گر گیا۔ انھوں نے دوبارہ پھر درست کر کے سیدھا کر دیا۔ تیسری مرتبہ پھر اسی طرح گر پڑا۔ اب عثمان بن حُویرث نے کہا کہ کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے۔ یہ وہی رات تھی جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی۔ اس وقت عثمان بن حُویرث نے بت کو مخاطب کر کے جو عربی اشعار پڑھے اس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

''اے خوشی اور انبساط کے صنم! جس کے طواف کے لئے قریب و بعید سے بڑے بڑے لوگ آتے ہیں، تو منھ کے بل اوندھا ہوا۔ تو ہمیں اس کی وجہ بتا۔ کیا یہ کسی خاص بات کی وجہ سے ہے یا یوں ہی تفریح طبع کے طور پر ہے؟''

راوی کا بیان ہے کہ انھوں نے پھر اس بت کو اٹھا کر اس کی جگہ پر قائم کر دیا۔ جب وہ سیدھا ہوا تو خدا کے حکم سے وہ بت یہ کہتے ہوئے سنا گیا:

''میرا گرنا اس نومولود کی وجہ سے ہے جس کے نور کے طفیل کرۂ زمین کے مشرق و مغرب کے تمام راستے منور اور درخشاں ہوگئے ہیں۔ اور اس نومولود کی وجہ سے تمام بت گر پڑے ہیں۔ اے اولاد قُصی! تم اپنی راہ ضلالت اور کج روی سے لوٹ کر اسلام کی راہ اور کشادہ منزل کی طرف دوڑ کر پہنچو۔'' (خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۱۳۴)

حضرت واقدی اور حضرت ابونعیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو صنم کدوں کے تمام بت منھ کے بل گر پڑے۔ تمام شیاطین نے ابلیس لعین کے پاس جا کر روئے زمین کے تمام بتوں کی کیفیت کا ماجرا بیان کیا۔ ابلیس نے شیاطین سے کہا کہ یہ نبی کی بعثت کی علامت ہے۔ تم اسے تلاش کرو۔ شیاطین نے کہا ہم نے بہت ڈھونڈھا، لیکن پتہ نہ لگا۔ پھر ابلیس خود تلاش کرنے نکلا

اورحضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ میں جلوہ گر پایا۔ پھر وہ اپنے شاگردوں اور ذریات میں واپس آیا اور کہا کہ میں نے ان کو پالیا ہے، مگر جبرئیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہیں۔ اس لئے میں ان پر قابو نہ پاسکا اور نہ آئندہ پاسکوں گا۔

(خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۲۵۷)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے شعر کے دوسرے مصرع میں انھیں تمام واقعات کی طرف اشارہ فرما کر ''اور ہی کچھ اٹھان ہے'' کا جملہ مرقوم فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف ایک بت کو توڑنے کے لئے بذات خود تشریف لے گئے۔ لیکن ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہوتے ہی روئے زمین کے تمام بت اوندھے ہو گئے۔ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جاں نثار حواریوں کا جو بیان ہے، اس کی تفسیر میں صاف لکھا ہے کہ ان حواریوں کی تعداد صرف بارہ تھی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلاء کلمۃ الحق کا یہ عالم تھا کہ سرزمین مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوتے ہوئے، دنیا کے بڑے بڑے شاہوں کو اور عوام الناس کو دولت ایمان سے سرفراز فرمارہے ہیں۔ حبشہ کے نجاشی بادشاہ کا واقعہ اس کی بین دلیل ہے۔ یہ کیا؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام اور آپ کی امت کے اولیاء کرام نے ہزاروں نہیں لاکھوں بلکہ کروروں انسانوں کو دولت ایمان سے بہرہ مند فرمادیا۔ سلطان الہند، اولاد رسول، خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات اس کی بین شہادت دیتی ہے۔ آج ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ ممالک میں ''لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ'' کی جو صدائیں گونج رہی ہیں یہ سب آپ کے مبارک قدموں کی برکات کا صدقہ اور طفیل ہے۔

❁......❁......❁

(108)

شر خیر شور سور شرر دور نار نور
بشریٰ کہ بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے

حل لغت:

شر: بدی، برائی، جھگڑا، فساد، خرابی، ابلیس، بت، شرارت۔

(فیروز اللغات، ص ۸۳۸ ☆ لغات کشوری، ص ۴۱۶ ☆ کریم اللغات، ص ۹۷)

خیر: نیکی، بھلائی، اچھائی، برکت، سلامتی، تندرستی، عافیت، ٹھیک، بجا، درست۔

(فیروز اللغات، ص ۶۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷۵ ☆ کریم اللغات، ص ۶۸)

شور: غل، غوغا، شہرت، دھوم، عشق، جنون، کھاری نمک، خفگی، غصہ، بلند آواز، نمک، نمکین۔ (فیروز اللغات، ص ۸۴۹ ☆ لغات کشوری، ص ۴۳۲)

سور: بہادر یا شجاع آدمی، مرد غازی، قلعہ کی دیوار، شہر کی فصیل، شہر پناہ، بچا ہوا کھانا یعنی جھوٹا، جشن عروسی، شادی، سرخ رنگ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۱۹ ☆ لغات کشوری، ص ۴۰۰)

شرر: آگ کی چنگاری، کینہ۔

(فیروز اللغات، ص ۸۳۹ ☆ لغات کشوری، ص ۴۱۸ ☆ کریم اللغات، ص ۹۷)

دور: بعید، فاصلے پر، علیٰحدہ، الگ، جدا، پرے، دشوار۔

(فیروز اللغات، ص ۶۵۴ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۲)

نار: آگ، انار کا مخفف مرکبات میں مثلاً: گلنار، ناری کا مخفف یعنی عورت یا بیوی۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۴۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۳۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۷)

نور: روشنی، تجلی، اجالا، چمک، رونق، روپ، فارسی زبان میں کبھی مراد چاند سے بھی، کلام

پاک کی ایک سورت کا نام،صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات،ص ۱۳۸۵ ☆ لغات کشوری،ص ۹۰۷ ☆ کریم اللغات،ص ۱۸۷)

بشریٰ: خوشخبری، اچھی خبر۔ (لغات کشوری،ص ۹۹ ☆ کریم اللغات،ص ۲۴)

بارگاہ: کچہری کی جگہ،شاہی محل،کسی بزرگ کا مکان،بادشاہی خیمہ۔

(لغات کشوری،ص ۹۷ ☆ کریم اللغات،ص ۲۰)

بشر: آدمی،انسان،منش،اس میں مذکر ومؤنث برابر ہیں۔

(فیروز اللغات،ص ۲۰۵ ☆ لغات کشوری،ص ۹۹ ☆ کریم اللغات،ص ۲۴)

خیرالبشر: بہترین انسان،مخلوقات میں سب سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لقب۔

(فیروز اللغات،ص ۶۰۳)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''خیر'' کا مطلب ''نیکی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''خیر'' کا مطلب ''بہترین'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اردو ادب اور فن شاعری کو چار چاند لگانے کے ساتھ ساتھ دنیائے اردو ادب کے تمام شعراء پر اپنی انفرادی حیثیت اور فوقیت کا سکہ بٹھا دیا ہے۔

اس شعر کا مصرع اول ملاحظہ ہو:

شر خیر شور سور شرر دور نار نور

جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ، وہ بارگاہ ہے کہ جہاں شر یعنی برائی، خیر، بھلائی اور نیکی بن جاتی ہے۔شور یعنی بے جا شور وغوغا سور یعنی جشن

عروسی ہوجاتا ہے اور دوسرے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ مجنون اس بارگاہ کی غلامی اختیار کر کے شجاع اور بہادر بن جاتا ہے۔ شر یعنی آگ دور ہوجاتی ہے پھر چاہے وہ کفروشرک کی آگ ہو، گناہ وعصیان کی آگ ہو، جہنم کی آگ ہو، یا پھر دنیا کی آگ ہو، حسد وکینہ اور عداوت کی آگ ہو یا اور کسی قسم کی آگ ہو، بہرحال وہ آگ دور ہوجاتی ہے۔ نار یعنی آگ عذاب یا جہنم، نور یعنی روشنی، ہدایت یا رحمت ہوجاتی ہے۔ صرف ایک مصرع میں کتنے وسیع مضامین کو سمو دیا ہے اور سب سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے آٹھ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ (۱) شر (۲) خیر (۳) شور (۴) سور (۵) شرر (۶) دور (۷) نار (۸) نور۔ ان تمام الفاظ کا آخری حرف ''ر'' ہے۔ علاوہ ازیں ان آٹھوں الفاظ میں سے چھ لفظ متضاد ہیں (۱) شر کی ضد خیر (۲) شور کی ضد سور (۳) نار کی ضد نور، یعنی صرف ایک ہی مصرع میں تین صنعت تضاد کا استعمال فرمایا ہے۔ مذہبی نقطۂ نظر اور جذبۂ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعتبار سے تو یہ شعر بے مثال ومنفرد ہے ہی، نیز فن وادب کے لحاظ سے بھی یہ شعر قابل صد تحسین وآفرین ہے۔ اردو ادب سے دلچسپی اور لگاؤ رکھنے والے حضرات اس شعر پر یقیناً عش عش کر اٹھیں گے۔ جہاں تک راقم الحروف کی ناقص معلومات ہے، اس اعتبار سے یہ کہنا غلو اور مبالغہ سے خالی ہوگا کہ اردو زبان کی ابتداء سے لے کر اب تک کسی بھی شاعر نے ایسا جامع شعر نہیں کہا۔ بلکہ میں تو یہ کہنے میں قطعاً جھجک محسوس نہیں کرتا کہ غالبؔ، فراقؔ، جگرؔ، فانیؔ، جوشؔ، ذوقؔ، داغؔ، حسرتؔ، حالیؔ، عرشؔ، مومنؔ، سحرؔ، حفیظؔ، اکبرؔ، میرؔ، شکیلؔ، ساحرؔ، تاباںؔ وغیرہ اردو ادب کے نامور شعراء مجموعی طور پر بھی حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مقابلہ میں طفل مکتب کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ ''ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُوْتِيْهِ مَنْ يَشَاءُ'' مصرع اول میں حضرت رضا نے جن آٹھ الفاظ کا استعمال فرمایا ہے۔ ان میں سے (۱) شور اور سور (۲) شر اور خیر (۳) شرر اور دور اور (۴) نار اور نور، یہ الفاظ فن شاعری کے

اصول تقطیع کے اعتبار سے ہم وزن ہیں۔ مصرع اول کی کما حقہ تشریح کرنا مجھ جیسے بے علم وعمل کے بس کی بات نہیں۔ اگر کوئی ذی علم شخصیت مصرع اول کی تشریح کرے تو اس ایک مصرع میں بے شمار تلمیحات نکال سکتی ہے۔ مصرع اول میں بارگاہ رسالت کی صفات کو باعتبار خبر مقدم بیان کیا گیا ہے اور موصوف اور مبتداء کو مصرع ثانی میں بیان کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''بشریٰ کہ بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے'' یعنی خوشخبری ہو کہ جہاں شر، خیر ہو جاتا ہے، جہاں شور، سور بن جاتا ہے، جہاں شرر، دور ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں نار، نور بن جائے وہ بارگاہ اس ذات مقدس کی ہے جو ''خیر البشر'' یعنی تمام انسانوں اور تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے لفظ ''خیر'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''خیر'' ہے وہ بھلائی، نیکی اور اچھائی وغیرہ کے معنی میں ہے اور مصرع ثانی میں جو لفظ ''خیر'' ہے وہ ''بہترین'' کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''خیر'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری میں صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ یعنی اس ایک شعر میں صنعت تضاد، صنعت تلمیح، صنعت تجنیس وغیرہ ایک ساتھ پائی جاتی ہیں۔ اس شعر میں الفاظ کی بندش اور روانی سے فصاحت و بلاغت کا حسن بھی نمایاں ہوتا ہے۔ فنی اعتبار سے اس شعر کے متعلق بڑی طویل گفتگو ہو سکتی ہے، لیکن یہاں فنی اعتبار سے قصداً ترک کر کے صرف مذہبی اعتبار سے، خصوصاً وہ جذبۂ عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو حضرت رضا بریلوی کے یہاں پایا جاتا ہے، اس کی قدرے تشریح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بارگاہ رسالت کی خصوصیت اور اعزاز میں پہلی بات یہ کہی ہے کہ شر، خیر یعنی برائی، اچھائی یا بدی، نیکی بن جاتی ہے۔ حدیث میں کئی واقعات

ایسے ملتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گناہ اور بدی سے لبریز ایسے اشخاص آئے کہ بدی کو بھی جن سے عار تھا، لیکن نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے دل کی دنیا بدل دی۔ جو لوگ کفر و شرک اور دیگر گناہوں میں ملوث تھے، ان کو پاک و صاف فرمادیا۔

دارمی نے اپنی سنن میں حضرت جبیر بن نفیر سے، امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، مسلم، احمد، ابن معین وغیرہ نے حضرت خالد بن معدان، عبدالرحمٰن بن جبیر اور سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ اِلَیْکُمْ لَیْسَ بِوَھْنٍ وَلَا کَسَلٍ لِیُحْیِیْ قُلُوْباً غُلْفًا وَ یَفْتَحُ اَعْیُنًا عُمْیًا وَیُسْمِعُ اٰذَا نًا صُمًّا وَیُقِیْمُ اَلْسِنَۃَ عَوْجَاءُ حَتّٰی یُقَالَ لَا اِلٰہَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ''

یعنی بے شک تشریف لایا تمہارے پاس وہ رسول تمہاری طرف بھیجا ہوا جو ضعف اور کاہلی سے پاک ہے، تاکہ وہ رسول زندہ فرمادے غلاف چڑھے دل اور وہ رسول کھول دے اندھی آنکھیں اور وہ رسول شنوا کردے بہرے کانوں کو اور وہ رسول سیدھی کردے ٹیڑھی زبانوں کو، یہاں تک کہ لوگ کہہ دیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔

(الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء، امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۰۸)

دوسری، تیسری اور چوتھی بات کی مجموعی تشریح کرتے ہوئے کچھ احادیث اور تاریخ اسلام کے کچھ واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف اور مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم، حضرت انس اور حضرت ابی سعید وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گروہ انصار سے ارشاد فرمایا ''یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْ

كُمْ ضَلَا لًا فَهَدَا كُمُ اللّٰهُ بِیْ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ فَاَلَّفَكُمْ بِیْ وَكُنْتُمْ عَالَةً فَاَغْنَا كُمُ اللّٰهُ بِیْ ''یعنی اے گروہ انصار! کیا میں نے نہیں پایا تمھیں گمراہ؟ پس اللہ عزوجل نے تمھیں میرے ذریعہ ہدایت دی اور تمہاری آپس میں پھوٹ تھی، تو اللہ تعالیٰ نے میرے وسیلہ سے تم میں اتحاد پیدا کر دیا، اور تم محتاج تھے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے واسطہ سے تمھیں تونگری بخشی۔

شیخ ابن قیم فرماتے ہیں کہ''اِنَّ كُلَّ خَيْرٍ نَالَتْهُ اُمَّتُهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنَّهَا نَالَتْهُ عَلٰى يَدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''یعنی دنیا وآخرت میں امت کو جو بھی خیر ملی وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہی ہاتھوں ملی ہے۔ (زادالمعاد علی ہامش الزرقانی، جلد ا، ص ۳۷۲)

حضور اقدس شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جہاں مقدس دربار ہے، یعنی مدینہ طیبہ، اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل امن وامان والا شہر بنایا ہے، اور ہر قسم کی دنیوی، دینی ارضی وسماوی بلاؤں سے محفوظ فرما دیا ہے۔

صحیح مسلم و بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ جب دجال کا خروج ہوگا اس زمانے میں مدینہ منورہ کی ہر گلی پر فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہوگی کہ اس کی حفاظت کرے، اور دجال کے داخلے کو روک دے۔ دوسری حدیث میں یہ آیا ہے کہ روئے زمین پر کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں دجال نہ جا سکے سوائے مکہ اور مدینہ کے۔

(جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۶)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت تک مدینہ طیبہ کی زمین، سب زمینوں سے زیادہ وباء رسیدہ اور امراض آلود تھی۔ بہت سے صحابۂ کرام مدینہ طیبہ آکر بیمار ہو گئے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے ان کی تیمارداری کو تشریف لائیں اور اپنے والد کو دیکھا

کہ مکان کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے ہیں اور سخت بخار چڑھا ہوا ہے اور یہ فرمارہے ہیں:

كُـــلُّ اِمْـــرَءٍ مُـــصْبِـــحٌ فِـــىْ اَهْـــلِـــهٖ
وَالْـــمَـــوْتُ اَدْنٰـــى مِـــنْ شِـــرَاكِ نَـــعْـــلِـــهٖ

یعنی ہر شخص اپنے اہل میں صبح کرنے والا ہے۔ حالاں کہ موت قریب تر ہے اس کی جوتی کے بندھن سے۔

اور دوسرے گوشے میں حضرت بلال اور حضرت عامر کو دیکھا کہ یہ دونوں حضرات بھی سخت بخار کی حالت میں کفار مکہ پر لعنت بھیج رہے تھے، کہ انھوں نے مکہ معظّمہ سے نکال دیا اور مکہ کو اور مکہ کے چشموں، باغوں اور دیگر مقامات کو یاد کر کے اشعار پڑھ رہے تھے، اور سرزمین مدینہ اور اس کی شدت کی شکایت کر رہے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے احوال کی شکایت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ حضور نے دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ منورہ کو ایسا محبوب بنادے جیسا کہ ہم مکہ مکرمہ سے محبت رکھتے ہیں۔ یا اس سے زیادہ، اور مدینہ منورہ کی ہوا کو ہمارے جسموں کے لئے صحیح اور سازگار بنادے، اور ہمارے صاع (ناپنے تولنے کے پیمانہ) میں بھی برکت عطا فرما، اور اس جگہ سے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرمادے۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو، جلد۲، ص۱۲۰ ☆ جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۵ ☆ خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۳۷۲)

جحفہ کی آبادی مشرکوں اور سرکشوں کی تھی۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ جب حضور نے یہ دعا فرمائی تو حضرت عبداللہ نے کہا کہ ہم مطمئن ہو گئے کہ مدینہ کی زندگی اور اس کے کاروبار میں بھی مکہ کی طرح برکت ہمارے شامل حال رہے گی۔

(خصائص کبریٰ، جلد۱، ص۳۷۳)

امام بخاری اورامام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ شریف میں داخل ہونے والے راستوں پر اللہ کے فرشتے مامور ہیں۔اس شہر میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوں گے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سیاہ فام، بدشکل اور پریشان بالوں والی عورت کو مدینہ سے نکلتے دیکھا، یہاں تک کہ وہ کوچ کر کے مہیعہ پہنچ گئی اوراس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اب مدینہ کی وباء مہیعہ کہ جو مقام جحفہ کے مضافات میں ہے وہاں پہنچ گئی۔

(خصائص کبریٰ،ص۲۷۲)

زبیر نے ابو ہشام سے روایت کی کہ ایک روز صبح کے وقت مدینہ کے اطراف سے کوئی شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا کہ راہ میں کسی سے تمہاری ملاقات ہوئی؟اس نے کہا کہ حضور مجھے تو کوئی ملا نہیں، البتہ سیاہ چہرہ، برہنہ تن ایک عورت تھی،جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔آپ نے فرمایا کہ وہ مدینہ کا بخار تھا۔آج کے بعد اب وہ کبھی اس شہر میں نہ آئے گا۔(خصائص کبریٰ،ص۲۷۳)

مخبر صادق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے خبر دی کہ ایک آگ حجاز کی جانب سے نکلے گی،اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں بصریٰ میں دکھائی پڑیں گی۔اس پیشین گوئی کے مطابق ۶۵۴ھ میں حجاز کی جانب سے ایک عظیم آگ مدینہ منورہ کی طرف آئی۔ ۶/جمادی الآخر ۶۵۴ھ سے ۲۷/رجب ۶۵۴ھ تقریباً باون دن تک وہ آگ ایسی شدت سے جلتی رہی کہ پہاڑوں کو بھی پگھلا دیتی تھی۔لیکن اس آگ نے حرم نبی کا احترام کیا۔یہ آگ بڑھتی بڑھتی مدینہ تک آئی،لیکن حدود حرم میں داخل نہ ہوسکی۔

یہ ایک طویل واقعہ ہے جو شعر 14 ''بلبل گل مدینہ ہمیشہ بہار ہے'' کی تشریح میں ملاحظہ

فرمائیں۔ اس واقعہ کو پڑھ کر انشاء اللہ ایمان تازہ ہو جائے گا۔ مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

بشریٰ کی بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے

یعنی کہ جس بارگاہ کی عظمت واعزاز کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ بارگاہ کسی دنیوی بادشاہ، یا دنیوی حاکم کی نہیں ہے۔ بلکہ خوشخبری ہو کہ یہ بارگاہ اس شہنشاہ کی ہے، جو تمام انسانوں اور مخلوقات سے افضل واعلیٰ ہیں۔

ترمذی اور دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے بے واسطہ کلام فرمایا۔ تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا کلمہ اور روح ہیں۔ چوتھے نے کہا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے صفی ہیں۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو سن لی ہے۔ واقعی یہ انبیاء کرام انھیں مقامات کے مالک تھے جو تم نے بیان کئے مگر سنو ''اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں میں اولین وآخرین میں سب سے معزز ہوں مگر فخر نہیں۔

دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

''اَنَا اَکْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عِنْدَ رَبِّیْ'' یعنی میرا مقام میرے رب کے یہاں تمام اولاد آدم سے بڑھ کر ہے۔ امام ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ

''اَنَـا سَیِّـدُ وَلَـدِ آدَمَ فِیْ الدُّنْیَا وَفِیْ الْاٰخِرَۃِ وَلَا فَخْرَ''یعنی میں دنیاوآخرت میں تمام اولادآدم کا سردار ہوں مگرفخرنہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے اعلیٰ واکمل فضیلت یہ ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کی روح پُرنورکوساری مخلوق کی ارواح سے پہلے پیدافرماکرتمام مکونات کی روحوں کوآپ کی روح سے تخلیق فرمایا،اورآپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنوزروح وجسد کے درمیان تھے۔جیسا کہ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا،اورعالم ارواح میں بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح مقدسہ کوآپ کی روح انورنے مستفیض فرمایا۔

(مدارج النبوۃ،جلد۱،ص۲۲۱)

اسی کوحضرت رضابریلوی علیہ الرحمہ ایک مقام پریوں بیان فرماتے ہیں:

لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کردیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

❁......❁......❁

(109)

اوج مہر ہُدیٰ موج بحر ندیٰ
روح روح سخاوت پہ لاکھوں سلام

حل لغت:

اوج: اونچائی، بلندی، شاہ، رفعت، عروج، اوج موج، خوش حالی، فارغ البالی، بلند اقبال۔ (فیروزاللغات، ص۱۳۵☆لغات کشوری، ص۶۹☆ کریم اللغات، ص۱۸)

مہر: محبت، حب، دوستی، پیار، شفقت، ہمدردی، رحم، ترس، مامتا، الفت مادری، سورج، شمس، ہر انگریزی مہینہ کی سولہویں تاریخ، نیا سولہواں دن، آفتاب۔

(فیروزاللغات، ص۱۳۲۲☆لغات کشوری، ص۵۶۷☆ کریم اللغات، ص۱۹۵)

ہدیٰ: ہدایت، سیدھا راستہ، راستی، راہ راست۔

(فیروزاللغات، ص۱۳۳۴☆لغات کشوری، ص۸۱۲☆ کریم اللغات، ص۱۹۵)

بحر: بڑا دریا، مہاساگر، بڑا سمندر، شعر کا وزن۔

(فیروزاللغات، ص۱۸۴☆لغات کشوری، ص۸۶☆ کریم اللغات، ص۲۱)

ندیٰ: تری، نمی، بخشش، سخاوت۔ (لغات کشوری، ص۷۷۲)

روح: جان، جیو، آتما، ست، جوہر، دل، اندرونی خواہش، نیت، رحمت، بولنا۔

(فیروزاللغات، ص۷۲۶☆لغات کشوری، ص۳۳۳☆ کریم اللغات، ص۸۱)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''روح'' کا مطلب ''جان'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''روح'' کا مطلب ''جوہر'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جگر پارۂ مصطفٰی، امام المسلمین، امیر المؤمنین، نواسۂ رسول حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف وتوصیف اور مدح وثنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ''اوج مہر ہدیٰ'' یعنی ہدایت وشفقت میں بلند پایہ ہے۔ اور ''موج بحر ندیٰ'' یعنی سخاوت کے سمندر کی لہریں ہیں۔ آپ کی ذات روح روح سخاوت یعنی سخاوت کے جوہر کی جان ہے۔ اس ذات گرامی پر لاکھوں سلام ہوں۔ اس شعر میں لفظ ''روح'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ روح ہے۔ اس کا مطلب ''جان'' ہے، اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''روح'' ہے اس کا مطلب ''جوہر'' ہے۔ دونوں لفظ ''روح'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اوج مہر ہدیٰ، موج بحر ندیٰ اور روح روح سخاوت، ان تین القاب کا ہدیۂ محبت پیش کیا ہے۔ اب ان تینوں الفاظ کی تفصیل عرض کرنے سے قبل حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ مناقب اور حالات زندگی عرض خدمت ہیں۔

آپ کی ولادت ماہ رمضان المبارک ۳ھ میں اور شہادت ۵/ ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ (تاریخ الخلفاء، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، ص ۲۷۶/ ۲۸۲)

امام بخاری نے امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منبر پر اس طرح رونق افروز پایا کہ آپ کے پہلو میں

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔کبھی تو حضور لوگوں کی طرف دیکھتے تھے، اور کبھی حضرت حسن کی طرف، اور فرماتے تھے کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دوگروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(تاریخ الخلفاء، اردو، ص ۲۷۸ ☆ خصائص کبریٰ، از: علامہ امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۲۹۶ ☆ شواہد النبوۃ، از: علامہ جامی، اردو، ص ۳۱۲)

بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس کے مثل حدیث روایت کی ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری دنیا کے پھول ہیں۔

امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

(تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص ۲۷۸)

حاکم نے عبداللہ بن عبید بن عمر سے روایت کی کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر سواری کے پچیس حج ادا فرمائے، جس کی صورت یہ تھی کہ اعلیٰ قسم کے اونٹ آپ کے ساتھ ہوتے۔لیکن آپ ان پر سوار نہیں ہوتے اور پاپیادہ راستہ طے فرماتے تھے۔

(تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص ۲۷۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے مقدس کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ایک شخص نے یہ دیکھ کر امام حسن کو مخاطب کر کے کہا ''نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ'' یعنی کیا ہی عمدہ سواری ہے جس پر آپ سوار ہیں۔یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''وَنِعْمَ الرَّاکِبُ هُوَ'' یعنی سوار بھی کیا ہی اچھا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے آپ کے تین وصف اس شعر میں بیان کئے ہیں۔

اوج مہر ہدیٰ: یعنی ہدایت ومحبت میں بلندی رکھنے والے، اس وصف کی کچھ وضاحت مندرجہ بالا احادیث سے عیاں ہے۔ایک اور حدیث کا ورد کرنے کا شرف حاصل کریں۔

ترمذی نے اسامہ بن زید کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے یعنی میری بیٹی کے فرزند ہیں ۔ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی ان سے محبت فرما۔ اور جو ان سے محبت کرتا ہے، اس کو بھی تو اپنا محبوب بنالے۔ (تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص ۲۷۸)

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضور کو اپنے اہل بیت میں سے زیادہ محبت کس سے ہے؟

آپ نے فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔ (تاریخ الخلفاء، اردو، ص ۲۷۸)

موج بحر ندیٰ: یعنی بخشش اور سخاوت کے سمندر کی لہر، اور اسی وصف کو اردو زبان کے محاورات کی اصطلاح میں ''دریا دل'' کہا جاتا ہے۔ دریا دل انسان میں فیاضی، بخشش اور سخاوت کا بھرپور مادہ ہوتا ہے۔اور وہ بڑے سے بڑے جاہ وجلال اور بڑی سے بڑی سلطنت کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔آپ عہدۂ خلافت پر فائز تھے لیکن اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کہ ''میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا'' آپ نے حضرت امیر معاویہ کے حق میں منصب خلافت ترک فرما کر بخشش اور فیاضی کی مثال قائم کردی۔آپ اگر چاہتے تو آپ کو منصب خلافت سے کوئی بھی نہ ہٹا سکتا تھا۔لیکن آپ دریا دلی اور فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے خلافت سے بخوشی دست بردار ہوگئے۔

(110)

دونوں ماہ عید کے یک جا ہے دید
لو مبارک قادریو عید عید

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۸۲)

حل لغت:

ماہ: چاند، قمر، ماہتاب، چندرما، مہینہ، ماس۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۹۰)

عید: لغوی معنی جو بار بار آئے۔ مسلمانوں کے جشن کا روز۔

(فیروز اللغات، ص ۹۰۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

یک جا: ایک جگہ، اکٹھے، ملے جلے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۴۶۸)

دید: نگاہ، نظر، دیکھا ہوا، نظارہ، دیکھنا۔ (فیروز اللغات، ص ۶۷۰ ☆ لغات کشوری، ص ۳۰۶)

قادریو: قادری کی جمع، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب۔

(فیروز اللغات، ص ۹۴۴)

دوسرے مصرع میں پہلے وارد لفظ ''عید'' کا مطلب ''خوشی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''عید'' کا مطلب ''عید الفطر'' ہے۔

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''عید'' کا مطلب ''عید'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ شعر حضور پُرنور غوث الثقلین، غیث الکونین، سلطان بغداد، قطب الارشاد، فرد الافراد، پیران پیر، پیر دست گیر، سیدنا

شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کہا ہے۔ یہ شعراس منقبت کا ہے جو حضرت رضا بریلوی نے ۱۳۲۲ھ میں قلم بند فرمائی تھی اوراس کا تاریخی نام، سراپائے نورانی شاہ جیلانی محبوب ربانی ہے(۱۳۲۲ھ)۔اس منقبت میں حضرت رضا بریلوی نے سرکار غوث اعظم کے سراپا وجود یعنی پورے جسم اطہر کی مدح وثنا نظم فرمائی ہے۔ یہ شعر''مقرون الحاجبین'' کے عنوان سے نظم کردہ چار اشعار کا دوسرا شعر ہے۔ چاروں اشعار حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابرو یعنی بھووں کی تعریف وتوصیف میں ہیں۔اس شعر میں حضرت رضا بریلوی دونوں ابرو کو ہلال عید سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کیوں کہ ابروآنکھ کے اوپر ہلالی شکل والے بال کو کہتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ''دونوں ماہ عید کی یک جاہے دید'' یعنی عید کے دو چاند ایک جگہ ہی نظر آرہے ہیں۔عید کا چاند جب نظر آتا ہے تو لوگ مارے خوشی کے جھوم اٹھتے ہیں۔ چھوٹے بڑے سب خوشی کا اظہار کرتے ہیں،اور آپس میں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔صرف ایک چاند نظر آنے پر پورا ماحول خوشیوں سے بھر جاتا ہے۔اور چاند دیکھتے ہی لوگ کل عید کی ابھی سے خوشیاں منانے لگتے ہیں۔اور یہ خوشی عید کی وجہ سے ہوتی ہے،لیکن حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرۂ پاک پر تو ابرو کی شکل میں ایک ساتھ دو چاند نظر آرہے ہیں اور وہ بھی دونوں قریب قریب ملے ہوئے۔عید کا ایک چاند نظر آنے پر جب خوشیوں کی لہر دوڑ جاتی ہے،تو یہاں تو دو، دو چاند نظر آرہے ہیں۔تو اس دید سے خوشی کا عالم کیا ہوگا؟ آگے حضرت رضا فرماتے ہیں کہ''لو مبارک قادریو عید عید'' یعنی اے قادریو! اے حضور سیدنا سرکار غوث اعظم کے مریدو! اے سیدنا غوث اعظم کے قادری سلسلہ سے منسلک خوش نصیبو! مبارکباد، صد مبارکباد تم کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے لفظ''عید'' کا تین مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔مصرع اول میں جو لفظ عید ہے اور مصرع ثانی میں آخر میں جو لفظ عید ہے دونوں عید جشن یا

تہوار کے معنی میں ہیں۔ دونوں لفظ عید حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

حضور سیدنا سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدرالاولیاء ہیں۔ یعنی تمام اولیاء کرام آسمان ولایت کے ستارے ہیں اور حضور غوث اعظم آسمان ولایت کے ماہ کامل ہیں۔ آپ نے اپنی شان ماہتابی بچپن سے ہی دکھانی شروع فرمادی تھی۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میرے فرزند عبدالقادر پیدا ہوئے تو رمضان میں دن بھر دودھ نہ پیتے بلکہ روزے سے رہتے۔ ایک مرتبہ شعبان کی انتیس تاریخ تھی اور آسمان ابر آلود تھا۔ اس دن درحقیقت چاند تھا، مگر ابر کی وجہ سے شہر جیلان میں نظر نہ آیا۔ صبح کو لوگ منتظر تھے کہ شاید کہیں سے چاند کی شہادت آجائے، کسی نے آپ کی والدہ ماجدہ سے پوچھا کہ آج ۳۰؍شعبان ہے یا پہلی رمضان ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ چاند تو یہاں کسی نے نہیں دیکھا مگر ہاں! آج صبح سے میرے بیٹے عبدالقادر نے دودھ پینا چھوڑ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دن رمضان ہی کا ہوگا۔ یہ باتیں گزر گئیں۔ تمام شہر میں شہرہ ہوگیا کہ شرفائے جیلان میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوا ہے جو ایام شیر خواری میں بھی اللہ کا فرض ادا کرتا ہے اور روزہ نہیں چھوڑتا۔ (برکات قادریت، از: مداح رسول جمیل الرحمٰن قادری، ص۹۱)

حضور غوث اعظم نے رمضان شریف کا چاند نہ دکھائی دینے کے موقع پر روزہ رکھ کر چاند کی غرض وغایت پوری فرمادی، اور عالم شیر خوارگی میں اپنے کردار سے یہ ظاہر فرمادیا کہ میرا وجود ہی تم کو چاند کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے قادریوں کو مبارک باد دی ہے۔ تو قادری کون ہیں؟ قادری یعنی حضور پر نور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے سلسلے میں داخل ہونے والا۔ یعنی آپ کے مریدوں میں شامل ہونے والا۔

ایک شخص حضور سیدنا غوث اعظم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کی کہ اگر کوئی شخص اپنے کو حضور کا مرید کہتا ہو اور حضور کے ساتھ نسبت غلامی بتا تا ہو، اور دراصل اس نے آپ کے دست پاک پر بیعت نہ کی ہو اور یہاں سے خرقہ حاصل نہ کیا ہو، تو کیا وہ شخص حضور کے مریدوں میں شمار کیا جائے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت تک جو کوئی ہمارے سلسلے میں داخل ہو، اور خود کو ہمارا مرید کہے۔ بے شک وہ ہمارے مریدوں میں داخل ہے۔ ہمیشہ ہم اس کے حامی و ناصر و دستگیر ہیں۔ مرتے وقت اس کو توبہ کی توفیق ملے گی۔

(برکات قادریت، ص ۲۷)

بیشک حضور سیدنا غوث اعظم دستگیر کے سلسلۂ قادریہ میں قیامت تک شامل ہونے والے لوگ آپ کے مریدوں میں شمار کئے جائیں گے۔ اوران پر سیدنا غوث اعظم کی نگاہ لطف و عنایت رہے گی وہ آپ کے فیض سے بہرہ مند ہوتے رہیں گے۔ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

●

دل پہ کندہ ہو تیرا نام کہ وہ دزد رجیم
الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

❁......❁......❁

(111)

قافلے نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی
مشکل آسان الٰہی میری تنہائی کی

حل لغت:

سوئے: سمت، جانب، طرف، جہت۔

(فیروز اللغات، ص۸۱۶☆لغات کشوری، ص۳۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۹۴)

آرائی: آرا، آراستن مصدر سے صیغۂ امر جو اسم کے ساتھ آکر اسم فاعل بناتا ہے، مثلاً: چمن آرا یعنی چمن سجانے والا، آراستہ کرنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۱۵☆لغات کشوری، ص۲۵ ☆ کریم اللغات، ص۷)

کی: کرنا، بنانا، عمل میں لانا، انتظام کرنا، بندوبست کرنا، شروع کرنا، کاروبار کرنا۔

(فیروز اللغات، ص۱۰۰۴)

مشکل آسان ہونا: دشواری دور ہونا، مصیبت سے نجات پانا، عذاب سے چھوٹنا، جاں کنی سے نجات پانا، دم نکلنا، دم آخر ہونا۔ (فیروز اللغات، ص۱۲۵۲)

تنہائی: علاحدگی، گوشہ نشینی، جدائی، مفارقت، اکیلا پن۔ (فیروز اللغات، ص۳۸۶)

کی: کا کی تانیث، کا، کی، کے، اضافت کے لیے۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۶۸)

کا: حرف اضافت ہے، اردو زبان میں متعلق، نسبت، لگاؤ، ملکیت اور قبضہ ظاہر کرنے کے لئے مستعمل ہے۔ (فیروز اللغات، ص۹۶۹)

پہلے مصرع میں وارد ''کی'' کا مطلب ''کرنا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد ''کی'' کا مطلب ''اضافت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جائے سکون و قرار، خیر البلاد، آرامگاہ مصطفٰے، مدینہ منورہ طیبہ طاہرہ کا عزم کرنے والے قافلے کا ذکر فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں قافلے نے اپنے آقا و مولیٰ کے محبوب شہر اور مسکن مدینہ طیبہ کے سفر کا ارادہ کیا ہے۔ اور زہے نصیب اس قافلے میں مجھ کو بھی شرکت کا شرف حاصل ہے۔ اے خداوند عالم! مجھے تو اپنے محبوب کے مقدس شہر میں پہنچا دے تاکہ میری تنہائی یعنی تیرے محبوب کی جدائی کی جو مصیبت ہے وہ دور ہو جائے، اور تیرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس روضہ کا قرب و وصال حاصل کر کے میں چین و سکون پاؤں۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں کے آخر میں لفظ ''کی'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ ''کی'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

پہلے مصرع میں جو لفظ کی ہے وہ ''کرنا'' کے معنی میں ہے، اور فعل ماضی ہے۔ دوسرے مصرع میں جو لفظ ''کی'' ہے، وہ حرف اضافت ''کا'' کی تانیث ہے، اور یہ لفظ نسبت، لگاؤ، تعلق، ملکیت اور قبضہ ظاہر کرنے کے لئے مستعمل ہے، مثلاً: زید کا بیٹا، زید کی بیٹی وغیرہ، لفظ ''کی'' کو تکرار کے ساتھ متفرق معنی میں استعمال فرما کر حضرت رضا بریلوی نے اردو ادب اور فن شاعری کے حسن کو دوبالا کر دیا۔ اردو ادب کے مشہور شعراء کے کلام میں صنعت تجنیس کامل کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ لیکن کسی فعل اور حرف اضافت کا استعمال کر کے صنعت تجنیس کامل کی مثال پیش کرنا یہ صرف حضرت رضا بریلوی کا خاصہ اور کمال ہے۔ ہر کس و ناکس کے بس کی یہ بات نہیں۔

اس شعر سے حضرت رضا بریلوی کے عشق رسول کی عکاسی ہورہی ہے۔ عاشق رسول ہمیشہ مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے تڑپتا ہے، مدینہ اس کے لئے اس روئے زمین پر جنت ہے، اسی کی یادو فرقت میں سدا تڑپتا رہتا ہے، اور جب وہاں جانے کی سبیل پیدا ہوجاتی ہے تو شوق لقاء میں مچلتا ہے۔ عاشق صادق مدینہ سے بچھڑ کر اس دنیا کے ہجوم میں رہنے کے باوجود بھی خود کو تنہا محسوس کرتا ہے، اور یہ تنہائی اس کے دل کو کھائے جاتی ہے۔ مدینہ کی جدائی اس کے لئے کسی بڑی آفت و مصیبت سے کم نہیں۔ اس کا دل غم والم اور اضطراب میں بے چین و بے قرار رہتا ہے۔ اس کے دل کا چین وسکون صرف مدینہ کا جلوہ اور تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عشق ہے۔ مدینہ پہنچ کر اس کی تنہائی ختم ہوجاتی ہے۔ وہاں وہ اپنے آپ کو جنت میں محسوس کرتا ہے اور دنیا و مافیہا سے یکدم بیزار اور دلی خلجان سے نجات پا کر انبساط و مسرت میں غرق ہوجاتا ہے۔ اسی تصور کو پیش کرنے کے لئے حضرت رضا بریلوی نے ''مشکل آسان الٰہی میری تنہائی کی'' جیسا جملہ مرقوم فرمایا۔ مدینہ طیبہ وہ پیارا شہر ہے جس کو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محبوب رکھا اور اس کی محبت میں اضافہ کی بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی:

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے تعلق سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے یوں دعا کی ''اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَةَ کَحُبِّنَا مَکَّةَ اَوْ اَشَدَّ'' یعنی اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ کو اتنا ہی محبوب کردے جتنا کہ مکہ کو کیا تھا، بلکہ اس سے بھی زائد۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب، از: شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ، اردو ترجمہ، ص ۱۷)

مدینہ منورہ کی عظمت وفضیلت کما حقہ ہم بیان نہیں کر سکتے، کیوں کہ یہاں پر اللہ کے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس آرام گاہ ہے، جو تمام کائنات بلکہ عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعد اجماع تمام علماء رحمۃ اللہ علیہم نے اس

مقام کوفضیلت دی ہے جو اعضائے شریفہ سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضع قبر شریف سے ملے ہوئے ہیں، وہ جگہ تمام اجزائے زمین سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ خانۂ کعبہ سے بھی اور بعض علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ تمام سماوات حتی کہ عرش سے بھی۔

(جذب القلوب، اردو ترجمہ، ص ۱۳)

عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے پیارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں بے چین و بے قرار ہوتا ہے اوراس کی بے چینی کا حال غیب جاننے والے اور زندہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کومعلوم ہوتا ہے اور وہ اپنے عاشق صادق پر لطف وعنایت فرما کر اپنے دربار کی حاضری کے لئے بلا لیتے ہیں۔ جیسا کہ موذن رسول حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مشہور ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلافت حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ملک شام سے مدینہ طیبہ آنے کا قصہ مشہور ہے۔اس واقعہ کو شیخ محقق، حجۃ اللہ فی الارض عاشق رسول، شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوخواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اے بلال! یہ کیا ظلم ہے کہ کبھی ہماری زیارت کونہیں آتے۔ اسی وقت حضرت بلال اپنی سواری کے ذریعہ مدینہ کے قصد سے روانہ ہوگئے۔ جب قبر شریف پر پہنچے تو اشکبار ہوکر عاجزی کے ساتھ روئے نیاز خاک پر رکھا۔ حضرت سیدنا امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجرہ سے باہر نکلے۔ان کو گود میں لے کر سر اور آنکھوں کو چوما۔ تھوڑے دنوں پہلے ہی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دارالبقاء کوتشریف لے جاچکی تھیں۔ لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذان سننے کی خواہش کی۔ سب نے مشورہ کیا کہ حضرت

امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمائیں تو حضرت بلال کو اذان کہنے سے گریز نہ ہوگا، ورنہ حضرت بلال نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہیں کہی ہے۔ حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال سے چاہا تھا کہ اذان پکاریں، لیکن حضرت بلال نے کہہ دیا تھا کہ اے امیر المومنین! آپ نے مال دے کر مجھے خریدا اور راہ خدا میں آزاد کر دیا، یہ سب آپ نے اپنے لئے کیا تھا یا خدا کے لئے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں نے خدا کے لئے کیا تھا۔ حضرت بلال نے کہا کہ اب بھی مجھ کو خدا ہی کے لئے چھوڑ دو، تا کہ میں خود مختار رہوں۔ مجھ میں اب اتنی طاقت نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کے لئے اذان کہوں۔ اس کے بعد حضرت بلال ملک شام چلے گئے تھے اور وہاں سے اب زیارت کرنے کو مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اذان کہیئے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی چھت پر، جس جگہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کھڑے ہوتے تھے وہاں چڑھے۔ جب ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ'' کہا تو لوگوں میں شور مچ گیا۔ گویا تمام شہر مدینہ حرکت میں آ گیا جب ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' فرمایا، ایک دوسری قیامت قائم ہوگئی، کوئی عورت، مرد، خورد و کلاں مدینہ میں ایسا نہ تھا جو گھر سے باہر نہ نکل آیا ہو اور رویا نہ ہو۔ گویا کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کا دن تازہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ انتہائی بے چینی اور غم کی وجہ سے اذان پوری نہ کر سکے اور اتر آئے۔ (جذب القلوب، اردو ترجمہ، ص ۲۳۰)

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کا کون سا حصہ ایسا ہے، جسے ہم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر شریف سے افضل قرار دیں؟ قبر شریف ہی تمام اماکن

مقدسہ اور مقامات رفیعہ سے افضل ہے۔خواہ جنت ہو یا اور کوئی جگہ،اس کے بعد فرمایا کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کو عرش عظیم پر فضیلت دیں،تو ہم نہیں جانتے کہ کسی مومن صادق کو اس میں توقف ہوگا، کیوں کہ وہ سب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل شریف ہیں۔ (مدارج النبوۃ،اردو ترجمہ،جلد۲،ص۷۶۹)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ''اللہ تعالیٰ امام مالک پر رحمت فرمائے جو درگاہ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص ہمسایوں میں سے ہیں، وہ مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی ہے، بلکہ وہ اس طرح کہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

(مدارج النبوۃ،اردو ترجمہ،جلد۲،ص۷۶۲)

(112)

تو کلام خدا کا **حافظ** ہے
تیرا **حافظ** خدا محبّ رسول

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۴۰)

حل لغت:

کلام خدا: خدا کا کلام، کلام الٰہی، قرآن شریف۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۲۰)

حافظ: نگہبان، حفاظت کرنے والا، پاسبان، وہ شخص جسے قرآن پاک حفظ ہو، ایران کے مشہور صوفی شاعر شمس الدین محمد شیرازی کا تخلص، خدائے تعالیٰ کا صفاتی نام، حفظ کرنے والا، قرآن شریف جس کو یاد ہو، فارس کے لوگ مطرب اور قوّال کو حافظ کہتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص ۵٦١ ☆ لغات کشوری، ص ۲۲۳ ☆ کریم اللغات، ص ۵۵)

محبّ: حب رکھنے والا، محبت کرنے والا، یار، دوست، مشفق، شفیق، دوست رکھنے والا، دوستی کرنے والا، پیار کرنے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۱۰ ☆ لغات کشوری، ص ٦٧٠ ☆ کریم اللغات، ص ۱۴٦)

محبّ رسول: یہاں مراد حضرت مولانا، حافظ محمد عبد القادر صاحب قادری، عثمانی، بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں اور یہ ان کا لقب ہے۔ (حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۳۹)

پہلے مصرع میں لفظ ''حافظ'' کا مطلب ''قرآن یاد کرنے والا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''حافظ'' کا مطلب ''حفاظت کرنے والا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تاج الفحول، محبّ

رسول، افضل العلماء حضرت مولانا مولوی، حافظ الشاہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے مولانا عبدالقادر بدایونی محبّ رسول! آپ کلام خدا یعنی قرآن مجید کے حافظ (یاد کرنے والے) ہیں۔ آپ کا حافظ (حفاظت کرنے والا) خدا ہے، اس شعر میں لفظ ''حافظ'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ مصرع اول میں جو لفظ ''حافظ'' ہے، اس کا مطلب یاد کرنے والا یا حفظ کرنے والا ہے، اور دوسری مرتبہ مصرع ثانی میں جو لفظ ''حافظ'' ہے، اس کا مطلب نگہبان یا حفاظت کرنے والا ہے۔ دونوں لفظ ''حافظ'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ حضرت رضا بریلوی کے جو مراسم تھے وہ صرف دینی تھے۔ آپ کے اور ان کے درمیان جو محبت، الفت، شفقت، اور گہرا لگاؤ تھا وہ صرف اللہ و رسول (جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے تھا، ''اَلْحُبُّ لِلّٰہِ'' کا منظر ان دونوں کے تعلقات سے عیاں تھا۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کی غایت درجہ تعظیم وتکریم اور عزت کرتے تھے۔ مولانا عبدالقادر نے حمایت دین وملت کے معاملہ میں ہر معرکہ میں حضرت رضا بریلوی کا ساتھ دیا، اور آپ سنیت کے معاملے میں متصلب تھے۔ اللہ اور رسول کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے باطل فرقوں کے سامنے آپ ہمیشہ سینہ سپر رہے۔

حضرت امام احمد رضا بریلوی آپ کی دینی خدمات سے نہایت متأثر تھے۔ اور آپ کی مخلصانہ خدمات پر حضرت رضا کو کامل اعتماد و بھروسہ تھا۔ آپ کی علمی استعداد، فقہی بصیرت، محدثانہ انداز تدریس اور آپ کی شان تفقّہ کا حضرت رضا نے بھی لوہا مانا ہے۔ حضرت رضا آپ کے ان تمام فضائل وکمالات کے قائل تھے۔ اور آپ کی غایت درجہ عظمت ملحوظ رکھتے تھے۔ حضرت رضا نے آپ کی منقبت میں ۱۰۴/ اشعار پر مشتمل قصیدہ نظم فرمایا ہے۔ اور اس قصیدہ میں حضرت رضا نے آپ کو امام الہدیٰ، دین کے مقتدا، نائب مصطفیٰ، صاحب اصطفا، مظہر ارتضا، حق کی

ضیاء، زبدۃ الاتقیاء، عمدۃ الازکیا، شرق شان وفا، کرم کی گھٹا، کان جود وحیا، ناظم ابتداء وغیرہ جلیل القدر القابات سے نوازا ہے۔ اور ایک شعر میں ''تو من ومن تو'' یعنی تو میں ہوں اور میں تو ہے۔ کہہ کر آپ کے ساتھ اپنی ایمانی نسبت کا عمق ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت رضا بریلوی نے ایک معاملے میں اپنے آپ کو مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کا احسان مند اور مرہون منت مانا ہے، اور وہ معاملہ حضرت رضا کی بیعت کا ہے۔

حضرت رضا بریلوی کو آستانہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ تک پہنچانے والے مولانا بدایونی تھے۔ مولانا بدایونی کے مشورے اور ترغیب دلانے پر حضرت رضا بریلوی بیعت ہونے کے لئے مارہرہ تشریف لے گئے تھے۔ حضرت رضا بریلوی اپنے والد ماجد رئیس الاتقیاء حضرت مولانا نقی علی خاں قدس سرہٗ کے ہمراہ بیعت ہونے کے لئے حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کی خدمت میں جب حاضر ہوئے تو مولانا عبدالقادر بدایونی بھی ساتھ گئے تھے۔ حضرت رضا بریلوی اپنے پیرومرشد پہ اتنے نازاں تھے کہ شاید ہی کوئی مرید اپنے پیرومرشد پر اتنا نازاں ہو۔ بلکہ ایسے کامل پیرومرشد ملنے پر حضرت رضا بریلوی اپنی قسمت پر ناز کرتے تھے اور اپنے پیر کے دربار کی حضوری، غلامی، گدائی پر فخر کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ — بول بالے میری سرکاروں کے

کمینہ بندہ ومسکین گدائے آل رسول — منم امیر جہانگیر کج کلاہ یعنی

دوحرف معرفہ در ابتدائے آل رسول — رسول داں شوی از نام او نمی بینی

حضرت رضا بریلوی اپنے پیرومرشد کی محبت میں اتنا غرق ہوئے کہ ''فنا فی الشیخ'' کی منزل میں پہنچ گئے اور اپنے پیرومرشد ہی نہیں، بلکہ اپنے پیرومرشد کے گھرانے اور آستانے کے ہر فرد سے غایت درجہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کے توسط

سے مارہرہ شریف تو پہنچ گئے لیکن مارہرہ شریف پہنچ کر اپنے پیرومرشد کی محبت وعقیدت میں ایسے گم ہوئے اور اپنے پیر کے مقدس آستانے سے دل وجان سے ایسے چپکے اور چمٹے کہ مارہرہ اور بریلی کا فرق اٹھ گیا۔ حضرت رضا بریلی میں ہوتے، لیکن ان کے دل کی دھڑکن مارہرہ مطہرہ میں ہوتی۔ جسم بریلی میں تھا، لیکن روح مارہرہ مقدسہ میں تھی، حضرت رضا کے لئے اپنے پیرومرشد کے قدموں میں ہی سب کچھ تھا۔ اسی لئے تو حضرت رضا بریلوی نے اپنے پیرومرشد کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے، جو منقبت نظم فرمائی ہے اس میں اپنے تأثرات اور دلی جذبات عقیدت ومحبت کا والہانہ انداز میں اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول

یعنی خوش نصیب وہ دل ہے جسے حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کی محبت مل جائے، اور خوش نصیب ہے وہ سر جس کو حضرت آل رسول پر فدا یعنی قربان کیا جائے۔

حضرت رضا بریلوی اپنے پیرومرشد کی محبت وعقیدت کی وجہ سے اپنے پیرومرشد کی جدائی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ بریلی میں رہتے ہوئے ہمہ وقت مارہرہ شریف کی یاد وجدائی میں تڑپتے تھے، اور اپنے آقائے نعمت کی خدمت عالی کی حضوری کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ جس کا پتہ آپ کے اس شعر سے چلتا ہے:

صبا سلام اسیران بستہ بال رساں
بطائران ہوا و فضائے آل رسول

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ انھیں مارہرہ مطہرہ تک رسائی حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ انہیں کے توسط سے مارہرہ مقدسہ کے کامل پیر طریقت کا دامن ہاتھ میں آیا ہے۔ لہٰذا حضرت رضا بریلوی ہمیشہ مولانا عبدالقادر کے شکر گزار رہے، اور جس شعر کی تشریح کرنے کی ہم اس وقت کوشش کر رہے ہیں

اس قصیدۂ مدحیہ کا ہے جس میں حضرت رضا بریلوی نے مولانا عبدالقادر کے اس عظیم احسان کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پیرومرشد خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی کی عظمت شان کا بھی ذکر کیا ہے۔ پہلے مولانا عبدالقادر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تیری نعمت کا شکر کیا کیجئے　　تجھ سے کیا کیا ملا محبّ رسول
اور تو اور شیخ تجھ سے ملا　　اس سے بڑھ کر ہے کیا محبّ رسول

اس کے بعد حضرت رضا بریلوی اپنے پیرومرشد کی مدح وثنا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شیخ بھی وہ کہ جس کے در کی خاک　　چشم جاں کی جلا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ ایک جھلک میں کرے　　شب کو شمس الضحیٰ محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ جس کی ایک نگاہ　　دوجہاں کا بھلا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ جس کے مجرائی　　اولیاء اصفیا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ فتنوں کی ہے قضا　　جس کی ایک ایک ادا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ جس کے نام کا ورد　　درد دل کی دوا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ حق کے پھول کھلائے　　جس کے دم کی ہوا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ جس کے عشق کی آگ　　نار سے ہے نجا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ جس کا آب وضو　　باغ دیں کی بہا محبّ رسول
شیخ بھی وہ کہ خاک پا سے کرے　　مس جان کو طلا محبّ رسول
شیخ بھی کون حضرت آل رسول　　خاتم الاولیا محبّ رسول
اس کے در تک رسائی تجھ سے ملی　　تو ہوا رہنما محبّ رسول
مجھ پہ واجب ہے تیرا شکر نعم　　مجھ پہ لازم دعا محبّ رسول

مذکورہ اشعار کے ذریعہ حضرت رضا بریلوی اپنے پیرومرشد حضور خاتم الاکابر سید شاہ

آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عقیدت ومحبت وعظمت کا اظہار فرمارہے ہیں، اور ایسے اکمل پیر کے در تک رسائی ملنے کی رہنمائی کا سہرا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی کے سر رکھتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کررہے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی اپنے وقت کے جید عالم اور استاذ العلماء تھے۔ مشاہیر علمائے اہل سنت کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ مارہرہ مقدسہ کے عظیم الشان شہزادوں نے ان سے علوم شریعت پڑھا ہے۔

(113)

ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہوئی جناں
واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلال گل

حل لغت:

قدم: پاؤں، پیر، گام، ڈگ، وہ فاصلہ جو چلنے کی حالت میں ایک قدم سے دوسرے قدم تک ہو، روش، رفتار، چال، پیر کا نشان، تشریف آوری، واسطہ، دخل، ذات، موجودگی، دم، گھوڑے کی چال، نشان اثر۔

(فیروز اللغات، ص۹۵۰ ☆ لغات کشوری، ص۵۵۳)

سلعہ غالی: متاع گراں بہا، بہت ہی قیمتی متاع، حدیث میں جنت کو سلعۂ غالیہ فرمایا گیا ہے۔

(حدائق بخشش، حصہ ۱ میں حاشیہ زیر نعت: کیا ٹھیک ہو رخ نبوی پر مثال گل)

غالی: گراں، مہنگا، حد سے گزر جانے والا، حد سے بڑھا ہوا، بہت زیادہ، مبالغہ کا کلمہ، اونی قالین، وہ فرقہ جو حضرت علی کو خدا مانتا ہے۔

(فیروز اللغات، ص۹۰۹ ☆ لغات کشوری، ص۵۱۰ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۲)

واللہ: خدا کی قسم، بے شک، یقیناً، سچ مچ، فی الحقیقت۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۰۳ ☆ لغات کشوری، ص۷۹۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۹۰)

گل: پھول، معشوق، داغ، آگ کا انگارا، نتیجہ، بہتر، خوب، دھبّا، پھانسی، وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۴)

جاہ و جلال: رعب وداب، دبدبہ، شان وشوکت، عظمت۔ (فیروز اللغات، ص۴۴۸)

جاہ: مرتبہ، رتبہ، درجہ، منصب، عزت، قدر و منزلت، بزرگی، عظمت، شان۔

(فیروز اللغات، ص۴۴۸ ☆ لغات کشوری، ص۱۸۶ ☆ کریم اللغات، ص۴۶)

جلال: بزرگی، عظمت، بڑائی، شان و شوکت، رعب داب، طاقت، قوت، غصہ، طیش، تیزی، تندی، جوش، باطنی عمدہ صفات۔

(فیروز اللغات، ص ۴٦۷ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۷ ☆ کریم اللغات، ص ۵۱)

دوسرے مصرع میں پہلے والے لفظ ''گل'' کا مطلب ''محبوب'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''گل'' کا مطلب ''پھول، جنت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور فیض بخشی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ کی وہ شان عالی ہے کہ شب معراج جب آپ جنت کی سیر کو تشریف لے گئے تو آپ کے مبارک قدموں کی برکت سے جنت، سلعۂ غالی بن گئی۔ سلعۂ غالی یعنی متاع گراں بہا، حدیث میں جنت کو سلعۂ غالی فرمایا گیا ہے۔ متاع گراں بہا کے معنی دیکھیں۔

متاع: پونجی، اثاثہ وغیرہ (فیروز اللغات، ص ۱۱۹۴)

گراں بہا: قیمتی، بیش قیمت۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۸۷)

یعنی جنت بہت ہی قیمتی پونجی یا اثاثہ ہے، کیوں کہ یہ زندگی بھر ایمان کو سلامت رکھنے کے ساتھ عبادت و ریاضت کے صلہ میں ملتی ہے، اور میدان محشر کے حساب و کتاب کے بعد حضور اقدس، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے اور طفیل اور شفاعت سے ملے گی اور جو مومن ایک دفعہ جنت میں داخل ہو گیا وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ یعنی جنت اس کی کمائی (نیکی) کی پونچی ہے اور وہ پونجی کوئی معمولی نہیں بلکہ بیش قیمت ہے۔ لیکن وہ پونجی یعنی جنت کو بیش قیمت ہونے کا شرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ناز کی برکت سے حاصل ہوا

ہے۔خدا کی قسم میرے گل یعنی میرے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جنت بھی جاہ وجلال یعنی شان وشوکت کی خواستگار اور سوالی ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا نے لفظ ''گل'' کا استعمال دو مرتبہ فرمایا ہے۔پہلی مرتبہ جو لفظ گل ہے اس کا معنی محبوب ہے، اور اس سے مراد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ گل ہے اس کا معنی پھول ہے اور اس سے مراد جنت ہے۔ دونوں لفظ گل حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم کی برکت وجلوے سے جنت سلعۂ عالی یعنی متاع گراں بہا اور بہت ہی قیمتی و بیش قیمت ہوگئی۔

اب جنت کیسی ہے؟ اس میں کیا ہے؟ جنت کس طرح بنی؟ وغیرہ کا بیان شعر نمبر 33

جنت ہے ان کے جلوے سے جو یائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

کی تشریح میں گزرا ہے۔لہٰذا قارئین کرام اس شعر کی تشریح کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضور کے قدموں کی برکت سے جنت سلعۂ غالی بنی۔اور وہ قدم شب معراج میں وہاں گئے۔لیکن دور حاضر کے منافقین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں، اور جب جسمانی معراج کا ہی انکار کر دیا تو در پردہ حضور کے جنت میں جانے کا بھی انکار کر دیا۔اب کچھ احادیث پیش خدمت ہیں جن سے اظہر من الشّمس ثابت ہو جائے گا کہ حضور اقدس شب معراج جنت میں تشریف لے گئے۔

حاکم نے صحیح بتا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھے جنت کی سیر کرائی اور مجھے وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی۔اس پر حضرت

ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ اے کاش! کہ میں آپ کے ساتھ ہوتا تو اس دروازے کو دیکھتا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سنو! میری امت میں سے جنت میں جانے والوں میں تم سب سے پہلے ہو گے۔

(مدارج النبوت، از شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۴۹۶ ☆ خصائص کبریٰ، از امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۲۰۷)

حاکم نے ام المؤمنین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اس میں تلاوت کی آواز سنی، میں نے پوچھا یہ تلاوت کرنے والا کون ہے؟ فرشتوں نے کہا یہ حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ تمھارے نیکوکاروں کا یہی حال ہے۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۲۰۷)

ابن عساکر نے بطریق ابوبکر بن عیاش وحمید سے اور انھوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو میرے سامنے ایک محل آیا، میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ فرشتوں نے کہا: عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، مجھے اس محل میں داخل ہونے سے کسی نے نہ روکا۔ مگر اے عمر! تمھاری غیرت نے مجھے باز رکھا۔ حدیث کے راوی ابوبکر نے کہا کہ میں نے حمید سے پوچھا کہ یہ واقعہ خواب کا ہے یا بیداری کا؟ حمید نے کہا کہ بیداری کا ہے۔

(خصائص کبریٰ، اردو، جلد ۲، ص ۲۰۷)

امام بخاری اور امام مسلم نے بروایت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی، آپ نے فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل جنت فقراء لوگ ہیں اور مجھے دوزخ دکھائی گئی تو میں نے دیکھا کہ اکثر اہل دوزخ عورتیں ہیں۔ (ایضاً)

ایک نکتہ یہاں پر قابل غور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنت، جہنم وغیرہ

مقامات کی سیر اس لئے کرائی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی عطا اور اپنے لطف وکرم سے ساری کائنات کا مالک بنایا ہے، تو جب جنت کا بھی آپ کو مالک بنایا ہے تو آپ کی اپنی ملک اور اپنی زیر سلطنت جگہ کو ملاحظہ فرمانے کے لئے بھی بلایا گیا کہ اے محبوب! آ کر جنت اور دوزخ کو دیکھ لو۔ ہم نے آپ کے اختیار میں جنت اور دوزخ کو اس لیے دے دیا ہے کہ آپ اپنے محبوبوں کو جنت میں اور دشمنوں کو جہنم میں بھیج دیں، بلکہ آپ کو اتنا اختیار عطا فرمایا ہے کہ جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں۔

حافظ ابو سعید عبد الملک بن عثمان اپنی کتاب شرف النبوۃ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلوں کو جمع فرمائے گا اور دو منبر نور کے عرش کے داہنے اور بائیں بچھائے جائیں گے۔ ان پر دو شخص چڑھیں گے، داہنے والا پکارے گا، اے جماعت مخلوق! جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا اور جس نے نہ پہچانا تو میں رضوان داروغۂ بہشت ہوں۔

''اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیۡ اَنۡ اُسَلِّمَ مَفَاتِیۡحَ الۡجَنَّۃِ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَاِنَّ مُحَمَّدًا اَمَرَنِیۡ اَنۡ اُسَلِّمَھَا اِلٰی اَبِیۡ بَکۡرٍ وَ عُمَرَ لِیُدۡخِلَا مُحِبِّیۡھِمَا الۡجَنَّۃَ اَلَا فَاشۡھَدُوۡا''

ترجمہ: مجھے اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے کہ جنت کی کنجیاں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سپرد کر دوں، اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوبکر و عمر کو دوں، کہ وہ اپنے دوستوں کو جنت میں داخل کریں۔ سنتے ہو۔ گواہ ہو جاؤ۔ پھر بائیں طرف والا پکارے گا، اے جماعت مخلوق! جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا، اور جس نے نہ پہچانا تو میں داروغۂ دوزخ ہوں۔

''اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیۡ اَنۡ اُسَلِّمَ مَفَاتِیۡحَ النَّارِ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَاِنَّ مُحَمَّدًا اَمَرَنِیۡ اَنۡ اُسَلِّمَھَا اِلٰی اَبِیۡ بَکۡرٍ وَ عُمَرَ لِیُدۡخِلَا مُبۡغِضِیۡھِمَا النَّارَ اَلَا فَاشۡھَدُوۡا''

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دوزخ کی کنجیاں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سپرد کر دوں، اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوبکر و عمر کو دوں کہ وہ اپنے دشمنوں کو جہنم

میں داخل کریں۔ سنتے ہو، گواہ ہو جاؤ۔

اس حدیث کو علامہ شہاب الدین خفاجی نے اپنی کتاب نسیم الریاض میں ذکر کی ہے۔

(الامن والعلی، از امام احمد رضا بریلوی، ص ٦٢)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جنت کا مالک بنا دیا ہے اور حضور نے جنت کو حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اختیار میں عطا فرمادی ہے، کہ وہ جسے چاہیں جنت میں داخل فرمادیں اور اسی طرح دوزخ کا بھی اختیار عطا فرمادیا ہے۔ تعجب اور حیرت ان حاسدوں پر ہے کہ وہ حضور اکرم پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ونوازش سے حسد کی آگ میں جلتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ونوازش سے تو مومن کو خوش ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت رضا فرماتے ہیں:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

●

مالک کونین ہیں ، گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دوجہاں کی نعمتیں ہیں ، ان کے خالی ہاتھ میں

●

صف ماتم اٹھے ، خالی ہو زنداں ، ٹوٹیں زنجیریں
گنہگارو چلو ، مولیٰ نے در کھولا ہے جنت کا

●

لیکن رضؔا نے ختم سخن اس پہ کردیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

دور حاضر کے منافقین معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر مانتے ہیں، اور یہاں تک کہتے اور لکھتے ہیں کہ جس کا نام ''محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں''۔ (دیکھو، کتاب تقویت الایمان، از مولوی اسماعیل دہلوی) حالاں کہ وہ عشرۂ مبشرہ کے قائل ہیں۔ عشرۂ مبشرہ یعنی وہ دس خوش نصیب نفوس قدسیہ، جن کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا میں جنتی فرما دیا اور ان دس حضرات کو ان کی حیات میں ہی جنت کی بشارت دے دی۔ ان دس خوش نصیب حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

- امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق
- امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم
- امیر المومنین سیدنا عثمان غنی
- امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ
- امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح
- حضرت سعد بن ابی وقاص
- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف
- حضرت طلحہ بن عبیداللہ
- حضرت زبیر بن العوام
- حضرت سعید بن زید

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

دور حاضر کے منافقین اور مرتدین کی کج فہمی پر تعجب ہے کہ وہ عشرۂ مبشرہ کو جنتی مانتے ہیں، اور اپنی کتابوں میں ان کو عشرۂ مبشرہ لکھتے ہیں تو جب ان دس حضرات کو جنتی تسلیم کر لیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب اور حضور کے مالک جنت ہونے کا خود بخود اقرار ہو گیا۔ کیوں کہ ان کو جنتی ہونے کی بشارت حضور نے ہی دی، اور یہ بشارت دینا کوئی معمولی کام نہیں، یہ بشارت وہی دے سکتا ہے، جو احوال آخرت پر مکمل مطلع ہو اور اسے کسی کو جنت میں داخل کرنے کا اختیار بھی حاصل ہو۔

امام ربانی احمد بن محمد خطیب قسطلانی اپنی کتاب المواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں کہ ''هُوَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَزَانَةُ السُّرُوْرِ وَمَوْضِعُ نُفُوْذِ الْاَمْرِ فَلَا يَنْفَذُ الْاَمْرُ اِلَّا مِنْهُ وَلَا يَنْقُلُ خَيْرٌ اِلَّا عَنْهُ''

ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رازالٰہی کے خزانے اور جائے نفاذ امر ہیں۔کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (الامن والعلی،ص۱۱۴) تو جب جنت حضور کی ملک اور اختیار میں دے دی گئی ہے،تو جنت کی شان وشوکت بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم ناز کی برکت سے بڑھ گئی ہے، جب کہ آپ نے معراج کی شب اپنے قدموں سے جنت کو شرف بخشا،حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

بچا جو تلوؤں کا ان کے دھوون،بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اترن،وہ پھول گلزار نور کے تھے

بیشک جنت کی زیب وزینت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں کی برکت سے ہے۔پوری کائنات دربار مصطفیٰ کی سوالی ہے۔جس نے جو کچھ پایا ہے یہیں سے پایا ہے،اور جو کچھ بھی پائے گا وہ یہیں سے پائے گا۔اسی لئے تو آٹھوں جنت لطافت ونزاکت کے حصول کے لئے بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہی سوال کرتے ہیں۔بقول حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان:

ہشت خلد آئیں وہاں کسب لطافت کو رضاؔ
چار دن برسے جہاں ابر بہاران عرب

❁……❁……❁

(114)

خالی پاؤں گا جب اس گل سے دماغ
زندگی کا مرے گل ہوگا چراغ

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۸۰)

حل لغت:

خالی: جو بھرا ہوا نہ ہو، کھوکھلا، تہی، صرف، محض، اکیلا، تنہا، بے کار، نکمّا، بے روزگار، سونا، غیر مقبوضہ، غیر آباد، فارغ، بے مشغلہ، مسلمانوں کا گیارہواں مہینہ ذیقعدہ، یہ نام نور جہاں بیگم نے رکھا تھا، غیر مؤثر، بے اثر، عاری، مبرّا جس میں کچھ بھرا نہ ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۵۸۲ ☆ لغات کشوری، ص ۲۵۰)

گل: پھول، معشوق، داغ، دھبّا، پھانسی، حقے کا جلا ہوا تمبا کو، آگ سے جل جانے کا نشان، وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۴)

گل ہونا: چراغ بجھنا، رونق ختم ہونا، عزت کا گر جانا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۰۲)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''گل'' کا مطلب ''معشوق'' ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''گل'' کا مطلب ''چراغ بجھنا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ شعر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مثنوی الوداع جبہّ شریف کا ہے جو آپ نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس جبہ شریف کی جدائی اور فراق میں لکھی تھی۔ اس مثنوی شریف کا ایک شعر ہے:

بلبلیں خاموش پڑی ہیں خاک پر
کیوں ہیں منقاریں چھپائے زیر پر

اس کی تشریح شعر نمبر 47 میں کچھ تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ انہتر اشعار پر مشتمل مثنوی کا پچپنواں شعر اس وقت آپ حل کر رہے ہیں۔ اس میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ''خالی پاؤں گا جب اس گل سے دماغ''، یعنی جب گل گلزار نبوت ورسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیال وتصور اور ذکر سے اپنا دماغ یعنی فہم وعقل خالی پاؤں گا تب اس وقت میری زندگی کا چراغ گل ہو جائے گا یعنی بجھ جائے گا یعنی موت کی آغوش میں سو جاؤں گا۔

اس شعر میں لفظ ''گل'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ گل ہے، اس سے مراد حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ مصرع ثانی میں جو لفظ ''گل'' ہے، اس کے معنی بجھنا، ختم ہونا وغیرہ ہے۔ دونوں لفظ گل اعراب وحروف کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ حالاں کہ یہ شعر جبہ شریف کی الوداع میں لکھا گیا ہے، اور بظاہر مصرع اول میں لفظ گل سے مراد جبہ شریف ہونی چاہیئے، لیکن درحقیقت یہاں ''گل'' سے مراد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے، کیوں کہ اس شعر سے قبل جو شعر ہے اس میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جبہ شریف کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں:

تجھ سے آتی تھی مجھے بو ہر گھڑی
گلستان اصطفا کے پھول کی

یعنی اے مقدس جبہ شریف! تجھ کو میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیب تن فرمایا، اور اپنے جسم اقدس سے مس ہونے کا تجھے شرف بخشا، اور سرکار دو عالم کے جسم اقدس کی

یہ خصوصیت تھی کہ جو بھی شئ جسم اقدس سے مس ہو جاتی تھی، اس میں ایک نرالی خوشبو اور مہک پیدا ہو جاتی تھی۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا میں نے اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے پر رکھ دیئے، کئی ہفتوں تک میرے ہاتھوں سے وضو کرتے وقت اور کھانا کھاتے وقت مشک وعنبر کی خوشبو آرہی تھی۔ (شواہد النبوۃ، از: علامہ جامی، اردو ترجمہ، ص ۱۹۹)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ میں نے دست اقدس کی ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا آپ نے ابھی ابھی عطر کی ڈبیہ سے اپنا دست مبارک نکالا ہے۔ جو بھی آپ سے مصافحہ کرتا وہ تمام دن اپنے ہاتھوں میں خوشبو پاتا۔ آپ جس بچے کے سر پر دست شفقت رکھتے وہ آپ کی خوشبو کی وجہ سے تمام بچوں میں ممتاز و معروف ہو جاتا۔

(مدارج النبوۃ، از شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۴۸)

بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کیا، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا، یا میرا جسم آپ کے جسم اقدس کے کسی حصہ سے چھو جاتا، تو میں اپنے ہاتھ میں تین دن تک مشک سے زیادہ خوشبو پایا کرتا تھا۔

(خصائص کبریٰ، از امام اجل علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۱۹۵)

حضرت عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ ام عاصم روایت کرتی ہیں کہ ہم چار عورتیں عتبہ کی زوجیت میں تھیں، اور ہم میں سے ہر ایک یہی کوشش کرتی کہ زیادہ سے زیادہ خوشبو میں بس کر عتبہ کے قریب جائے۔ ہم سب اس کوشش میں خوب خوشبو استعمال کرتیں، لیکن ہم میں سے کسی کی خوشبو عتبہ کی خوشبو تک نہ پہنچتی تھی۔ ایک دن میں نے عتبہ سے اس کی

وجہ پوچھی، تو انھوں نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مجھے شریٰ یعنی گرمی کے دانے نکل آئے تھے۔ میں نے حضور کی خدمت میں جا کر اپنے اس مرض کی شکایت کی، تا کہ آپ علاج فرمادیں۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ بدن سے کپڑے اتار دو، میں نے اپنی شرم گاہ اور ستر عورت پر کپڑا ڈال رکھا اور باقی بدن برہنہ کر کے حضور کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے اپنا دست کرم میری پشت اور شکم پر پھیرا، اسی دن سے یہ خوشبو مجھ میں مہکنے لگی ہے۔

اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر، اوسط اور صغیر میں بہ سند جید اور بیہقی نے ام عاصم سے روایت کی ہے۔ (مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد۱، ص ۴۷ ☆ خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد۲، ص ۱۹۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب کوئی صحابی بہ قصد حضوری آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا، اور آپ کو کاشانۂ اقدس میں نہ پاتا تو وہ راہ میں آپ کی اس خوشبو کو سونگھتا، جو آپ کی گزرگاہ ہونے کے سبب راہ میں پھیلی ہوئی ہوتی تھی۔ مدینہ منورہ کے جس جس کوچے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گزرتے، صحابۂ کرام اس راہ میں خوشبو محسوس کر کے حضور کے پاس چلے جاتے تھے۔ (مدارج النبوۃ، جلد۱، ص ۴۸)

امام مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر کے وقت قیلولہ فرمایا۔ چوں کہ حضور کو نیند میں بہت پسینہ آیا کرتا تھا، تو میری والدہ جن کا نام ام سلیم ہے۔ شیشی لے کر آپ کے پسینہ مبارک اس میں جمع کرنے لگیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ فرمایا: اے ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ یارسول اللہ! آپ کا پسینہ مبارک جمع کر رہی ہوں، تا کہ میں اسے بطور خوشبو استعمال کروں۔ کیوں کہ اس کی خوشبو سب سے زیادہ بہتر ہے۔

(مدارج النبوۃ، جلد۱، ص ۴۸)

ابویعلی اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن عسا کر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے روایت کیا کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنی بیٹی کی شادی کررہا ہوں۔ آپ مجھ کو کوئی خوشبو عطا فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو کوئی خوشبو موجود نہیں، لیکن تم کھلے منھ کی شیشی اور درخت کی ٹہنی لاؤ۔ وہ شخص دونوں چیزیں لایا۔ حضور نے دونوں کلائیوں سے پسینہ پونچھ کر شیشی کو بھردیا، اور فرمایا یہ شیشی اپنی بیٹی کو دو اور کہو کہ یہ لکڑی شیشی میں ڈبو کر خوشبو لگائے۔ چنانچہ لڑکی نے ایسا ہی کیا اور اس کی خوشبو سے سارا مدینہ مہک گیا اور اسی وجہ سے اس گھر کا نام ''بیت المطیبین'' یعنی خوشبوؤں کا گھر مشہور ہوگیا۔ (خصائص کبریٰ اردو، جلد ۱، ص ۱۶۸ ☆ مدارج النبوۃ، اردو، جلد ۱، ص ۴۸)

دارمی، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم جب کوئی راستہ طے فرماتے تو وہ جسم اطہر کی خوشبو سے مہک جاتا اور لوگ جان لیتے کہ آپ اس راہ سے گزرے ہیں۔

(خصائص کبریٰ، از: علامہ امام جلال الدین سیوطی، جلد ۱، ص ۱۶۷)

ابن سعد و ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے آنے سے پہلے ہی خوشبو سے ہم آپ کو پہچان لیتے تھے۔ (ایضاً)

بزار اور ابویعلی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ مدینہ منورہ کے راہ گیر راستوں کی خوشبو سے جان لیتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ادھر سے گزرے ہیں۔ (ایضاً)

دارمی نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رات کی تاریکی میں ہم ان کی خوشبو سے پہچان لیتے تھے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مذکورہ واقعات کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جبہ شریف سے جسم اقدس کی خوشبو محسوس کرتے تھے اور اسی خوشبو کا ذکر

کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس ملبوس، مجھے تم میں سے ہر گھڑی گلستان اصطفا کے پھول کی خوشبو آتی تھی۔ باغ اصطفی کے پھول سے مراد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کیوں کہ حضور کا مشہور صفاتی نام مصطفیٰ ہے، اور مصطفیٰ کا لفظ اصطفی سے مشتق ہے۔ اس کی بحث یہاں نہیں کرتے۔

الحاصل! اسی ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد و ذکر کے تعلق سے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ خالی پاؤں جب اس گل سے دماغ، یعنی جس وقت بھی اس گل باغ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنا دماغ خالی پاؤں گا یہاں پر آپ نے دماغ کو خالی پانے کا ذکر کیا ہے۔ اور خوشبو دار چیز پر ناک لگا کر گہری سانس لیتے ہیں تو اس کی خوشبو کا سیدھا اثر دماغ پر ہوتا ہے اور دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ دماغ تر ہو گیا ہے دماغ تر ہونا اردو زبان کا محاورہ ہے اور اس کا معنی دماغ کو تازگی اور آرام پہنچنا ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۶۴۴)

حضرت رضا بریلوی کے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ جبہ شریف سے مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کی خوشبو آتی تھی، اور اس مبارک خوشبو سے میرے دماغ کو تازگی اور آرام پہنچتا تھا۔ لیکن اب وہ جبہ شریف رخصت ہو رہا ہے۔ اب وہ خوشبو میسر نہ ہوگی، اور اس خوشبو کے میسر نہ ہونے کے نتیجے میں میری زندگی میں اندھیرا چھا جائے گا۔ اس جبہ شریف کے فراق میں میرا گھر بھی مجھے ویران اور تباہ محسوس ہوگا۔

چراغ گل ہونا کے لغوی معنی چراغ بجھنا اور گھر تباہ ہونا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۵۲۴)

المختصر! عشق صادق کے جوش اور جذبہ کے تحت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس جبہ شریف سے الوداع ہونا حضرت رضا بریلوی کے لئے نا قابل برداشت اور بہت شاق مرحلہ ہے۔ وہ مرحلہ جبہ شریف کی جدائی پر عنقریب پیش آنے والا ہے، اور اس کے خیال

سے ہی حضرت رضا ملول اور مضطرب ہو گئے اور ایسا محسوس کیا کہ جدائی کا صدمہ کیسے برداشت کروں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس جبہ شریف کی جدائی کا صدمہ مجھ سے برداشت نہ ہو اور اس کے نتیجہ میں میرا دل بیٹھ جائے اور میری زندگی ہی کا چراغ گل ہو جائے یعنی میری جان نکل جائے۔

(115)

یہ ادب کہ بلبل بے نوا کبھی کھل کے کر نہ سکے نوا
نہ صبا کو تیز روش روا نہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے

حل لغت:

ادب: ہر چیز کی حد کو نگاہ رکھنا، حفظ مراتب، کسی کی بزرگی یا عظمت کا پاس، تہذیب، شائستگی، تمیز، احترام، علم زبان کہ جس میں نحو، لغت، عروض، انشاء، معانی اور بیان وغیرہ داخل ہیں، پسندیدہ طریقہ، زبان کا سرمایہ، تعظیم، قاعدہ عقل، علم عربی، سلام۔

(فیروز اللغات، ص۷۷☆ لغات کشوری، ص۲۲ ☆ کریم اللغات، ص۶)

نوا: آواز، صدا، کوک، چہچہاہٹ، سر، راگ، نغمہ، موسیقی کے بارہ مقامات میں سے ایک مقام، ساز و سامان، توشہ، روزی، خوراک، تونگری، خوشحالی، سامان، اسباب، لشکر، فوج، سپاس، بیٹا، پوتہ، نذرانہ، پیش کش، سازگاری، موافقت، غدا، گرفتار، قید، کسی کے عوج میں دوسرے کو قید میں بٹھانا، نام ایک گروہ کا مغلوں سے۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۸۲☆ لغات کشوری، ص۷۸۹☆ کریم اللغات، ص۱۸۷)

بے نوا: بے سامان، فقیر، بے کس۔ (لغات کشوری، ص۲۴۹)

کھل کے: آرام سے، اچھی طرح، آزادانہ، جی کھول کر، بے حجاب ہو کر، بے تکلف ہو کر، ظاہر، علانیہ۔ (فیروز اللغات، ص۱۰۱۶)

صبا: وہ ہوا جو مشرق سے چلے، وہ پروا ہوا جو موسم بہار میں چلتی ہے، مشرقی ہوا، صبح کی ہوا، کبھی مراد ہوتی ہے صبح کی ہوا، نام ایک نغمہ کا موسیقی سے۔

(فیروز اللغات، ص۸۵۸☆ لغات کشوری، ص۴۴۱ ☆ کریم اللغات، ص۱۰۱)

روش: رفتار، چال، طور، طریقہ، ڈھنگ، وضع، طرز، مثل، مانند، باغ کی پٹری۔

(فیروز اللغات، ص ۷۲۷☆ لغات کشوری، ص ۳۳۵☆ کریم اللغات، ص ۸۲)

روا: جائز، مباح، درست، ٹھیک، مرکبات میں پورا کرنے والا مثلاً: حاجت روا یعنی حاجت پوری کرنے والا، مرکبات میں جاری کرنے والا مثلاً: فرماں روا، مرکبات میں نافذ کرنے والا مثلاً: فرماں روا۔ (فیروز اللغات، ص ۷۲۳)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''نوا'' کا مطلب ''سامان، توشہ'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''نوا'' کا مطلب ''آواز، صدا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس دربار کی عظمت اور ادب کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس دربار کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں بے کس و بے سامان بلبل یا عاشق کھل کر صدا بھی نہیں لگا سکتے، بلکہ ہوا کو بھی تیزی سے چلنا یا نہر کی دھار کو چھلک کر بہنا بھی روا نہیں، اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے مصرع اول میں لفظ ''نوا'' کا دو مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ لیکن پہلی مرتبہ جو لفظ ''نوا'' ہے اس کا ''بے'' کی اضافت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے، دونوں لفظ ''نوا'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر اردو ادب کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''نوا'' ہے اس کا مطلب سامان، توشہ، وغیرہ ہے، اور دوسری مرتبہ جو لفظ ''نوا'' ہے اس کا مطلب آواز، صدا وغیرہ ہے۔ دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اعجاز وعظمت دنیا کے بادشاہوں کے دربار سے منفرد و بے مثل ہے۔ دنیاوی بادشاہ

اپنے درباروں کے آداب اوران میں حاضری دینے کے قوانین خود بناتے ہیں اوراپنے مقررہ حاکموں اورعمالوں کے ذریعہ رعایا سے ان پرعمل کراتے ہیں کہ ہمارے دربار میں اس طرح کھڑے رہو، اس طرح بات کرو، اس طرح سلامی دو وغیرہ، علاوہ ازیں ان بادشاہوں کے دربار کے آداب صرف اپنی رعایا اور وہ بھی انسانوں تک ہی محدود ہوتے ہیں۔

ایک ملک کے بادشاہ کے دربار کے آداب دوسرے ملک کی رعیت پر نافذ نہیں ہوتے، صرف اپنے ہی ملک کی رعیت پر لازمی ہوتے ہیں اور وہ بھی صرف انسانوں پر نافذ ہوتے ہیں، جنات، ملائکہ، حیوانات، جمادات، نباتات وغیرہ پر ان کی حکومت نہیں ہوتی، پھر ان سارے آداب پر اسی وقت تک عمل کیا جاتا ہے جب تک بادشاہ زندہ ہے۔ جیسے ہی بادشاہ کا انتقال ہوا، اس کا دربار بھی ختم اور سارے قوانین آداب نیست و نابود ہوجاتے ہیں۔ اب نیا بادشاہ اپنی منشاء کے مطابق اپنے دربار کے نئے قوانین آداب جاری کرتا ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دربار وہ عالی مرتبت دربار ہے کہ جس کے آداب اور سلام وکلام کے طریقے خود اللہ تعالیٰ نے نافذ فرمائے اور اپنی خلقت کو اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار کے آداب تعلیم فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی تاکید اس طرح فرمائی کہ اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو تم سخت سزا وعتاب کے مستحق ہوجاؤ گے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ اب وہ شاہی دربار بظاہر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا ہے۔ اس دربار کے شہنشاہ نے ہم سے پردہ بھی فرمالیا ہے، لیکن اس دربار کے آداب اسی طمطراق کے ساتھ برقرار ہیں۔ اس مقدس دربار کے آداب صرف انسان ہی نہیں، بلکہ فرشتے، جنات، جانور، پتھر، درخت، چاند، سورج، الغرض کائنات کی ہر شئے بجالاتی ہے اور قیامت تک بجا آوری کرتی رہے گی۔ دربار رسالت کے آداب کے تعلق سے قرآن مجید میں کئی آیات نازل ہوئی ہیں۔ ان آیات میں اس دربار کے آداب بجالانے والوں کو خوش خبری اور مژدۂ انعام و اکرام سنایا گیا ہے اور آداب نہ

بجالانے والوں کوسخت تعزیر و وعید سنائی گئی ہے۔صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت دربار رسالت کے آداب بجالانے میں قرآن مجید کی آیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، کمال انتہاء محبت کا مظاہرہ کرکے اپنی آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ بن گئی۔ کچھ واقعات پیش خدمت ہیں۔

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوثقل سماعت کی بیماری تھی، یعنی وہ کم سنتے تھے۔ان کے سامنے پست آواز میں کوئی گفتگو کرتا تو وہ نہیں سن سکتے تھے۔لہٰذا ان کی آواز بلند ہوجاتی تھی۔طب اورعلم نفسیات کے مطابق جوشخص اونچا سنتا ہے وہ اپنے پر دیگر کو قیاس کرکے ہمیشہ بلند آواز میں گفتگو کرتا ہے۔حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو اپنی عادت کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے بھی بلند آواز سے گفتگو کرتے تھے۔اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان حضور کی مجلس میں معاملہ کے اختلاف کی گفتگو کرنے میں آواز بلند ہوگئی تھی۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنین کو اپنے محبوب کے حضور اس طرح گفتگو کرنے کی ممانعت فرماتے ہوئے آیت کریمہ نازل فرمائی:

”یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ“ (سورہ الحجرات، آیت ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ (کنزالایمان)

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ

رسالت میں آنا ترک کر دیا اور اپنے گھر بیٹھ گئے۔ وہ رویا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اہل نار سے ہوں، میرے اعمال اکارت ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا حال دریافت فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انھیں کوئی بیماری نہیں ہوئی۔ پھر آ کر حضرت سعد نے حضرت ثابت سے ان کا ذکر کیا۔ حضرت ثابت نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں تو میں جہنمی ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حال خدمت اقدس میں عرض کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اہل جنت سے ہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان)

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ثابت کو اپنے حضور بلایا اور انھیں شہادت اور جنت کی بشارت دی۔ اس بشارت کے عین مطابق حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روز یمامہ شہید ہوئے۔

(مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۱۳)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ خدا کی قسم، یارسول اللہ! آئندہ میں ایسے بات کروں گا جیسے سرگوشی کی جاتی ہے۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۵۱۳)

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی قسم کے ساتھ کہا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے راز دارانہ طور پر آہستگی سے کلام کے سوا بات ہی نہ کروں گا۔ اس طرح کہ کوئی دوسرے کو سمجھانے کے طریقے پر بہ آہستگی بات کرتا ہے۔ (مدارج النبوۃ، از: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ۲، ص ۵۵۷)

تفسیر بیضاوی شریف میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم دونوں

نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پست آواز سے بات کرنے کی قسم کھائی اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صحابۂ کرام کے ذریعہ ادب اور تعظیم بجالانا پسند آیا اور تعظیم وادب کی وجہ سے حضور کے سامنے پست آواز میں گفتگو کرنے والوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی:

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ'' (سورہ الحجرات، آیت ۳)

ترجمہ: بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

(کنز الایمان)

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنے منھ میں کنکریاں ڈال کر بیٹھا کرتے تھے، تاکہ بات کرنے میں تنگی اور دشواری ہو۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۵۵۷)

مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی طرح آہستہ سے بات کرتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی بات سمجھ بھی نہ پاتے جب تک دوبارہ استفہام نہ فرماتے۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۱۳)

منقول ہے کہ خلیفۂ زمانہ امیر المؤمنین ابو جعفر نے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسجد نبوی میں مناظرہ کیا۔ امام مالک نے ان سے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! اپنی آواز کو مسجد نبوی میں پست کرو، اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ایک جماعت کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا ہے ''لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِی'' یعنی اپنی آواز کو بارگاہ نبوی میں اونچی نہ

کرو۔اور ایک جماعت کی مدح وتعریف میں فرمایاہے''اِنَّ الَّـذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَھُمۡ'' (الخ) یعنی بے شک جولوگ اپنی آوازوں کوخوب پست کرتے ہیں۔(آخرآیت تک)اور ایک گروہ کی مذمت وبرائی میں ارشادفرمایا''اِنَّ الَّـذِیۡنَ یُنَادُوۡنَكَ مِنۡ وَّرَاءِ الۡحُجُرَاتِ'' یعنی جولوگ حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔یقیناً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت وحرمت بعدوفات بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ کی حیات شریفہ میں تھی۔

(مدارج النبوۃ،اردوترجمہ،جلد۱،ص۵۱۴☆خصائص کبریٰ،از:علامہ جلال الدین سیوطی،اردوترجمہ، جلد۲، ص۵۴۴)

ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک قول نقل فرمایا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس رفع صورت یعنی آواز بلند کرنا مکروہ ہے،اس لئے کہ آپ کی حرمت بعدوفات بھی اسی طرح ہے جس طرح آپ کی حرمت آپ کی حیات میں تھی۔ (خصائص کبریٰ،اردوترجمہ،جلد۲،ص۵۴۴)

صحابۂ کرام حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے حد ادب بجالاتے تھے،اور حضور کی تعظیم وتوقیر کا یہ عالم تھا کہ بات کرتے ہوئے بھی جھجھکتے تھے،اور ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ ہمارے کسی قول وفعل سے حضور کو تکلیف نہ پہنچے اور ہم سے کوئی بھی کام ایسا صادر نہ ہوجائے جو خلاف ادب ہو۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا تھا، یہاں تک کہ کئی سال گزرگئے،مگر دریافت کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔باوجودکہ حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام لوگوں سے بڑی خوش اخلاقی اورصحابۂ کرام کےساتھ بڑی ہی مہربانی وشفقت کا سلوک فرماتے،خصوصاً فقراء ومساکین کے ساتھ۔ (مدارج لنبوۃ،اردوترجمہ،جلد۱،ص۵۴۱)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار کے ادب واحترام کے تعلق سے قرآن مجید میں کئی آیات نازل ہوئی ہیں جن سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ ایک دو آیت تبرکاً نقل کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ قبیلہ بنی تمیم کا ایک وفد دوپہر کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور آرام فرمارہے تھے۔ ان لوگوں نے باہر سے حضور کو پکارنا شروع کیا، جس کی وجہ سے حضور کے آرام میں خلل پہنچا۔ حضور باہر تشریف لائے اور اس وفد کو ملاقات کا شرف بخشا۔ لیکن اس طرح پکارنا خلاف ادب تھا۔ لہٰذا فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام وحیٔ خداوندی لے کر حاضر ہوئے۔ ''اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَكَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَكۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ'' (سورہ الحجرات، آیت۴)

ترجمہ: بے شک وہ جو تمھیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے پکارنے والوں کو بے عقل کہا گیا ہے۔

ان سب کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَلَوۡ اَنَّهُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡهِمۡ لَكَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ'' (سورہ الحجرات، آیت۵)

ترجمہ: اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے، تو یہ ان کے لئے بہتر تھا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

ایک مرتبہ چند صحابۂ کرام نے عید الاضحیٰ کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کرلی، تو ان قربانی کرنے والوں کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا گیا۔ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے رمضان سے ایک روز پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کردیا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

ان لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ''یَـا اَیُّھَـا الَّـذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوْا اللّٰہَ'' (سورہ الحجرات، آیت ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔

(کنزالایمان)

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین غایت درجہ بارگاہ رسالت کا ادب آیات قرآنی کی روشنی میں ملحوظ رکھتے تھے، یہاں تک کہ اعمال صالحہ میں بھی حضور سے مقدم رہنا پسند نہ کرتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش کی جانب دعوت اسلام اور صلح کے ابتدائی قواعد وضوابط طے کرنے کے لئے مکہ معظّمہ بھیجا، تو قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دی کہ وہ خانۂ کعبہ کا طواف کرلیں مگر حضرت عثمان نے انکار فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں اس وقت تک طواف خانۂ کعبہ نہیں کرسکتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کا طواف نہ فرمالیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کی رعایت کو خانۂ کعبہ کے طواف سے عظیم تر جانا، اور حق وصواب بھی یہی ہونا چاہیئے کہ کوئی عمل اور کوئی بھی عبادت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کی رعایت کے باہر نہ ہو۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۴۰)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دروازے کو ناخنوں سے بجاتے تھے، تاکہ کھٹکھٹانے کی آواز سخت وشدید نہ ہوجائے اور حضور کے آرام میں خلل نہ ہو۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۴۰)

بارگاہ رسالت کے ادب واحترام کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کو بیان کرنے کے لئے

دفاتر درکار ہیں۔ یہاں پر قرآن و حدیث کی روشنی میں اس عنوان پر بہت ہی مختصر بیان ہوا۔صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لے کر تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، صالحین، اولیائے کاملین، شہدائے کرام وغیرہ کے احوال زندگی کے مطالعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اورادب واحترام بجالانے کے ثمرہ میں منصب عالی عطا ہوئے تھے۔ یہاں تک کی مختصر گفتگو میں انسانوں کے ذریعہ بارگاہ رسالت کا ادب واحترام بجالانے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔لیکن جیسا کہ اس شعر کی تشریح کی ابتداء میں عرض کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر بجالانے میں انسانوں کے علاوہ کائنات کی دیگر مخلوق بھی پیش پیش رہی ہے، جس کا تفصیلی بیان شعر نمبر 72

نہ دل بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اس کا شکار ہے
یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں پر اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے صرف اشارہ فرمایا ہے:

یہ ادب کہ بلبل بے نوا کبھی کھل کے کر نہ سکے نوا
نہ ہوا کو تیز روش روا، نہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بلبل، ہوا، اور نہر کا ذکر کیا ہے اور تینوں پر بارگاہ رسالت کا ادب واحترام ملحوظ رکھنے کی تاکید اور رعایت کا ذکر کیا ہے۔ پہلے بلبل بے نوا کا ذکر کیا ہے۔ یہاں بلبل بے نوا سے ظاہری معنی بلبل، عندلیب یا ہزار داستان ہی مراد ہے، لیکن یہاں بلبل سے مراد عاشق رسول بھی لے سکتے ہیں۔ کیوں کہ بلبل ہمیشہ پھول پر عاشق ہوتی ہے۔ پھول کے ساتھ بلبل کا عشق مشہور ومعروف ہے۔گل وبلبل کی حیثیت اور رشتہ لازم وملزوم کی

طرح ہے۔گل کے ساتھ بے پناہ عشق ومحبت کرنے کی وجہ ہی سے بلبل کو شہرت حاصل ہوئی ہے۔اسی طرح باغ رسالت کے شاداب گل، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بے پناہ عشق ومحبت کرنے والے عشاق واقعی بلبل گل باغ رسالت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی نے اس شعر میں بلبل کو بے نوا کی صفت سے متصف کیا ہے۔یعنی ایسی بلبل یا ایسا عاشق کہ جو بے سروسامان، مفلس و بے کس ہو،لیکن اس مفلس وفقیر کے لئے ایک قید اور بندش لازم کردی ہے اور وہ ہے ''کبھی کھل کے کرنہ سکے نوا'' یعنی جو کھل کر یعنی کہ فراخ دلی سے، کسی قسم کی پابندی کے بغیر اور بے جھجک آہ وبکا نہیں کرسکتے۔ بلکہ یہ وہ دربار ہے کہ جہاں کا ادب ملحوظ رکھنے کے لئے اپنے دلی جذبات کو قابو میں رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ حالاں کہ یہ مشکل امر ہے۔کٹھن امتحان کا وقت ہے۔ کیوں کہ علم نفسیات کے اصول کے مطابق کوئی بے سروسامان، مصیبت وغم کا مارا، مفلس و پریشان، رنج وحزن سے چکنا چور جب اپنے ہمدرد اور مونس کے پاس آتا ہے تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اپنی داستان غم اس کے سامنے بیان کرتا ہے اور اپنائیت کے جذبے کے تحت۔

پوچھا جو حال تو آنسو نکل پڑے

کے مطابق آہ وفغاں بھی کر لیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ فغاں کے ساتھ بیان کی جانے والی داستان غم میں آواز بلند ہونے کا کامل امکان ہے، اور قرآن کے حکم کے مطابق اس بارگاہ میں آواز بلند کرنا ممنوع ہے۔ایک بلبل بھی اس دربار ذی احترام کے ادب سے واقف ہے۔ یہاں آواز بلند کرنا اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔لہٰذا ایک بلبل بھی دربار رسالت کا ادب و احترام بجالاتے ہوئے اپنے جذبات پہ کنٹرول کرتی ہے۔دل کی دل ہی میں رکھتے ہوئے خاموش اور ساکت رہتے ہوئے زبان حال سے بقول رضا بریلوی یہ کہتی ہے:

کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی

چپ ہو رہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے

مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ نہ ہوا کو تیز روش روا۔ یعنی ہوا کو بھی یہاں تیز رفتاری سے چلنا جائز و درست نہیں۔ ہوا کب تیز چلتی ہے؟ کیوں چلتی ہے؟ اس کی تیزی کا سبب کیا ہے؟ فضا کب متبدل ہوتی ہے، یہ تمام سوالات علم موسمیات سے تعلق رکھتے ہیں اور اس پر طویل بحث کرنا یہاں ممکن نہیں۔

المختصر! موسم جب طغیانی پر آتا ہے، تب ہوا تیز چلتی ہے اور جب ہوا تیز چلتی ہے تو طوفان کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ حضرت رضا بریلوی ایک عاشق صادق اور باادب گدائے دربار رسالت کی حیثیت سے ہوا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے ہوا! اپنی تیز رفتاری کو قابو میں رکھ، کیوں کہ تیری تیز رفتاری کی وجہ سے جو آواز بلند ہو رہی ہے وہ دربار رسالت کے آداب کے خلاف ہے۔ مصرع ثانی کے آخر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے۔ جب نہر میں کثرت سے پانی کی آمد ہوتی ہے تب نہر چھلکتی ہے۔ یعنی کہ اس نہر کا پانی چھلکتا ہے اور چھلک کر گہرائی کی طرف بشکل دھار گرتا ہے۔ جب پانی کی دھار گرتی ہے تو سطح زمین سے ٹکرانے کی وجہ سے ایک عجیب و غریب آواز پیدا ہوتی ہے اور وہ اتنی شدید بلند ہوتی ہے کہ اس دھار کے قریب کھڑے ہو کر باتیں کرنے والے ایک دوسرے کی آواز نہیں سن سکتے۔ حضرت رضا بریلوی اس چھلکتی نہر کی دھار کو بھی تنبیہ فرما رہے ہیں کہ طغیانی و جولانی سے باز آ، کیوں کہ تیری آواز بھی دربار رسالت کے آداب کے خلاف ہے۔

(116)

آقا سے میرے ستھرے میاں کا ہوا ہے نام
اس اچھے ستھرے سے رہے نام ابوالحسین

حل لغت:

آقا: مالک، خداوند، صاحب، خاوند، شوہر، حاکم، افسر۔

(فیروزاللغات، ص۲۵ ☆ لغات کشوری، ص۵۲ ☆ کریم اللغات، ص۱۴)

ستھرے: یہاں مراد حضرت سید آل برکات ستھرے میاں علیہ الرحمۃ والرضوان۔

نام ہے: شہرت ہے، فی الحقیقت ہے، دراصل یہ ہے، برائے نام ہے۔ (فیروزاللغات، ص۱۳۴۷)

اچھا: بُرا کی ضد یعنی جو برا نہ ہو، بہتر، مناسب، ٹھیک، درست، تندرست، بے روگ، بہت خوب، مبارک، مسعود، نیک، مفید، موافق، افضل، اعلیٰ، اجازت ہے۔

(فیروزاللغات، ص۷۱)

ستھرا: پاک، صاف، پاکیزہ، اُجلا، بے داغ، نفیس، عمدہ، اچھا، ایک قسم کے فقیر جو ڈنڈے بجا کر مانگتے ہیں۔ (فیروزاللغات، ص۷۸۰)

پہلے مصرع میں لفظ ''ستھرے'' سے مراد ''حضرت آل برکات ستھرے میاں مارہروی'' ہیں۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''ستھرے'' کا مطلب ''پاک، صاف'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان عکس مدینہ،

سرزمین مارہرہ مطہرہ کے سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے تین عظیم الشان اولیاء کا ذکر ایک ساتھ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا یعنی خاتم الاکابر حضرت مخدوم سید الشاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دینی خدمات، فضائل وصفات، کشف وکرامات، ولایت اور بزرگی سے ان کے والد ماجد حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہٗ کے ستھرے فرزندار جمند، میرے پیرومرشد، میرے آقائے نعمت، خاتم الاکابر حضرت مخدوم سید شاہ آل رسول مارہروی سے اب حضرت سراج السالکین، نورالعارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام باقی اور روشن رہے گا۔ اس شعر میں لفظ ''ستھرے'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ مصرع اول میں جو لفظ ''ستھرے'' ہے اس سے مراد حضرت سید آل برکات ستھرے میاں قدس سرہٗ کی ذات گرامی ہے اور مصرع ثانی میں جو لفظ ''ستھرے'' ہے، اس کے معنی پاک وصاف، پاکیزہ، عمدہ، بے داغ، اچھا وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ ''ستھرے'' حروف اور اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

شعر کے مصرع اول میں حضرت رضا بریلوی نے ''میرے ستھرے میاں'' کا جملہ فرمایا ہے۔ اس جملہ سے ایک عجیب محبت وعقیدت اور اپنائیت ٹپکتی ہے۔ ہر کسی کو اپنا نہیں کہا جاتا اور نہ ہی سب کو اپنا کہنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ لفظ میرا یا اپنا ضمیر ہے اور جب اس کی اضافت کسی چیز کی طرف ہوجاتی ہے تو ایک رشتہ، نسبت، ملکیت اور قبضہ کے معنی پیدا ہوجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارا گھر، میرا بیٹا، میرا گھوڑا، میرا روپیہ وغیرہ۔ المختصر! کسی شخص یا چیز کے ساتھ میرا یا اپنا کی جب اضافت کی جاتی ہے تب ایک اپنائیت کا رشتہ خود بخود عیاں ہوتا ہے۔ حضرت ستھرے میاں قدس سرہٗ کو حضرت رضا بریلوی ''میرے ستھرے میاں'' کے محبت آمیز جملہ سے یاد فرما کر آپ کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت، قلبی رشتہ اور لگاؤ کا اظہار فرمارہے ہیں۔ خادم اور

مخدوم، آقا و غلام، داتا و منگتا، سائل و مسئول، مالک و رعایا اور مملوک و مولیٰ کی نسبت ظاہر فرمارہے ہیں۔یعنی میرے مخدوم، میرے آقا، میرے داتا، میرے مسئول، میرے مالک اور میرے مولیٰ حضرت ستھرے میاں قدس سرہٗ۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان خاندان برکات کے عظیم بزرگ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تھے اور حضرت رضا بریلوی خاندان عالیہ برکاتیہ کے ہر بزرگ بلکہ ہرفرد پر اپنی جان قربان کرنے میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ مارہرہ مقدسہ سے حضرت رضا بریلوی کو جو عقیدت ومحبت تھی، اس کا ہم اندازہ ہی نہیں کرسکتے۔اس کی تفصیل شعر نمبر 128

میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن
حق یہ میرا ہے احمد نوری

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے حضرت شاہ ستھرے میاں، حضرت سید شاہ آل رسول اور حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک ساتھ تذکرہ فرمایا ہے۔ ان تینوں بزرگوں کا آپس میں رشتۂ نسب کیا تھا؟ اسے ملاحظہ فرمائیں!

حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت ۱۰؍رجب ۱۱۶۳ھ میں ہوئی۔آپ نے تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد زبدۃ الواصلین حضرت سید شاہ حمزہ مارہروی قدس سرہٗ سے حاصل کی اور بیعت طریقت وخلافت بھی اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔علاوہ ازیں منازل سلوک بھی اپنے والد کی خدمت میں رہ کر طے فرمائیں۔آپ اپنے آبائے کرام کے فضل وکمال ظاہری و باطنی کے وارث وحامل تھے۔ بہت بڑے عابد و زاہد تھے۔عہد طفولیت سے ہی حضرت کو مسجد میں نماز ادا کرنے کا اور یاد الٰہی کرنے کا بہت شوق تھا۔ تمام عمر میں بحالت موجودگی مارہرہ صرف تین روز مسجد میں بہ سبب علالت شدیدہ تشریف نہ

لا سکے۔جس کی بے چینی کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

مسجد خانقاہ جو حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کے وقت سے تھی، اس کو صحن میں لے کر دوسری مسجد جامع پختہ عالی شان جو اب بھی بفضلہٖ تعالیٰ خانقاہ سرکار کلاں میں ہے، اس کی تعمیر حضرت نے ہی کرائی ہے اس مسجد کی تاریخ بناء ۱۲۱۷ھ ہے۔

آپ نے عمر دراز پائی۔ ۸۸ (اٹھاسی) سال کی عمر میں ۱۲۵۱ھ بروز شنبہ بتاریخ ۲۶ر رمضان، اول وقت ظہر، بمقام مارہرہ مقدسہ وصال فرمایا۔

آپ تلاوت قرآن مجید کثرت سے فرماتے تھے۔ ہزاروں بار قرآن شریف تلاوت فرمائی۔ آپ روزانہ کم از کم دس پارہ قرآن مجید کے تلاوت فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں اپنے اوقات شبانہ روز کو اپنے اسلاف کرام کے معمولات طاعت اور فیض رسانئ خلائق و درس وارشاد طالبان ومتوسلان سے معمور رکھتے تھے۔فن تکسیر وطب میں آپ کو خاص دستگاہ ومہارت حاصل تھی۔

آپ کے دو عقد یکے بعد دیگرے ہوئے آپ کے کل چار صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔ چاروں صاحبزادوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- سید آل رسول امام جما میاں
- سید شاہ آل رسول
- سید شاہ اولاد رسول
- سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

مذکورہ پانچوں روایات ماخوذ از کتاب خاندان برکات از تاج العلماء، اولاد رسول محمد میاں برکاتی مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان، ص ۲۶ تا ۲۸ ہے۔

حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے پیرومرشد حضرت سید آل رسول قدس سرہٗ کی حالات زندگی کا تذکرہ شعر نمبر 85

دو جہاں میں خادم آل رسول اللہ کر
حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے

کی تشریح میں ہے۔حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں کے منجھلے صاحبزادے تھے۔آپ کی اولاد کرام میں دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔دونوں صاحبزادوں کے اسمائے گرامی: حضرت سید شاہ ظہور حسن اور حضرت سید شاہ ظہور حسین ہیں۔حضرت سید شاہ ظہور حسن کی ولادت ۱۲۲۹ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کی اولاد میں ایک صاحبزادے حضرت سید ابوالحسین کی ولادت ۱۹/شوال ۱۲۵۵ھ میں ہوئی ہے۔مندرجہ تفصیل سے سلسلۂ نسب یوں ہوا (۱) حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں کے صاحبزادے حضرت سید آل رسول (۲) حضرت سید آل رسول کے صاحبزادے حضرت ظہور حسن اور (۳) حضرت ظہور حسن کے صاحبزادے حضرت سید ابوالحسین احمد نوری (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

لہٰذا حضرت سید آل رسول مارہروی کہ جن کو اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے میرے آقا کہا ہے، وہ حضرت آل رسول قدس سرہٗ حضرت ستھرے میاں کے صاحبزادے اور حضرت ابوالحسین احمد نوری کے دادا ہیں۔اس شعر میں حضرت رضا بریلوی عرض کرتے ہیں کہ میرے آقائے نعمت حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی سے ان کے والد حضرت ستھرے میاں کا نام بہت روشن ہوا ہے۔اسی طرح میرے آقائے نعمت کے خاص فیض اور توجہ سے ان کے پوتے حضرت ابوالحسین احمد نوری کا بھی نام بلند ہوگا اور ان کا شہرہ ہوگا۔اور ایسا ہی ہوا۔

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی کے حالات زندگی کا مختصر تذکرہ شعر نمبر 60

خط سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں
کیا صبح نور بار ہے شام ابوالحسین

اور شعر نمبر 122

فیض معروف سے ترا معروف
شہر شہرہ ہے احمد نوری

میں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت واجازت اپنے شیخ طریقت حضرت سید شاہ آل رسول سے تھی، چنانچہ راہ سلوک کی تکمیل کے بعد آپ کو اجازت عام مرحمت فرمائی اور ساتھ میں آپ کو اجازت قرآن شریف، صحاح ستہ، کتب احادیث، مصنفات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حصن حصین، دلائل الخیرات، حزب البحر اور تمام علوم کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (تذکرۂ نوری، ص ۵۷)

گیارہ سال کی عمر شریف میں آپ کے جد اکرم و شیخ طریقت، حضور خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ نے مجاہدات، سلوک، ریاضت، طریقۂ مجاہدات اور خاندانی خاص خاص دعائیں وعملیات باقاعدہ آپ سے ادا کرائے اور آپ کے بچپن کے اوقات کو ایسا منضبط کردیا تھا کہ آخر وقت تک آپ عبادت وریاضت، صوم، خلوت، شب بیداری، تہجد، تلاوت وذکر ووظائف کے پابند رہے۔آپ کی بچپن کی عبادت وریاضت دیکھ کر آپ کی دادی صاحبہ گھبرا جاتیں اور ایسی مشقت بھری ریاضت سے روکنا چاہتیں تو آپ کے جدامجد فرماتے کہ رہنے دو! ان کو عیش وآرام سے کیا کام؟ یہ کچھ اور ہی ہیں اور ان کو کچھ اور ہی ہونا ہے۔ یہ اقطاب سبعہ یعنی سات قطب میں سے ایک قطب ہیں جن کی بشارت حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی اور حضرت شاہ بدیع الدین قطب مدار رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دی ہے اور یہی اس سلسلۂ بشارت کے خاتم ہیں۔ (تذکرۂ نوری، ص ۵۵)

آپ شریعت کی پابندی، اخلاق حسنہ، صبر وثبات قدمی، خلق کی عیوب پوشی، احترام علماء، فقراء وسادات کرام ''اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ''، علم وعمل، فضل وکمال، کرامات و تصرفات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔آپ تصلب فی الدین میں یکتائے زمانہ تھے۔آپ کا

مسلک ومشرب وہی تھا جو تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی اوراعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا تھا۔شیعیت،نجدیت،تفضیلیت ،نیچریت وہابیت، غیر مقلدیت ودیگر عقائد باطلہ کا آپ نے تحریری رد بلیغ فرمایا ہےاوران کے انسداد میں آپ نے حتی الامکان کوشش فرمائی ہے،جس کا ثبوت آپ کی معرکۃ الآراءاورنادر روزگار تصانیف کے مطالعہ سے ہوگا۔

آپ ان ہمہ گیر خصوصیات کے ساتھ ساتھ پاکیزہ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔آپ کے نظم کردہ نعتیہ کلام سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اردو، فارسی اور عربی کے قادر الکلام اور فصیح اللسان شاعر تھے ۔آپ کبھی نوؔر اور کبھی نوریؔ تخلص فرماتے تھے۔آپ کے خلفاء، مریدین،معتقدین اورمتوسلین میں شہرۂ آفاق علماء کرام اورمفتیان عظام شامل تھے اور آپ سے اکتساب فیض علم وعرفان کرتے تھے۔

(117)

جو اذن بارگہ شاہ سے ملے مجھ کو
سناؤں مطلع برجستہ رشک مطلع نور

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۳۴)

حل لغت:

اذن: حکم، اجازت، پروانگی، آگیا۔

(فیروز اللغات، ص ۸۰ ☆ لغات کشوری، ص ۲۴ ☆ کریم اللغات، ص ۷)

بارگہ: بارگاہ، کچہری کی جگہ، بادشاہ کا محل، کسی بزرگ کا مکان، بادشاہی خیمہ۔

(لغات کشوری، ص ۷۸)

شاہ: آقا، مالک، بادشاہ، سلطان، فقیروں کا لقب، نوشہ، دولھا، بڑا، عظیم، سیدوں کے نام کا مخصوص لفظ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۳۵)

مطلع: طلوع ہونے کی جگہ، مشرق، پورب، فضا، غزل یا قصیدہ کے شروع کا شعر، جس کے دونوں مصرعوں میں قافیے ہوتے ہیں۔ جگہ نکلنے کی کسی ستارے کے۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۵۹ ☆ لغات کشوری، ص ۴۱۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۵۸)

برجستہ: ٹھیک، چست، تحفہ۔ (لغات کشوری، ص ۹۱ ☆ کریم اللغات، ص ۲۳)

رشک: حسد، جلن، رقابت، یہ آرزو کہ جو چیز دوسروں کو حاصل ہے مجھے بھی مل جائے، کسی کو اچھا دیکھ کر اپنے لئے بھی ویسا بننے کی خواہش کرنا۔

(فیروز اللغات، ص ۷۱۱ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۵ ☆ کریم اللغات، ص ۷۹)

نور: روشنی، تجلی، اجالا، چمک، رونق، روپ، کلام پاک کی ایک سورت کا نام، صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کا ایک صفاتی نام، فارسی زبان میں کبھی مراد چاند سے بھی۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۸۵ ☆ لغات کشوری، ص ۷۰۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۷)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''مطلع'' کا مطلب ''غزل کا پہلا شعر'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''مطلع'' کا مطلب ''طلوع ہونے کی جگہ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان یہ تمنا ظاہر فرمارہے ہیں کہ کاش! بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مجھے حکم ملے کہ اے احمد رضا! اپنے اشعار جو ہماری مدح وثنا اور ہمارے دشمنوں کی مذمت وہجو میں ہیں سناؤ۔ یہ حکم پاتے ہی مجھ میں وہ جوش اور ولولہ پیدا ہوگا کہ جب میں نعت کا پہلا شعر یعنی مطلع تحفۃً سناؤں گا تو اس کے سبب ایسا نور پھیلے گا کہ اس نور پر مطلع نور، نور کے طلوع ہونے کی جگہ یا آفتاب کے طلوع ہونے کی جگہ یعنی افق مشرق بھی رشک کرے اور یہ تمنا کرے کہ کاش نعت شریف کے مطلع کی وجہ سے جو نور پھیلا ہے ایسا نور مجھے بھی حاصل ہو جائے۔ یہ ہوئے شعر کے لغوی اور ظاہری معنی۔ اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے لفظ ''مطلع'' دومرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ دونوں لفظ مطلع اسم ہیں اور حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن باعتبار معنی اور مطلب الگ الگ ہیں۔ لہٰذا یہ شعر صنعت تجنیس کامل کا مماثل ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی حیات میں اپنے کریم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ہزاروں اشعار کہے ہیں اور ان اشعار میں عشق رسول کے وہ انوکھے گوہر بکھیرے ہیں کہ عالم اسلام اس گوہر سے درخشاں ہوگیا ہے اور اہل علم وعرفان اور صاحب عشق ومحبت نے یک زبان ہوکر حضرت رضا بریلوی کو حسان الہند کے لقب سے نوازا ہے۔ حضرت رضا بریلوی شعر کہتے نہیں تھے بلکہ دل میں جب عشق رسول کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جوش اور طغیانی پہ ہوتا تو وہ جذبۂ عشق کا ولولہ نوک قلم سے بہہ کر سطح قرطاس پر بیش بہا موتیوں کی لڑی کی شکل میں پھیل جاتا اور نعت رسول کی صورت اختیار کر جاتا۔ نعتیہ شاعری میں

حضرت رضا بریلوی کے یہاں صرف آمد تھی، آورد کا رنگ بالکل نہ تھا۔

لیکن اس شعر میں حضرت رضا بریلوی ایک انوکھی تمنا اور خواہش کا اظہار کر رہے ہیں کہ ان کے در کے ادنیٰ سگ ہونے کے ناطے ان کی مدح وثنا میں ہمیشہ مصروف رہنا ایمانی فریضہ ہے اور اس کو کما حقہ ادا کرنے کی سعی بلیغ کرتا رہتا ہوں۔ لیکن اگر آقا و مولیٰ کے دربار عالی سے اس غلام کو صراحتاً نعت گوئی کا حکم ملے تو لطف دو چند ہو جائے۔ یہ تمنا حضرت رضا بریلوی ان متعدد احادیث کے پیش نظر کر رہے ہیں جن میں ایسے واقعات کا ذکر ہے کہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار نعت گو شعرائے کرام کو نعت گوئی اور نعت خوانی کا حکم فرمایا اور ان عشاق شعراء نے اپنے آقا کا حکم پاتے ہی مچل مچل کر نعتیں لکھیں اور پڑھیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے سماعت فرما کر خوش ہوئے اور پڑھنے والوں کو انعام واکرام سے نوازا۔

طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت عبید اللہ بن دماحش القیشی سے اور انھوں نے زیاد بن طارق بکوی سے اور انھوں نے حضرت زہیر بن صرد جشمی سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روز حنین فتح یاب ہو کر زنان وصبیان قبیلہ بنی ہوازن کو قیدی بنا کر ان کے مال، غلام اور کنیزوں کو مجاہدین اسلام میں تقسیم فرما دیئے۔ اس کے بعد سرداران قبیلہ اپنے اہل و عیال واموال حضور سے واپس مانگنے کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت زہیر بن صرد جشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح عرض کی کہ:

اُمْنُنْ عَلَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فِیْ کَرَمٍ ۔۔۔ فَاِنَّکَ الْمَرْءُ نَرْجُوْہُ وَنَدَّخِرُ

اُمْنُنْ عَلٰی بِیْضَۃٍ قَدْ عَامَھَا قَدْرٌ ۔۔۔ مُشِّتَتٌ شَمْلُھَا فِیْ دَھْرِھَا غَیْرُ

اَبْقَتْ لَنَا الدَّھْرُ ھَنَا نًا عَلٰی حُزْنٍ ۔۔۔ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ الْغَمَاءُ وَالْغَمْرُ

اِنْ لَمْ تُدَارِکُھُمْ نِعْمَاءُ تَنْشُرُھَا ۔۔۔ یَا اَرْبَحَ النَّاسِ حِلْمًا حِیْنَ یُخْتَبَرُ

ترجمہ: یارسول اللہ! ہم پر احسان فرمایئے اپنے کرم سے، حضور ہی وہ مرد کامل وجامع

ومحاسن شمائل ہیں جن سے ہم امید کریں اور جسے وقت مصیبت ذخیرہ بنائیں۔ احسان فرمائیے اس خاندان پر کہ تقدیر جس کے آڑے آئی، اس کی جماعت تتر بتر ہوگئی۔ اس کے وقت کی حالتیں بدل گئیں۔ یہ بدحالیاں ہمیشہ ہم میں غم کے وہ مرثیہ خواں باقی رکھیں گی جن کے دلوں پر رنج وغیظ مستولی (غلبہ پانے والا) ہوگا۔ اگر حضور کی نعتیں جنھیں حضور نے عام فرمادیا ہے ان کی مدد کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ اے! آزمائش کے وقت تمام جہاں سے زیادہ عقل والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ اشعار سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَاکَانَ لِی وَلِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَھُوَ لَکُمْ'' یعنی جو کچھ میرے اور عبدالمطلب کی اولاد کے حصے میں آیا وہ میں نے تمھیں بخش دیا۔ حضور کی اس کرم نوازی اور سخاوت کو دیکھ کر قریش وانصار نے عرض کی کہ ہمارا جو کچھ بھی ہے وہ اللہ ورسول کا ہے۔ یعنی ہمارا حصہ بھی ان کو عطا فرمادیں۔ قارئین غور فرمائیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان عالی کی تعریف وتوصیف میں اشعار کہنے والے کو سرکار نے اور سرکار کے صحابہ نے اپنا حصہ عطا فرما کر انعام واکرام سے نوازا۔

حضور اقدس کے چچا اور حضرت علی کے والد ابوطالب نے حضور کی نعت میں کچھ اشعار کہے تھے۔ ابوطالب کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو ہمیں ان کے اشعار سنائے؟ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! شاید حضور یہ اشعار سننا چاہتے ہیں جو ابوطالب نے نعت اقدس میں عرض کئے تھے۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہٖ

ثَمَالُ الْیَتَامٰی وَعِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

تَلُوْذُ بِہِ الھَلَاکُ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ

فَھُمْ عِنْدَہٗ فِی نَعْمَۃٍ وَ فَوَاضِلُ

ترجمہ: وہ گورے رنگ والے کہ ان کے چہرے کے صدقے میں بادل سے پانی مانگا

جاتا ہے۔یتیموں کے لئے جائے پناہ اور بیواؤں کے نگہبان۔ بنی ہاشم (جیسے غیور لوگ) تباہی کے وقت ان کے پناہ میں آتے ہیں۔ان کے پاس ان کے نعمت وفضل میں بسر کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پاک سے یہ اشعار سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''أَجَلْ ذَالِكَ اَرَدْتُ ''یعنی ہاں یہی نظم ہمیں مقصود تھی اس حدیث کو بیہقی نے سند حسن کے ساتھ دلائل میں اور امام عسقلانی اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی ہے۔

حضرت اسود بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں اس طرح عرض کی:

اَنْتَ الرَّسُوْلُ الَّذِیْ تُرْجٰی فَوَاضِلُهٗ
عِنْدَ الْقُحُوْطِ اِذَا مَا اَخْطَأَ الْمَطَرُ

ترجمہ: آپ وہ رسول ہیں کہ حضور کے فضل کی امید کی جاتی ہے قحط کے وقت جب مینھ خطا کرے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسجد نبوی شریف میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر رکھواتے تاکہ اس پر کھڑے ہوکر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت بیان کریں اور دشمنان رسول کی ہجو اور مذمت کریں۔جب حضرت حسان مسجد نبوی شریف میں منبر پر کھڑے ہوکر اپنے اشعار سناتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے بہت خوش ہوتے اور فرماتے:

''اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَادَامَ یُنَافِحُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰه''

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ حسان کی روح القدس سے تائید کراتا ہے،جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کی ہجو کرتے ہیں۔(مدارج النبوۃ،اردو ترجمہ،جلد۲،ص۱۰۱۱)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے شعر کے مصرع ثانی میں ''سناؤں مطلع برجستہ'' ارشاد فرمایا ہے۔اس جملہ میں لفظ برجستہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت پر عمل کرنے کے لئے لکھا ہے،کیوں کہ حضرت حسان بن ثابت کی ایک اعلیٰ خوبی یہ تھی کہ اگر کوئی گستاخ رسول یا دشمن

اسلام کی طرف سے کسی قسم کی بکواس سننے میں آتی تو آپ برجستہ اس کی تردید، مذمت اور ہجو میں اشعار قلم بند فرما دیتے تھے اور ایسا دنداں شکن جواب مرحمت فرماتے تھے کہ مخالفین ساکت ومبہوت ہوجاتے تھے۔ حضرت رضا بریلوی رضی اللہ عنہ نے نعت گوئی کے میدان میں حضرت حسان کا ہی نقش قدم اختیار فرمایا تھا۔ ایک مقام پر اس کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت رضا فرماتے ہیں:

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو ☆ نقش قدم حضرت حسان بس ہے

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضرت حسان بن ثابت اور بارگاہ رسالت کے دیگر شعرائے کرام مثلاً:

- حضرت عامر بن اکوع
- حضرت زبیر بن صرد جشمی
- حضرت کعب بن مالک
- حضرت عبداللہ بن رواحہ
- حضرت ابوسفیان بن حارث
- حضرت عباس بن مرداس سلمی
- حضرت عدی بن حاتم
- حضرت حمید بن نور الہلال
- حضرت ابوالطفیل بن عامر بن واثلہ لیثی کتانی
- حضرت ایمن بن حزیمہ اسدی
- حضرت اعشی بن مازن بن عمرو بن تمیم
- حضرت ابوعبداللہ اسود
- حضرت لبید بن ربیعہ عامری

حضرت نابغہ جعدی وغیرہم کے نقش قدم پر چل کر اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا کرنے کے ساتھ ساتھ بارگاہ رسالت کے گستاخوں کو خوب لتاڑا ہے۔ جس کی تفصیل شعر نمبر 10

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

(118)

تیری **رافت** حفظ ہر آفت سے ہو
ان سے جو کچھ کام ہو **رافت** سے ہو

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۸۳)

حل لغت:

رافت: مہربانی، رحمت کی شدت۔

(فیروز اللغات، ص ۶۹۸ ☆ لغات کشوری، ص ۳۱۶ ☆ کریم اللغات، ص ۷۷)

حفظ: ازبر، زبانی یاد، پاس، ادب، لحاظ، حفاظت، یاد کرنا، یاد رکھنا۔

(فیروز اللغات، ص ۵۷۱ ☆ کریم اللغات، ص ۲۳۷)

آفت: دکھ، مصیبت، بلا، فتنہ، ظلم، ستم، مشکل، غضب الٰہی، وبا، قحط، ناانصافی، زبردستی، ناگوار طبع، شور، غوغا، عتاب، غصہ، شوخ، چالاک، عیار، فتنہ انگیز۔

(فیروز اللغات، ص ۲۳ ☆ لغات کشوری، ص ۴۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''رافت'' کا مطلب ''مہربانی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''رافت'' کا مطلب ''رحمت کی شدت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ شعر بھی اس منقبت کا ہے جو حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور پرنور سیدنا سرکار غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ''سراپائے نورانی شاہ جیلانی محبوب ربانی'' (۱۳۲۲ھ) کے تاریخی نام سے نظم فرمائی ہے۔ لیکن یہ شعر اس منقبت کے اختتام میں زیر عنوان ''دعاء'' کا ہے۔ اس عنوان کے تحت حضرت رضا بریلوی نے سرکار غوث اعظم کے

وسیلہ سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔اس عنوان کے تحت کل ۱۱ر اشعار ہیں۔جن میں سے ساڑھے نو اشعار اردو میں اور ڈیڑھ شعر عربی میں ہے۔یعنی پانچویں شعر کا مصرع ثانی اور گیارہواں شعر عربی زبان میں ہے اور بقیہ اشعار اردو زبان میں ہیں۔اس دعا کا پہلا شعر حسب ذیل ہے۔

یا الٰہی اس سراپا کے لئے قادریوں پر تیری رحمت رہے

دوسرا شعر یہ ہے:

تیری رافت حفظ ہر آفت سے ہو ان سے جو کچھ کام ہو رافت سے ہو

دونوں اشعار کا مشترکہ ترجمہ یہ ہوا کہ اے پروردگار عالم! تیرے محبوب اور مقبول بندے پیران پیر حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سراپا یعنی ان کے جسم اطہر کے صدقہ اور طفیل میں قادریوں پر ہمیشہ تیری رحمت رہے اور تیری رحمت قادریوں پر آنے والی آفت میں رافت (مہربانی) کرے اور تیری مہربانی اتنی زیادہ ہو کہ قادریوں سے جو کچھ بھی کام صادر ہوں وہ تمام کام تیری رافت و رحمت سے جائز اور مستحسن ہوں۔اس شعر میں لفظ ''رافت'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، پہلی مرتبہ مصرع اول میں جو لفظ رافت ہے اس کا مطلب مہربانی ہے اور مصرع ثانی میں جو لفظ رافت ہے اس کا مطلب رحمت کی شدت ہے۔دونوں لفظ رافت حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے حضور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وجود کے وسیلے سے بارگاہ خداوندی میں دعا کی ہے۔آپ کے وجود میں سے ایک عضو کی زینت یعنی آنکھ کے ابرو (بھووں) کا ذکر شعر نمبر 110 اور 124 کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بارگاہ خداوندی میں بڑا رتبہ ہے۔آپ کا لقب ہی محبوب سبحانی ہے۔حضرت رضا بریلوی نے اپنے شعر میں قادریوں یعنی سیدنا غوث

اعظم کے سلسلہ کے مریدوں اورآپ سے محبت رکھنے والوں پر رحمت کی شدت کی جو دعا کی ہے اس کے تعلق سے مستند واقعات پیش خدمت ہیں۔

حضرت سید عمر بزار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے خلوت میں حاضر تھا۔ حضور نے اپنا دست اقدس میرے سینے پر مارا کہ فوراً ایک نور قرص آفتاب (یعنی سورج کی ٹکیہ) کے برابر میرے دل میں چمک اٹھا اور اسی وقت سے میں نے حق کو پایا اور آج تک وہ نور ترقی کر رہا ہے۔

(برکات قادریت، از: مداح رسول حضرت جمیل الرحمٰن قادری، ص ۶۸)

سیدی عدی بن مسافر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مشائخ میں سے کسی کا مرید مجھ سے خرقہ طلب کرے تو میں اسے فوراً خرقہ دے دوں، مگر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے مریدوں کو میں خرقہ نہیں پہنا سکتا کیوں کہ وہ سب کے سب رحمت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بھلا دریا کو چھوڑ کر نہر کے پاس کیوں آئیں گے۔ (برکات قادریت، ص ۹۶)

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو مسلمان تمھارے مدرسہ کے دروازے سے گزرے گا میں اس کے عذاب میں تخفیف فرماؤں گا۔ (برکات قادریت، ص ۱۰۱)

ایک روز اہل بغداد میں سے ایک شخص حضور پر نور غوث اعظم کی خدمت میں حاضر آیا اور عرض کی کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ آج صبح میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ میں عذاب میں مبتلا ہوں۔ تو حضور غوث اعظم کی خدمت میں جا اور میری حالت عرض کر۔ حضور غوث پاک نے فرمایا، کیا تمھارے والد کبھی ہمارے مدرسہ کے دروازے سے گزرے ہیں؟۔ اس نے عرض کیا، ہاں! حضور خاموش ہوگئے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ دوسرے دن میں نے پھر اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ سبز لباس پہنے ہوئے نہایت خوش ہیں اور مجھ

سے فرماتے ہیں اے فرزند! تم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت سے کبھی جدا نہ ہونا۔ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو انھیں کا صدقہ ہے۔ (برکات قادریت، ص۱۰۱)

ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ فلاں قبرستان میں ایک شخص دفن کیا گیا ہے جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ اس کی قبر سے چیخنے کی آواز آتی ہے۔ شاید عذاب میں مبتلا ہے۔ حضور غوث اعظم نے ارشاد فرمایا کیا وہ ہم سے بیعت ہے؟ عرض کی معلوم نہیں۔ پھر فرمایا کیا کبھی ہمارے گھر کا کھانا اس نے کھایا ہے؟ عرض کی یہ بھی معلوم نہیں۔ حضرت غوث پاک نے مراقبہ فرمایا۔ پھر سر اقدس اٹھایا۔ ہیبت وجلال روئے انور سے ظاہر تھا۔ ارشاد فرمایا کہ فرشتے ہم سے یہ کہتے ہیں کہ ایک بار اس نے ہم کو دیکھا تھا اور دل میں نیک گمان لایا تھا۔ اس وجہ سے بخش دیا گیا۔ پھر لوگوں نے اس کی قبر پر جا کر دیکھا تو فریاد اور بکا کی آواز بالکل نہ تھی۔ (ایضاً)

حضرت شیخ حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے عبدالقادر! میرے بارہ ہزار مرید ہیں اور ہر رات میں اپنے مریدوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔ کہ الٰہی! جو کوئی میرا مرید گناہ کا ارادہ کرے تو اس کے لئے موت بھیج دے کہ وہ گناہ نہ کر سکے۔ حضور غوث اعظم نے فرمایا کہ میں قیامت تک اپنے سلسلے والوں کے لئے رب تبارک وتعالیٰ سے یہ عہد لوں گا کہ ان میں سے کوئی بھی توبہ کئے بغیر نہ مرے، اور میں ان کا ضامن ہوں۔ شیخ حماد قدس سرہٗ نے اس کلام کی تائید کر کے کہا کہ اے عبدالقادر! بے شک تم کو یہی مرتبہ عطا ہوگا اور تمہارا سایہ ہمیشہ تمھارے سلسلہ والوں پر دراز رہے گا۔ (برکات قادریت، ص۱۰۲)

(119)

عین حق کا بنا محبّ رسول
عین حق کا بنا محبّ رسول
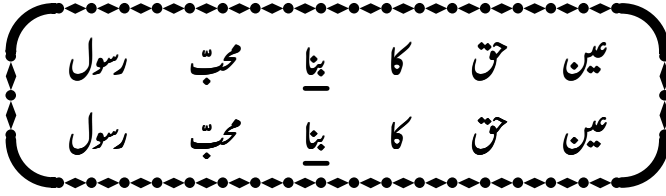
(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۴۰)

حل لغت:

عین: آنکھ، چشم، پانی کا چشمہ، حقیقت، جوہر، حقیقی بھائی، سگا بھائی، ٹھیک، ہو بہو، درست، آفتاب کا چشمہ، اشرفی، زر سرخ، مال، مینھ، باراں، وہ ابر جو قبلہ کی طرف سے اٹھے، مہتر، سردار، ہر چیز عمدہ، ہر شئے کی ذات، ایک آدمی، شخص، نفس، اہل خانہ، قوم، جاسوس، پانی جاری ہونے کی جگہ، نظر کرنا، دیدار، اہل شہر کسی چیز کو نظر لگانا، پیشوا، انگور، زانو، گھٹا، حرف، مشہور۔

(فیروز اللغات، ص ۹۰۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۸ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۲)

حق: سچ، صدق، لائق، واجب، درست، بجا، ٹھیک، ثابت، قائم، فرض، ذمہ داری، جائز، مباح، انصاف، صلہ، بدلہ، معاوضہ، مزدوری، انعام، نیگ، عدل، واقعہ کی اصلیت، منصب، اختیار، ملکیت، راست، درست، سزاوار، لائق، وعدہ پورا کرنا، بات سچ بولنا، خدا کا ایک صفاتی نام۔ (فیروز اللغات، ص ۵۷۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۳۷)

بنا: دولھا، نوشہ، پیارا، لاڈلا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۱۶)

بنا: بن جانا، ہو جانا، بننا۔ (فیروز اللغات، ص ۲۱۶)

محبّ رسول: تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر صاحب بدایونی کا لقب۔

پہلے مصرع میں لفظ ''عین'' کا مطلب ''چشمہ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''عین'' کا مطلب ''قوم'' ہے۔

پہلے مصرع میں لفظ ''بنا'' کا مطلب ''بنا ہوا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''بنا'' کا مطلب ''نوشہ، دولھا'' ہے۔

پہلے مصرع میں لفظ ''حق'' سے مراد ''اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''حق'' کا مطلب ''سچ، صداقت'' ہے۔

پہلے مصرع میں لفظ ''محبّ رسول'' کا مطلب ''رسول کا چاہنے والا یا عاشق'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''محبّ رسول'' سے مراد ''مولانا عبدالقادر بدایونی'' ہیں۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے ہم عصر، ہم خیال، ہم مشرب، ہم قدم، ہم عنوان، ہم نوالہ، ہم پیالہ، ہم دم، ہم راہ، ہم سخن، ہم رنگ اور ہم دست، افضل العلماء، اکمل الکملاء، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، تاج الفحول، محبّ رسول، حضرت مولانا، مولوی، حافظ، حاجی عبدالقادر صاحب قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تعریف وتوصیف بیان فرمارہے ہیں۔ یہ شعر اس قصیدۂ مدحیہ کا ہے جو حضرت رضا بریلوی نے چراغ انس کے عنوان سے حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی محبّ رسول کی منقبت میں لکھا ہے۔ یہ قصیدہ کل ۱۰۴/اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کا یہ چوتھا شعر ہے۔ اس چھوٹی بحر کے شعر میں کل چار تجنیسات ہیں، بلکہ یوں کہو کہ صرف حرف ''کا'' کو چھوڑ کر شعر کے دونوں مصرعے تجنیس ہی ہیں۔ اردو ادب کی دنیا کے نامور ادباء وشعراء حضرت رضا بریلوی کے اس کمال فن کو دیکھ کر عش عش پکار اٹھیں گے۔ آج تک کوئی ایک بھی شاعر پیدا نہیں ہوا جو اردو شاعری میں اتنی چھوٹی سی

بحر کے شعر میں ایک ساتھ چار تجنیسات کا استعمال کیا ہو۔ایک خوبی کی بات تو یہ ہے کہ اس شعر کے دونوں مصرعے مساوی ہیں۔دونوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں۔سرسری نظر سے دیکھنے پر تو یہ محسوس ہوگا مصرع اول کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصرع اول کے الفاظ مصرع ثانی میں مکرر ضرور آئے ہیں،لیکن مصرع اول اور مصرع ثانی کے معنی میں بہت بڑا فرق ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ عین حق کا بنا محبّ رسول، دوسرا مصرع بھی وہی ہے۔اب ان دونوں مصرعوں میں لفظ عین حق ، بنا اور محبّ رسول الگ الگ معنی میں ہیں۔پہلے مصرع میں جو لفظ عین ہے وہ چشمہ کے معنی میں اور دوسرے مصرع میں قوم کے معنی میں ہے۔پہلے مصرع میں جو لفظ حق ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام مراد لیا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں سچائی کے معنی میں ہے۔پہلے مصرع میں جو لفظ بنا ہے وہ بن جانا، بننا اور ہو جانا کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں نوشہ یا دولھا کے معنی میں ہے۔پہلے مصرع میں محبّ رسول کو عاشق رسول یا رسول کا چاہنے والا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کے لقب کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔اب شعر کے معنی یہ ہوں گے:

ہر دور میں رسول کا چاہنے والا خدا کی راہ ہدایت کا چشمہ بنتا ہے اور آپ تاج الفحول بدایونی ہونے کی وجہ سے اپنے دور کی سچائی والی قوم کے دولھا ہو۔حضرت تاج الفحول محبّ رسول، مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہٗ کا شمار اجلہ اکابر علمائے اہل سنت میں ہوتا ہے۔ آپ اہل سنت و جماعت کے مقتدا اور نامور رہبر ہیں۔منافقین، مرتدین اور بدمذہبوں کے لئے آپ شمشیر برہنہ تھے۔امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، عظیم المرتبت شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کی ہر تحریک میں آپ شامل رہے اور جند حق کے سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی

خدمات پیش کرتے رہے۔خصوصاً دارالندوۃ سے جب اعلیٰ حضرت علیٰحدگی اختیار کر کے علی الاعلان ندوہ کی مخالفت اور رد میں سرگرم ہوئے تب مولانا عبدالقادر بدایونی اعلیٰ حضرت کے دوش بدوش ہوکر ''اِعْلَاءِ کَلِمَۃِ الْحَقِّ ''میں بلاخوف لومۃ لائم منہمک ہوئے،اور باطلوں کے قلعے منہدم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ جید عالم، صاحب تصانیف کثیرہ اور استاذ العلماء ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلۂ قادریہ کے باوقار مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔آپ کے مشورے اور ترغیب دلانے سے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مارہرہ مطہرہ حاضر ہوکر خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔مولانا عبدالقادر کے وسیلہ سے حضرت رضا بریلوی کو ایسے عظیم اور کامل پیر کا دامن ملا ہے اور یہ بہت بڑا احسان ہے۔یہ خیال کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی مولانا بدایونی کی غایت درجہ تعظیم وتکریم کرتے تھے۔مزید تفصیل کے لئے شعر نمبر 112

تو کلام خدا کا حافظ ہے

کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

(120)

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل
کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

حل لغت:

باغ: گلزار، پھلواڑی، چمن، جہاں بہت سے درخت لگائے جائیں، مجازاً آل واولاد، بال بچے، نعمت۔ (فیروز اللغات، ص۱۶۹☆لغات کشوری، ص۸۱)

شکر: احسان ماننا، سپاس، احسان، دینے والے کی تعریف کرنا۔

(فیروز اللغات، ص۸۴۵☆لغات کشوری، ص۴۲۵)

وصل: ملاقات، معشوق سے ملنا، ہجر کی ضد۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۱۰☆لغات کشوری، ص۸۰۵)

ہجر: جدائی، مفارقت، علیٰحدگی، بیمار کا ہذیان بکنا، نیم روز یعنی دوپہر کا وقت، ہذیان۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۳۵☆لغات کشوری، ص۸۱۲☆کریم اللغات، ص۱۹۵)

ہائے ہائے: آہ آہ، واویلا، آہ وزاری، پکار، مانگ، طلب، آواز رونے کی، ماتم کی آواز۔

(فیروز اللغات، ص۱۴۳۰☆لغات کشوری، ص۸۱۱☆کریم اللغات، ص۱۹۵)

ذکر: تذکرہ، چرچا، بیان، زبان اور دل سے خدا کی یاد، تعریف، شہرت، یاد کرنا دل اور زبان سے کسی کو، خدا کا شکر ادا کرنا، دعا، نماز۔

(فیروز اللغات، ص۶۹۰☆لغات کشوری، ص۳۱۱)

خیر: نیکی، بھلائی، اچھائی، برکت، سلامتی، تندرستی، عافیت، ٹھیک، بجا، درست۔

(فیروز اللغات، ص۶۰۳☆لغات کشوری، ص۲۷۵☆کریم اللغات، ص۶۸)

یوں: اس طرح، ایسا، بایں طور، اس طرز سے، اس ڈھنگ سے۔ (فیروز اللغات، ص۱۴۷۱)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''یوں'' کا مطلب ''اس طرح'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''یوں'' کا مطلب ''بایں طور'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک عاشق کی کیفیت دل بیان فرمارہے ہیں کہ جو عاشق ہوتا ہے وہ وصال محبوب کے وقت کیسا محسوس کرتا ہے اور ہجر وفراق میں اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔اس کیفیت کو سمجھانے کے لئے آپ نے گل وبلبل کی مثال دی ہے کہ جب بلبل باغ میں ہوتا ہے اور اس کو گل کا وصال وقرب حاصل ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے محبوب کی وصل کی نعمت پر شکر خدا ادا کرتا ہے،لیکن جب وہ اپنے محبوب سے بچھڑ کر دور ہوجاتا ہے اور فراق وہجر میں تڑپتا ہے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمہ وقت اپنے محبوب کے خیال اور تصور میں محو ہوتا ہے،اور اس کی یاد میں بے چین وبے قرار ہوکر اس کا ذکر کرتا ہے اور آہ وزاری کرتا ہے،اس کے حلق سے ہمیشہ ہائے گل! ہائے گل! کی ہی آواز نکلتی ہے،اور وہ یاد محبوب میں ماتم کناں رہتا ہے۔ٹھیک یہی حالت ایک عاشق رسول کی ہوتی ہے کہ جب اسے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار کی حضوری حاصل ہوتی ہے اور وہ محبوب کے قرب ووصل سے بہرہ مند ہوتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے کائنات کی نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی ہے اور اس نعمت کے حصول پر وہ اپنے پروردگار کا شکر بجالاتا ہے۔لیکن جب وہ اپنے محبوب آقا سے بچھڑتا ہے اور دیدار جمال مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محروم ہوتا ہے تو وہ ماہئ بے آب کی طرح تڑپتا ہے،اپنے محبوب آقا کے فراق میں واویلا کرتا ہے اور صدائے آہ وفغاں بلند کرتا ہے۔اپنے مضطرب وناشاد دل کو شادوخوش کرنے کے لئے ذکر محبوب کرتا ہے۔قلب حزیں کے قرار وسکون کے لئے یاد محبوب میں غرق رہتا ہے۔اس

کے جسم کے ہر رونگٹے سے ہجر محبوب کے دل سوز نغمات نکلتے ہیں۔ فراق محبوب کی نا قابل برداشت حالت کو ضبط کرنے اور اپنے دل کا دھواں نکالنے کے لئے ہائے محبوب! یا نبی! یا رسول اللہ! کی صدائیں بلند کرتا رہتا ہے، اور اس طرح اپنے محبوب کا ذکر کر کے چین وسکون حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی کیفیت کا ذکر کر کے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ چاہے وصل وقرب کی حالت ہو، چاہے فراق وہجر کی کیفیت ہو۔ ایک عاشق ہر وقت اپنے محبوب آقا کی یاد و ذکر میں گم رہتا ہے۔ وصل کی حالت میں شکر اور شادمانی سے اور ہجر میں غم واضطراب کے ساتھ۔ اور یہی اس کا حاصل مقصد اور زندگی ہے کہ وہ اپنے آقا کا ذکر کرتا رہے۔ وہ ذکر فراق کی کیفیت میں ہو یا وصال کی حالت میں کسی بھی طریقے پر ہو مگر ضرور ہو۔

اس شعر میں حضرت رضا نے لفظ ''یوں'' کا استعمال دو مرتبہ فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ یوں ہے وہ اس طرح کے معنی میں ہے اور دوسری مرتبہ جو لفظ یوں ہے وہ بایں طور کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ یوں حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اپنے محبوب آقا کے وصل اور فراق میں کیا کیفیت محسوس کرتے تھے وہ ملاحظہ ہو۔

شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں منھ میں سنگ ریزہ رکھ کر بیٹھا کرتے تھے تا کہ سانس نہ گھٹے اور بات نہ کر سکیں۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال پر محبت کی لڑی پرو کر نظر جمائے رکھتے تھے۔

(مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۱۱۰)

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے کہا کہ

یارسول اللہ! آپ میرے نزدیک میرے اہل و مال اوراولاد و جان سے زیادہ محبوب ہیں، جب آپ کی یاد مجھے ستاتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک کہ حاضر ہوکر آپ کے جمال مبارک کو نہ دیکھ لوں۔ (مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۵۲۰)

ایک اور حدیث میں ہے کہ بارگاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایک شخص بیٹھا ہوا جمال مبارک پر نظر جمائے دیکھ رہا تھا۔ وہ ادھر اُدھر نظریں اٹھاتا ہی نہ تھا۔ حضور نے فرمایا۔ تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یارسول اللہ! میں آپ کے جمال مبارک سے بہرہ مند ہورہا ہوں اور آپ کے دیدار سے لذت ذوق حاصل کررہا ہوں۔

(مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۵۲۰)

حضرت شیخ ابو العباس مرسی سے مروی ہے کہ کہا اگر مجھ سے ایک لحظہ کے لئے جمال جہاں آرا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوشیدہ ہوجائے تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۱، ص ۲۴۵)

یہ تو انسانوں کی بات ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کے علاوہ حیوانات، نباتات اور جمادات بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجر و فراق میں غمگین اور بے چین رہتے تھے اور رہتے ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ وہ دراز گوش جس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسا اوقات سوار ہوا کرتے تھے۔ (جس کا نام یعفور تھا) اس کو حضور کے پردہ فرمانے کے بعد مفارقت کا اتنا رنج و ملال پہنچا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک کنویں میں ڈال دیا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی نے جدائی کے غم میں کھانا، پینا چھوڑ دیا اور اسی طرح اس نے جان دے دی۔ (مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۵۵۷)

آیئے! اب آپ کو ایک واقعہ ایسا سناتا ہوں کہ آپ حیران ہوجائیں گے۔ کھجور کا تنا کہ

جس میں روح نہیں اور اس کا شمار جمادات میں ہوتا ہے وہ بھی فراق محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پھوٹ پھوٹ کر رویا ہے۔اور اس کا واقعہ تمام کتب احادیث میں مروی ہے۔

بخاری نے حضرت جابر سے، دارمی نے بطریق عبداللہ بن بریدہ، طبرانی نے اوسط میں، ابونعیم نے بطریق عبداللہ بن بریدہ، بغوی، ابونعیم اور ابن عسا کر نے ابی بن کعب سے، ابن ابی شیبہ، دارمی اور ابونعیم نے ابوسعید خدری سے، امام احمد، ابن سعد، دارمی، ابن ماجہ، ابونعیم اور بیہقی اور ابونعیم نے حضرت انس سے، ابن سعد، ابن راہویہ اور بیہقی نے سہیل بن سعد، ابن ماجہ، ابن سعد، ابویعلی، ابونعیم اور بیہقی نے حضرت ابی بن کعب سے یہ واقعہ روایت کیا ہے، جو مندرجہ ذیل ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد شریف کھجوروں کے تنوں پر مسقّف تھی، منبر شریف کی تعمیر سے پہلے اس کے تنے سے ٹیک لگا کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب منبر شریف بنایا گیا تو اسے علیٰحدہ کر دیا گیا۔اس کے بعد اس تنے سے رونے کی آواز سنی گئی، جیسے کوئی اونٹنی روتی ہے جس کا بچہ اس سے جدا کر دیا گیا ہو۔حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ اس کے رونے کی آواز سے ساری مسجد ہلنے اور کانپنے لگی اور اس کی بے قراری اور بے چینی کو دیکھ کر لوگوں کی بھی چیخیں نکل گئیں۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر شریف سے اترے اور سے چمٹا لیا اور اپنا دست اقدس اس پر رکھ کر اس کو تسلی دی تو وہ خاموش ہو گیا اور فرمایا کہ اگر میں اسے نہ چمٹاتا تو وہ قیامت تک اظہار غم وحزن میں یوں ہی روتا رہتا، اور فرمایا کہ اے تنے! اگر تو چاہے تو تجھے پھر اس باغ میں بو دیا جائے جہاں تو پہلے تھا، اور تیرے رگ وریشے کو مکمل کر دیا جائے اور تیری شاخوں کو تر و تازہ کر دیا جائے اور تجھ سے پھل نمودار ہوں اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت میں اگا دیا جائے تا کہ محبوبان خدا تیرا پھل کھائیں۔ اس کے بعد حضور نے اپنے کانوں کو اس کی جانب کیا کہ وہ کیا کہتا ہے؟ پھر آپ نے فرمایا کہ

یہ کہتا ہے کہ یا رسول اللہ ! مجھے جنت میں قائم کردیا جائے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اسے منبر شریف کے نیچے دفن کردیا جائے۔

(مدارج النبوت، جلد۱، ص۳۵۲ ☆ خصائص کبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، جلد۲، ص۱۸۱/۱۷۹)

حضرت حسن بصری اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اے خدا کے بندو! ایک لکڑی رسول اللہ کے شوق میں اتنا روتی ہے تو تم تو اس سے کہیں زیادہ مستحق ہو کہ رسول خدا کی لقاء کے مشتاق بنو۔ (مدارج، ایضاً)

حضرت مطلب بن ابی وداعہ صحابی فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس چیز کو بھی چھوڑا ہے وہ آپ کے فراق میں غمگین ہوئی ہے۔ (خصائص کبریٰ، جلد۲، ص۱۸۱)

تو جب حضور نے اس دنیا کو چھوڑا اور پردہ فرمایا تو دنیا کے تمام عاشق رسول فراق و ہجر نبی میں غمگین کیوں نہ ہوں؟

(121)

روئے شہ پیش نظر دست پیمبر پشت پر

کاش پاؤں برگ و پشت و ساز روئے آئینہ

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۶۴)

حل لغت:

رو: چہرہ، مکھڑا، رخ، صورت، شکل، سبب، وجہ، باعث، بساط، سطح، تختہ، سامنا، آگاہ، امید، تمنا، رعایت، منھ۔

(فیروز اللغات، ص ۷۲۳ ☆ لغات کشوری، ص ۳۳۲ ☆ کریم اللغات، ص ۸۱)

شہ: شاہ کا مخفف، بادشاہ، دولھا، بڑا، اعلیٰ، حمایت، ترغیب، بہکانا، اشتعال، رد، ڈھیل۔

(فیروز اللغات، ص ۸۵۰ ☆ لغات کشوری، ص ۴۳۳)

پیش: آگے، سامنے، پہلے، قبل، آئندہ، انگرکھے کی اگاڑی، تسبیح کا وہ دانہ جو سب دانوں کے اوپر ہوتا ہے، اعراب میں ضمہ یعنی پیش کی نشانی جو حروف کے اوپر ہوتی ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۳۳۰ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲۷ ☆ کریم اللغات، ص ۳۱)

نظر: بغور دیکھنا، نگاہ، آنکھ، بصارت، غور، تال، فکر، نگرانی، دیکھ بھال، تمیز، معاینہ، تخمینہ، جانچ، پرکھ، توجہ، مہر بانی، امید، توقع، شناخت، اندازہ، بھوت پریت کا اثر، آسیب۔ (فیروز اللغات، ص ۱۳۶۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۸۴)

دست: ہاتھ، پنجہ، قدرت، طاقت، قابو، غلبہ، نصرت، فتح، پتلا پیخانہ، اسہال، عدد، تعداد، تمام، بالکل، پوری شئ، فائدہ، نفع، ظفر، صدر مسند، طرز، روش، فائدہ، بادشاہ کا وزیر۔ (فیروز اللغات، ص ۶۲۵ ☆ لغات کشوری، ص ۹۷۷ ☆ کریم اللغات، ص ۶۲)

پیمبر: پیغمبر، نبی۔ (فیروز اللغات، ص ۳۳۱)

پشت: پیٹھ، کمر، پچھاڑی، کمک، مدد، سہارا، معاون، پیڑھی، نسل، خاندان، قوت، وہ چیز جو واسطے زیادتی نشہ کے شراب میں داخل کریں۔ (فیروز اللغات، ص ۲۹۷ ☆ لغات کشوری، ص ۱۲۲)

برگ: ورق، پتا، پات، سامان، توشہ، اسباب، سرانجام، التفات، پرواہ، پتا درخت کا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۹۶ ☆ لغات کشوری، ص ۹۴ ☆ کریم اللغات، ص ۲۳)

ساز: سامان، اسباب، باجا، جنگ کے ہتھیار، گھوڑے کا زیور، وہ سامان جو گھوڑے کو گاڑی میں جوتنے کے لئے درکار ہوتا ہے، میل جول، موافقت، ربط، مثل، مانند، نفع، بازی، بناؤ، تیاری، سفر کا سامان، کام کی رونق، سرانجام، مکر، حیلہ، قابل، ناچنے کا سامان، مرکبات میں مثلاً: کارساز۔

(فیروز اللغات، ص ۷۶۴ ☆ لغات کشوری، ص ۳۶۱ ☆ کریم اللغات، ص ۸۶)

آئینہ: منھ دیکھنے کا شیشہ، درپن، حیران، ششدر، روشن، ظاہر، صاف، اجلا، دل۔

(فیروز اللغات، ص ۴۸ ☆ لغات کشوری، ص ۵۷ ☆ کریم اللغات، ص ۲۰)

پہلے مصرع میں لفظ ''روئے'' کا مطلب ''چہرہ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''روئے'' کا مطلب ''تختہ'' ہے۔
پہلے مصرع میں لفظ ''پشت'' کا مطلب ''پیٹھ'' ہے۔
دوسرے مصرع میں لفظ ''پشت'' کا مطلب ''مدد، سہارا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک نرالے انداز میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثنا اور تعریف و توصیف فرما رہے ہیں۔ حضرت رضا کا شماران عشاق کرام میں ہوتا ہے جو عشق میں فنا فی الرسول کی منزل تک پہنچ چکے

ہیں۔حضرت رضا کو اپنے آقا و مولیٰ کی ہر ادا محبوب اور عزیز تھی۔آپ نے اپنے نعتیہ دیوان میں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عضو شریف اور ہر ادا کا والہانہ محبت کے انداز میں ذکر فرمایا ہے۔اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے دست اقدس میں آئینہ تھامنے کا ذکر کیا ہے۔اور ساتھ میں اس آئینہ کی خوش قسمتی اور اس آئینہ کی عظمت و فضیلت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی حیات ظاہری میں کئی مرتبہ اپنے دست پاک میں آئینہ تھاما ہے۔آئینہ دیکھنے کے کیا احکام اور سنتیں ہیں،وہ یہاں پر طول تحریر کے خوف سے ذکر نہیں کی جاتیں۔بہر حال یہ طے ہے کہ حضور نے اپنے دست اقدس میں کئی مرتبہ آئینہ تھاما ہے۔

اب پہلے آئینہ کی ہیئت دیکھیں۔آئینہ کی ہیئت یہ ہوتی ہے کہ اس کی ایک طرف شیشہ ہوتا ہے اور وہ شیشہ اس طرح کا ہوتا ہے کہ ایک طرف سے اس پر قلعی کر کے پالش سے ملمع کیا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے اس شیشہ کے ایک طرف کا حصہ ایسا چمکدار ہو جاتا ہے کہ اس میں عکس نظر آتا ہے۔اور دوسری طرف سے وہ آئینہ غیر معکوس ہوتا ہے۔جس طرف عکس نظر آتا ہے اس کو روئے آئینہ یعنی آئینہ کا چہرہ یا آئینہ کے سامنے کا حصہ کہتے ہیں اور جس طرف سے عکس نظر نہیں آتا اس کو پشت آئینہ یعنی آئینہ کی پیٹھ یا پیچھے کا حصہ کہتے ہیں۔وہ آئینہ کسی فریم میں جڑا ہوتا ہے۔اب اس آئینہ کے استعمال کی ترکیب کی طرف توجہ دیں۔لیکن اس سے قبل ایک وضاحت ضروری ہے کہ اس شعر میں اس آئینہ کی تمثیل ہے جو آئینہ دیوار میں جڑا ہوا نہیں، بلکہ وہ متحرک ہے، اس آئینہ کو استعمال کرنے والا ایک ہاتھ سے آئینہ اور دوسرے ہاتھ میں کنگھا پکڑتا ہے۔لیکن آئینہ تھامتے وقت اس کی ہتھیلی آئینہ کی پشت پر ہوتی ہے اور آئینہ کا وہ حصہ جس میں عکس نظر آتا ہے وہ چہرے کے سامنے ہوتا ہے۔

اب حضرت رضا بریلوی کے شعر کو حل کرنے کی کوشش کریں۔حضرت رضا فرماتے ہیں

کہ وہ آئینہ کتنا خوش نصیب ہے کہ روئے شہ پیش نظر یعنی شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس اس آئینہ کی نظر کے سامنے ہے۔ حالاں کہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ آئینہ دیکھنے والے کی نظر آئینہ کے چہرے پر ہوتی ہے۔ لیکن یہاں معاملہ بالعکس ہے کہ آئینہ اپنی نظر کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر جمائے ہوئے ہے۔ اور رخ زیبا کے جمال جہاں آرا سے بہرہ مند ہو رہا ہے۔ صرف اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ اس آئینہ کی تقدیر چمک اٹھی ہے۔ کہ اس کی پشت پر وہ دست اقدس ہے کہ جس ہاتھ کی عظمت احاطۂ بیان میں لانا مشکل ہے۔ یہ وہ دست پاک ہے کہ بقول رضا بریلوی ''ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا'' بلکہ یہ ہاتھ پوری کائنات کی دستگیری کرنے والا ہے۔ اس دست پاک کی انگلی کا اشارہ پاتے ہی چاند دو ٹکڑے ہو جائے اور ڈوبا ہوا سورج واپس پلٹ آئے اور اس دست پاک کی انگلیوں سے پانی کے دریا بہیں اور بے شمار معجزات کا ظہور ہو۔

ابن سعد، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ابیض بن جمال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ ان کے چہرے پر داد تھا (پھنسیوں کے اس چھتے کو کہتے ہیں جو فساد خون کے باعث جسم پر ظاہر ہوتے ہیں اور ان میں کھجلی ہوتی ہے۔ دیکھو فیروز اللغات، ص۶۰۶) داد نے چہرے کو سفید کر دیا تھا جس سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی ناک خالی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز ان کو بلایا اور ان کے چہرے پر اپنا دست اقدس پھیرا۔ دن سے رات ہونے نہ پائی کہ داد کا کوئی نشان نہ تھا۔

(خصائص کبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۶۶ ☆ سیرت رسول عربی، از: علامہ محمد نور بخش توکلی، ص۲۴۶)

جنگ احد میں ایک تیر حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ میں لگا اور ان کی آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آپڑی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس لٹکی ہوئی آنکھ کو اس کی جگہ پر رکھ دیا، آنکھ فوراً ایسی درست ہوگئی کہ کوئی یہ نہ بتا سکتا تھا کہ

دونوں میں سے کس آنکھ کو صدمہ پہنچا تھا۔

(مدارج النبوت، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۲۱۴)

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے اس کے گھر سے نکلے تو زینے سے گر کر ان کی ساق یعنی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ انھوں نے اس کو اپنے عمامہ سے باندھ لی اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا کہ پاؤں پھیلاؤ۔ حضرت عبداللہ نے پاؤں پھیلایا۔ حضور نے اس پر اپنا دست شفا پھیرا، اسی وقت ایسی تندرست ہوگئی کہ گویا کبھی وہ ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(سیرت رسول عربی، ص۲۴۶)

ابن سکن اور ابو نعیم نے معاویہ بن حکم سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ ہم رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ میرے بھائی علی بن حکم نے اپنے گھوڑے کو خندق سے کودایا، تو خندق کی دیوار سے ان کی پنڈلی کچل گئی، ہم ان کو اپنے گھوڑے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو حضور نے ان کی پنڈلی پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ گھوڑے سے اترنے سے پہلے اچھے ہوگئے۔ (خصائص کبریٰ، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۶۹)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ بن ملحان قیسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ جب وہ عمر رسیدہ ہوئے تو ان کے تمام اعضاء بدن پر بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے، لیکن ان کا چہرہ بدستور تر وتازہ تھا۔ (سیرت رسول عربی، ص۲۴۷)

بیہقی نے حضرت حبیب بن یساف سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک تھا۔ میرے شانہ پر دشمن کی تلوار کی ضرب لگی، جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا، میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے لعاب دہن پاک لگا کر اپنے دست پاک سے جوڑ دیا، وہ کٹا ہوا ہاتھ پیوست ہو کر ٹھیک ہوگیا۔ پھر میں نے تلوار مارنے والے کو قتل کر دیا۔ (خصائص کبریٰ، جلد۱، ص۱۶۶)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن زید بن حباب جذامی کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی، حضرت قیس نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس جگہ دست مبارک رکھا تھا اس جگہ کے بال سیاہ ہی رہے۔ (سیرت رسول عربی، ص ۲۴۷)

حضرت ابوزید بن اخطب انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر اور چہرے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، سو سال سے زائد ان کی عمر ہوگئی، مگر سر اور ڈاڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا۔ (سیرت رسول عربی، ص ۲۴۹)

حضرت ابوسنان عبدی مباحی کے چہرے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا، ان کی عمر نوے (۹۰) برس کی ہوئی مگر چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا۔

(اصابہ للعسقلانی)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک مارا تو وہ ملک عرب میں سب سے بڑے گھوڑ سوار اور جم کر بیٹھنے والے بن گئے۔ (مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۳۶۹)

حضرت اسید بن ابی یاس کنانی دؤلی کے سینے پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک رکھا اور چہرے پر پھیرا۔ اس کا فیض یہ حاصل ہوا کہ وہ کسی اندھیرے گھر میں داخل ہوتے تو وہ تاریک گھر روشن ہو جاتا۔ (خصائص کبریٰ، بحوالہ: سیرت رسول عربی، ص ۲۵۲)

جنگ بدر میں حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست پاک سے ان کو درخت کی ٹہنی عطا فرمائی تو وہ ٹہنی شمشیر بن گئی۔ حضرت عکاشہ ہر معرکہ وموقف میں اسی شمشیر سے قتال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہوئے۔ انھوں نے اس تلوار کا نام ''عون'' یعنی ''مدد'' رکھا تھا۔ (مدارج النبوت، جلد ا، ص ۳۶۹)

جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی ٹہنی اپنے دست پاک سے عنایت فرمائی، وہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ حضرت عبداللہ نے اس تلوار کا نام ''عرجون'' رکھا تھا۔

(مدارج النبوت، جلد۲،ص۲۱۴)

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ ایسے بہت سے واقعات کتب احادیث وسیر میں مرقوم ہیں۔ اب حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے شعر کی طرف توجہ مرکوز فرمائیں۔ حضرت رضا اس آئینہ کی خوش قسمتی بیان فرماتے ہیں کہ آئینہ کی نظر کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس ہے اور آئینہ کی پشت پر حضور کا دست کرم ہے اور وہ دست کرم پشت پناہی اور دستگیری فرما رہا ہے۔ اس آئینہ کی خوش نصیبی پر رشک کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی آرزو اور تمنا فرما رہے ہیں کہ کاش! پاؤں برگ و پشت وساز روئے آئینہ یعنی آئینہ کی شکل کا تختہ بن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور حضور کا دست کرم میری پشت پر ہوتا تو میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے التفات وتوجہ سے مشرف ہوتا۔ میں بھی آئینہ کی طرح حضور کی پشت پناہی (مدد) حاصل کرتا اور میں بھی ''ساز روئے آئینہ پاتا'' یعنی آئینہ کی صورت کی طرح رونق حاصل کرتا، کتنا بہترین تخیل وتصور ہے کہ ذی روح سے جامد بننا منظور ہے اگر اس شہنشاہ کونین کا دست اقدس مس کرنے کا شرف حاصل ہو، اور یہ امید وتمنا وہی کرسکتا ہے جس کے دل میں عشق رسول کا سمندر موجزن ہو۔

اس شعر میں لفظ روئے اور لفظ پشت کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ دونوں لفظ روئے اور دونوں لفظ پشت حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے اس شعر میں فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کی ایک ساتھ دو تجنیسات ہیں۔ ایک تجنیس لفظ روئے کے ذومعنی ہونے کی وجہ سے اور دوسری تجنیس لفظ پشت کے ذومعنی ہونے کی وجہ سے۔

(122)

فیض	معروف	سے	ترا	معروف
شہر	شہرہ	ہے	احمد	نوری

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۴۷)

حل لغت:

فیض: فائدہ، نفع، سخاوت، فیاضی، نیکی، بھلائی، بڑی بخشش، فائدہ کثیر، خیر کا ظاہر ہونا، پانی کا گرانا، نہر کا پانی اس قدر زیادہ ہونا کہ کناروں سے بہنے لگے، فائدہ بخش۔

(فیروز اللغات، ص ۹۴۱ ☆ لغات کشوری، ص ۵۴۵ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۰)

معروف: مراد ہے: حضرت شیخ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (شجرۂ برکاتیہ رضویہ، ص ۵)

معروف: نیکی، نیک بات، مشہور، معلوم، ظاہر، پہچانا ہوا، جو معلوم ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۶۴ ☆ لغات کشوری، ص ۷۱۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۰)

شہرہ: آواز، دھوم دھام، غلغلہ۔ (فیروز اللغات، ص ۸۵۱)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''معروف'' سے مراد ''حضرت معروف کرخی'' ہیں۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''معروف'' کا مطلب ''مشہور'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے استاذ محترم، اپنے پیر زادے اور خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ کے سجادہ نشین، حضور سراج السالکین

نور العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کے اوصاف ومحاسن اور شہرۂ آفاق مقبولیت کا تذکرہ فرماتے ہوئے بارگاہ نوری میں عرض کرتے ہیں کہ اے میر آقا اور آقازادے! حضرت سیدنا معروف کرخی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آپ پر بڑی بخشش ہونے کی وجہ سے آپ بھی معروف ومشہور ہیں۔آپ کی شہرت کی ہر شہر میں دھوم دھام ہے۔
اس شعر کے مصرع اول میں لفظ ''معروف'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ معروف ہے وہ اسم ہے اور اس سے مراد حضرت سیدنا شیخ معروف کرخی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''معروف'' ہے وہ صفت ہے اور اس کے معنی دھوم دھام اور غلغلہ وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ ''معروف'' باعتبار حروف واعراب مساوی ہیں، لیکن معنی و مطلب ومراد کے اعتبار سے الگ الگ ہیں، لہٰذا یہ شعر فن شاعری کے اعتبار سے صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضاؔ بریلوی فرماتے ہیں کہ ''فیض معروف سے تیرا معروف ہے'' یعنی حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے آپ کی شہرت ہے۔ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں عوام اور خواص میں ایسی شہرت ومقبولیت حاصل کی تھی کہ سب آپ کی بزرگی اور عظمت کے قائل تھے۔

حضرت شیخ محمد بن الحسنین سے مروی ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھ کر میں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا، میں نے پوچھا کیا زہد وتقویٰ کی وجہ سے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ اس بات کے عوض جو میں نے حضرت سماک سے کوفہ میں سنی تھی اور وہ یہ ہے کہ جو اپنے تمام تعلقات منقطع کر کے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، حق تعالیٰ بھی اپنی رحمت سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور تمام مخلوق کو اس کی طرف راجع کر دیتا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر

میں سب کچھ ترک کر کے حق تعالیٰ کی جانب راجع ہو گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء، ص۲۳۲)

حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مقولہ اتنا سچا ہے کہ آپ کی سوانح حیات کا جائزہ لینے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام خلق خدا آپ کی طرف اس طرح مائل وراغب تھی جیسے پروانے شمع کی جانب۔ یہاں تک کہ غیر مذاہب والے بھی آپ کی عظمت ومحبت کا دم بھرتے تھے۔ کچھ مختصر تفصیل شعر نمبر 98 ''بہر معروف وسری معروف دے بے خودسری'' کی تشریح میں مذکور ہے۔

حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے حضرت سراج السالکین، نور العارفین، شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی بھی اپنے دور میں شہرۂ آفاق شخصیت کے مالک ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے نامی گرامی شیخ طریقت تھے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جیسے مجدد اعظم آپ کے دیوانے اور پروانے تھے۔

حضرت رضا نے آپ کی شان میں جو منقبتیں مرتب فرمائی ہیں، ان سے آپ کی عظمت وبزرگی کی نشان دہی ہوتی ہے۔ آپ کی شان میں حضرت رضا فرماتے ہیں:

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات کے کسی بھی پہلو کا ذکر یہاں ممکن نہیں، کیوں کہ اس کے لئے دفتر درکار ہے۔ صرف آپ کی ایک کرامت بیان کرتا ہوں۔

جناب ڈاکٹر محمد ناصر خان مارہروی ایٹہ ضلع کے مضافات میں معالج تھے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت ایک انجان شخص ڈاکٹر صاحب کے مکان پر آیا اور کہا کہ قریب ہی ایک گاؤں میں ایک مریض ہے اس کی طبیعت بہت خراب ہے۔ آپ چل کر دیکھ لیں اور اس کا علاج کردیں۔ اس شخص نے ڈاکٹر صاحب کو معقول فیس بھی پیشگی ادا کردی۔ ڈاکٹر صاحب اس کے

ہمراہ روانہ ہوئے۔ آبادی سے چند میل چل کر دریا کے کنارے ایک وحشت ناک جنگل میں پہنچے، رات کا اندھیرا تھا۔ سنسان بن تھا۔ اس شخص نے ایک جگہ رک کر اپنی مخصوص بولی میں کچھ آواز دی، اس کی آواز پر فوراً دو شخص لاٹھیاں لئے ہوئے آگئے اور ان تینوں بدمعاشوں نے ارادہ کیا کہ ڈاکٹر صاحب کا سامان اور نقد روپے چھین لیں، اور ڈاکٹر صاحب کو قتل کر کے دریا میں ڈال دیں۔ ان لوگوں کی بھیانک شکلیں، تنہائی، جنگل کا ماحول، قتل کا ڈر وغیرہ سے ڈاکٹر صاحب موصوف کو سخت خوف پیدا ہوا، اس مشکل کے وقت میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت کو یاد فرمایا اور استغاثہ کیا کہ اے میرے آقا! مدد فرمایئے! اپنے خادم کو اس بلائے ناگہانی سے نجات دلایئے، آپ کی امداد کے بغیر بچنا مشکل ہے۔ بس اتنا کہنا ہی تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ دوسری جانب حضرت تشریف فرما ہیں اور اشارہ فرما رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں، ہم آگئے ہیں۔ ان تینوں بدمعاشوں نے جیسے ہی حضرت کو دیکھا تو گھبرا کر لرز گئے۔ حضرت نے جیسے ہی اشارہ فرمایا، فوراً وہ تینوں فرار ہوگئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب پریشان ہوئے کہ اس اندھیری رات میں کہاں جاؤں؟ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ چلے آؤ۔ ڈاکٹر صاحب حضرت کے ساتھ روانہ ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں اپنے گاؤں میں پہنچ گئے، آبادی میں پہنچ کر حضرت، ڈاکٹر صاحب سے روپوش ہوگئے، ڈاکٹر صاحب خیریت سے اپنے گھر آگئے، گھر پہنچ کر ڈاکٹر صاحب شدید بخار اور غشی میں مبتلا رہے، دوسرے دن ڈاکٹر صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے تبسم آمیز لہجے میں فرمایا: الحمدللہ! انجام بخیر ہوا۔ گھبراؤ نہیں اور یہ بات کسی سے مت کہنا۔ (تذکرۂ نوری، ص ۱۷۷/۱۷۸)

آپ نے فرمایا ہے کہ بخیل کی صحبت سے دور رہو۔

- بدمذہبوں کی صحبت سے دور رہو کہ اس کی وجہ سے اعتقاد میں فرق و سستی آتی ہے۔
- طریقت، شریعت سے الگ نہیں ہے۔ بلکہ انتہائے کمال شریعت کو طریقت کہتے

ہیں۔

● مروجہ حال یعنی موجودہ دور کی قوالی سراسر لغو ولہو یعنی کھیل تماشہ ہے۔ ایسے مجمع میں اہل سماع کو جانا بھی درست نہیں کہ سماع کے لئے بہت سے شرائط ہیں۔

آپ نے ۱۱/رجب المرجب ۱۳۳۴ھ مطابق ۳۱/اگست ۱۹۰۶ء میں وصال فرمایا۔ درگاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ کے برآمدۂ جنوب میں آپ کا مزار مقدس زیارت گاہ خلائق ہے۔

❁......❁......❁

(123)

پردہ دمِ بھی دمِ جلوہ مکدر ساز ہے
اللہ اللہ جوش حرص و آرزوئے آئینہ

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۶۴)

حل لغت:

پردہ: اوٹ، گھونگھٹ، آڑ، اوجھل، روک، حجاب، نقاب، برقع، چق، چلمن، انگرکھے کا سینہ، دروازے کے آگے پردہ کی دیوار، سطح، راز، پوشیدہ، راگ، الاپ، آہنگ، پیٹ وغیرہ کی جھلی، طبقہ، پرت، کولھے اور پسلیوں کے درمیان کا گوشت، بادبان، سکان، پتوار، عیب، نقص، خرابی، کپڑے کا پردہ، موسیقی مثلاً: پردۂ عشاق وغیرہ، گوشہ، تنہائی، نیک فال۔

(فیروز اللغات، ص ۲۸۸ ☆ لغات کشوری، ص ۱۱۹ ☆ کریم اللغات، ص ۲۹)

دم: سانس، نفس، پل، منٹ، لحظہ، وقت، زندگی، روح، جان، ذات، حقے کا کش، بھٹی یا تنور کی ہوا، پانی کا گھونٹ، کھانے کو دھیمی آگ پہ رکھنا، طاقت، قوت، زور، تلوار کی دھار، نیزے کی نوک، خوبی، مضبوطی، لچک، خوشی، فرحت، اولوالعزمی، بلند حوصلگی، دھوکہ، فریب، مکر، دغا، افسوں، منتر، دعا جو پڑھ کر پھونکی جائے، غرور، تکبر، گھر، خانہ، وطن، خون، لہو، شیخی۔ (فیروز اللغات، ص ۶۴۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۹۷ ☆ کریم اللغات، ص ۴۷)

جلوہ: نمائش کرنا، خود کو دوسروں کو دکھانا، کسی خاص انداز سے سامنے آنا، نمودار ہونا، تجلی، رونق، نور، نظارہ کرنا، معشوق کا ناز و انداز سے چلنا، دولھا دولھن کا سامنے بیٹھ کر آئینہ میں ایک دوسرے کی صورت دیکھنا۔

(فیروز اللغات، ص ۴۶۹ ☆ لغات کشوری، ص ۱۹۸)

مکدر: کدورت آمیز، گدلا، میلا، ملول، ناراض، رنجیدہ، غمگین، کدورت میں ڈالنے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۲۷۷ ☆ لغات کشوری، ص ۷۳۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۶۵)

ساز: (کئی معنی ہیں جو اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں، شعر نمبر 121 کا حل لغت کالم دیکھیں۔)

مرکبات میں بنانے والا، کرنے والا، بنایا ہوا، کیا ہوا، مثلاً: کارساز، رنگ ساز۔

اللہ اللہ: کلمۂ تعجب، کلمۂ تحسین، واہ واہ، آفرین، شکوے شکایت کے موقع پر بھی استعمال کرتے ہیں، بعض فقیروں کے سلام کا طریقہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۷)

جوش: ابال، پہچان، جذبات کا بے قابو ہونا، ولولہ، لہر، موج، حرارت، تیزی، زیادتی، کثرت، زور، مستی، شہوت، غصہ، تعصب، سرگرمی، شوق، طغیانی، سوزش دل کی، سینہ، آدھی رات، آدمی کی کمر، دیگ کا ابلنا، ندی کا پانی سے بھر جانا۔

(فیروز اللغات، ص ۴۸۴ ☆ لغات کشوری، ص ۲۰۴ ☆ کریم اللغات، ص ۵۰)

حرص: لالچ، طمع، خواہش، تمنا، رغبت، ہوس، آرزو۔

(فیروز اللغات، ص ۵۶۶ ☆ لغات کشوری، ص ۲۲۹ ☆ کریم اللغات، ص ۵۶)

آرزو: خواہش، تمنا، چاہ، مراد، مقصد، مطلب، امید۔

(فیروز اللغات، ص ۱۶ ☆ لغات کشوری، ص ۲۷ ☆ کریم اللغات، ص ۷)

پہلے مصرع میں شروع والے لفظ ''دم'' کا مطلب ''لحظہ، پل'' ہے۔

پہلے مصرع میں بعد والے لفظ ''دم'' کا مطلب ''خوشی و مسرت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی مدح وثنا ایک نرالے انداز میں فرما رہے ہیں اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دل آرا کیفیت کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جس وقت آپ نے اپنے دست اقدس میں آئینہ اٹھایا تھا۔ آئینہ کی خوش نصیبی ہے کہ اس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست اقدس مس ہوا۔ کچھ وضاحت شعر نمبر 121 ''روئے شہ پیش نظر، دست پیمبر پشت پر'' کی تشریح میں کر دی گئی ہے۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے آئینہ کے تعلق سے دو نعت شریف کہی ہیں۔ دونوں نعت ''حدائق بخشش'' حصہ سوم، ص ۶۲ اور ۶۳ پر موجود ہیں۔

پہلی نعت ۲۴ (چوبیس) اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کے مطلع اور مقطع ذیل میں پیش خدمت ہیں۔

مطلع: کب ہے مثل پشت شہ تنویر پشت آئینہ
آئینہ پر کیا پھبے تنظیر پشت آئینہ

مقطع: وصف رو و پشت شہ لکھ اے رضاؔ کب تک سنے
ذکر روئے آئینہ ، تذکیر پشت آئینہ

- دوسری نعت ۲۰ (بیس) اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کے مطلع اور مقطع ناظرین کرام کی خدمت میں پیش ہیں۔

مطلع: ہے بجا مہر و قمر پر ناز روئے آئینہ
چاند طیبہ کا ہے روشن ساز روئے آئینہ

مقطع: نظم پُر نور رضاؔ لوث تلمذ سے ہے پاک
زنگ کا خطہ نہیں ، شیراز روئے آئینہ

اس وقت ہم جس شعر کی تشریح کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دوسری نعت کا شعر ہے، اور شعر نمبر 121 کی جو تشریح کی گئی ہے وہ بھی دوسری نعت کا ہے۔ اس نعت شریف میں حضرت رضا بریلوی نے ایک اچھوتا تصور اور ایک نادر تخیل پیش کیا ہے۔ عام طور سے آدمی

آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا ہے۔ لیکن مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب آئینہ اپنے دست پاک میں لیا، تو معاملہ یہ ہوا کہ آئینہ خود روئے شہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار کررہا ہے، کیوں کہ حضور اقدس خود آئینہ حق نما ہیں۔ وہ ظل رب ہیں، سراپا نور ہیں، وہ آئینہ کے محتاج نہ تھے، بلکہ آئینہ ان کا محتاج تھا۔ آئینہ رخ انور کے نظارے سے لطف اندوز اور بہرہ مند ہورہا تھا۔ کیوں کہ ایسا حسین وجمیل چہرہ کسی کا نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہوگا۔

بخاری ومسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے بیان کیا:

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو اور خوش خو تھے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے:

''مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ''

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وبہترین کسی چیز کو نہ دیکھا۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سُرَّ اِسْتَنَارَ وَجْھُہٗ کَاَنَّہٗ قِطْعَۃُ قَمَرٍ''

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بہت خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور چاند کے ٹکڑے کی مانند چمکنے لگتا۔

امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دائرۂ قمر کی مانند تھا۔ دائرہ قمر ہالہ کو کہتے

ہیں۔ جسے فارسی میں خرمن ماہ کہا جاتا ہے۔

(مدارج النبوت، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۱۳)

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے:

''کَانَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا یَتَلَا لَأُ وَجْهُهٗ تَلَأ لُؤَ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ''

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارونق اور پُر جلال تھے۔ مشاہدہ کرنے والوں کی نظر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن وتاباں تھا۔ (شمائل ترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ابن عساکر نے ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، آپ فرماتی ہیں کہ میں سحری کے وقت سی رہی تھی۔ میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی، بہت تلاش کی، مگر نہ ملی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کمرے میں داخل ہوئے تو آپ کے چہرۂ انور کی روشنی میں سوئی نظر آ گئی۔ پھر میں نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا، اے حمیراء (حضرت عائشہ کا لقب) افسوس ہے، پھر افسوس ہے (تین مرتبہ فرمایا) اس شخص پر جس نے نظر کو میرے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم کیا۔

(خصائص کبریٰ، از: امام جلال الدین سیوطی، اردو، جلد ا، ص ۱۵۹)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا۔ آپ سرخ دھاری دار حلہ پہنے ہوئے تھے، میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آپ کی طرف، خدا کی قسم! میرے نزدیک آپ چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔ (شمائل ترمذی، باب: ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

امام اجل علامہ احمد بن محمد مصری قسطلانی قدس سرہٗ اپنی مشہور و معتمد کتاب المواہب اللدنیہ میں نہایہ سے منقول کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو

آپ کا چہرۂ انور آئینہ کی مانند ہو جاتا، جس میں در و دیوار کے نقوش اور لوگوں کے چہروں کا عکس جھلکنے لگتا۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۱۴)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے شعر میں فرماتے ہیں:

پر دۂ دم بھی دم جلوہ مکدر ساز ہے

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس میں جو آئینہ ہے وہ آئینہ درحقیقت حضور کے چہرۂ حق نما کا جلوہ دیکھ رہا ہے اور اس جلوے کے دیدار میں محو ہو کر اس جلوے کے دیدار کا لطف و سرور حاصل کر رہا ہے۔ ایسے عالم میں کہ اس جلوے کے دیدار کا لطف حاصل ہو رہا ہو اور بیچ میں ''پردۂ دم'' یعنی ایک لمحہ کے لئے بھی اس جلوے اور آئینہ کی آنکھ کے درمیان پردہ آجائے چاہے وہ پردہ صرف دم بھر یعنی ایک لمحہ کے لئے ہو تو حالت یہ ہو جاتی ہے کہ دم جلوہ یعنی جلوہ دیکھنے کا جو لطف ہے وہ مکدر ساز ہو جاتا ہے۔ یعنی آنکھوں کو ٹھنڈک اور روح کو تازگی بخشنے والا جلوہ پردے میں چھپ جاتا ہے تو جلوہ دیکھنے کا لطف چلا جاتا ہے اور وہ پردہ جلوہ دیکھنے والے کو کدورت یعنی ملال اور غم میں ڈالنے کا سبب بنتا ہے۔ کیوں کہ عشق کے جذبے کا تقاضا ہے کہ ایک دم (لمحہ) کے لئے بھی وہ جلوہ نظروں سے اوجھل نہ ہو۔ ''اللہ اللہ! جوش حرص و آرزوئے آئینہ'' یعنی آئینہ کی حرص (خواہش) اور آرزو و تمنا کا یہ جوش (ولولہ) ہے کہ ایک دم کے لئے بھی میرے اور اس مقدس جلوے کے درمیان پردہ حائل نہ ہو۔ اس شعر میں لفظ ''دم'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ دم ہے اس کا معنی لمحہ، لحظہ، پل، منٹ وغیرہ ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''دم'' ہے، وہ خوشی، فرحت کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''دم'' حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

❁……❁……❁

(124)

شام تک عید مہ نو ہے تمام
یہ مہ جاوید ہے عید دوام

(حدائق بخشش، حصہ۳، ص۸۲)

حل لغت:

عید: لغوی معنی جو بار بار آئے، مسلمانوں کے جشن کا روز، خوشی کا تہوار، نہایت خوشی۔

(فیروز اللغات، ص۹۰۸ ☆ لغات کشوری، ص۵۰۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۱۲)

مہ: ماہ کا مخفف، چاند، قمر، چندر ما، مہینہ۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۲۰ ☆ لغات کشوری، ص۵۵۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۷۵)

نو: نیا، جدید، تازہ، ابھی کا۔

(فیروز اللغات، ص۱۳۸۲ ☆ لغات کشوری، ص۵۸۹ ☆ کریم اللغات، ص۱۸۷)

تمام: کل، سب، مکمل، ختم، تیار، کامل، خالص، پورا، آخر، خاتمہ۔

(فیروز اللغات، ص۳۷۹ ☆ لغات کشوری، ص۱۶۲ ☆ کریم اللغات، ص۴۱)

جاوید: دائمی، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، دائم، برقرار۔

(فیروز اللغات، ص۴۴۸ ☆ لغات کشوری، ص۱۸۶ ☆ کریم اللغات، ص۴۶)

دوام: ہمیشگی، مداومت۔

(فیروز اللغات، ص۶۵۲ ☆ لغات کشوری، ص۳۰۱ ☆ کریم اللغات، ص۷۴)

پہلے مصرع میں لفظ ''عید'' کا مطلب ''عید کا جشن'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''عید'' کا مطلب ''نہایت خوشی'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور پُر نور، پیران پیر، دستگیر، سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح و ثنا کر رہے ہیں۔ یہ شعر بھی اس منقبت کا ہے، جس کا شعر نمبر 110

دونوں ماہ عید کی یکجا ہے دید
لو مبارک قادریو عید عید

کی تشریح میں کیا گیا ہے۔ اس منقبت میں حضرت رضا بریلوی نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابرو مبارک کو عید کے چاند سے تشبیہ دی ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ ''شام تک عید مہ نو ہے تمام'' یعنی عید کا مہ نو یعنی نیا چاند ہوتا ہے وہ ضرور باعث سرور اور خوشی ہوتا ہے، لیکن عید کی خوشی صرف ایک دن کی ہوتی ہے۔ عید کے دن چاہے جتنی خوشیاں منائی جائیں، لیکن عید کا دن گزر گیا اور شام ہوتے ہی عید کی خوشیاں تمام یعنی ختم ہو جاتی ہیں۔ عید کے دن رونق صبح سے شام تک ہوتی ہے۔ عید کا دن پورا ہوا کہ وہ تمام خوشیاں بھی رخصت ہو جاتی ہیں اور دوسرے دن سے حسب معمول عام دن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، لیکن حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک ابرو کے دیدار سے حاصل ہونے والی عید یعنی خوشی اور فرحت عید دوام یعنی ہمیشگی کی خوشی ہے، کیوں کہ ابرو کا چاند مہ جاوید یعنی برقرار اور ہمیشہ رہنے والا چاند ہے۔ عید کے چاند کی طرح صرف ایک دن کی خوشی بخشنے والا چاند نہیں ہے، بلکہ مستقل طور پر خوشیاں بخشنے والا چاند ہے اور اس چاند کی دید سے حاصل ہونے والی عید عارضی نہیں، بلکہ دائمی ہے۔

اس شعر میں لفظ عید کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ عید ہے وہ عید کا جشن

کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں جو لفظ عید ہے وہ نہایت خوشی کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ عید حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

حضرت رضا بریلوی کے شعر کا ماحصل یہ ہے کہ عید کا چاند عارضی خوشی دیتا ہے اور حضور غوث اعظم کے ابرو کی شکل میں جو چاند ہے وہ دائمی خوشی بخشتا ہے، کیوں کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل و کمال کا آفتاب ہمیشہ چمکتا رہے گا۔ وہ کبھی بھی غروب نہیں ہوگا۔ خود سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں:

غَرَبَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرِبُ

ترجمہ: اگلوں کے سورج چمک کر ڈوب گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ افق اعلیٰ پر رہے گا اور کبھی نہ ڈوبے گا۔ (قصیدۂ غوثیہ، از: شیخ عبدالقادر جیلانی)

اس کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طالب علمی کا زمانہ تھا اور اس زمانے میں ایک بزرگ غوث وقت سیدی تاج العارفین، شیخ ابوالوفاء قدس سرہٗ تھے، جن کا وعظ نہایت مشہور و معروف تھا۔ انھوں نے اپنی مجلس وعظ میں حضور غوث اعظم کی کھڑے ہو کر تعظیم کی اور پیشانی چوم کر کہا۔

''کُلُّ دِیْکٍ یَصِیْحُ وَیَسْکُتُ اِلَّا دِیْکُكَ فَاِنَّهٗ یَصِیْحُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ''

ترجمہ: اے عبدالقادر! ہر مرغ بولتا ہے اور بول کر خاموش ہو جاتا ہے۔ مگر تمہارا مرغ قیامت تک بولے گا یعنی کبھی خاموش نہ ہوگا۔ (برکات قادریت، ص ۸۴)

اس کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں:

مرغ سب بولتے ہیں، بول کر چپ رہتے ہیں
ہاں اصیل ایک نوا سنج رہے گا تیرا

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے حضور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابروئے کرم کو مہ جاوید یعنی ہمیشہ رہنے والا چاند اور اس مہ ابرو سے حاصل ہونے والی خوشی کو عید دوام یعنی ہمیشگی کی خوشی فرمایا ہے اور یہ حقیقت ہے، کیوں کہ حضور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مریدوں کی دستگیری کرنے کے سلسلے میں جو اقوال ارشاد فرمائے ہیں اور جو بشارتیں دی ہیں، ان کی خوشی دائمی ہے اور وہ خوشی بے شمار مریدوں کے دلوں سے کبھی زائل ہونے والی نہیں۔

آپ فرماتے ہیں:

"اِنْ لَّمْ یَکُنْ مُرِیْدِیْ جَیِّدًا فَاَنَا جَیِّدٌ" یعنی اگر میرا مرید زبردست نہیں تو میں زبردست ہوں۔ (بہجۃ الاسرار)

اور فرماتے ہیں "اِنَّ یَدِیْ عَلٰی مُرِیْدِیْ کَالسَّمَاءِ عَلَی الْاَرْضِ" یعنی بے شک میرا ہاتھ میرے مرید کے سر پر ایسا ہے جیسے آسمان زمین پر۔ (بہجۃ الاسرار)

اور فرماتے ہیں کہ "قیامت تک جو کوئی میرے سلسلہ والوں میں سے ٹھوکر کھائے گا، میں اس کو سنبھال لوں گا اور ہاتھ پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دوں گا۔" (برکات قادریت، ص۲۲)

اور فرماتے ہیں:

مُرِیْدِیْ لَاتَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّیْ
عَطَانِیْ رِفْعَۃً نِلْتُ الْمَنَالِ

یعنی اے میرے مرید! خوف نہ کر۔ اللہ میرا رب ہے۔ مجھے وہ رفعت ملی ہے جس سے میں مقصود کو پہنچ گیا۔ (قصیدۂ غوثیہ)

اورفرماتے ہیں:

مُــــرِیُـــدِیْ لَاتَـــخَفْ وَاشٍ فَــــاِنِّــــی

عَـــــزُوْمٌ قَــــاتِــلٌ عِــــنْـــدَ الْـــقِتَــــالِ

یعنی اے میرے مرید! کسی دشمن سے نہ ڈر کہ بے شک میں مستقل عزم والا، سخت گیراور لڑائی کے وقت قتل کرنے والا ہوں۔ (قصیدۂ غوثیہ)

ان تمام ارشادات عالیہ کے پیش نظر حضرت رضا فرماتے ہیں:

یہ مہ جاوید ہے عید دوام

❁......❁......❁

(125)

دل کشا دل کش دل آرا دل ستاں
کان جان و جان جان و شان شاں

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۴۹)

حل لغت:

کشا: کھولنے والا، حل کرنے والا، مرکبات میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: مشکل کشا، دل کشا وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۱۴)

کش: کھینچنے والا، برداشت کرنے والا، مرکبات میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً: محنت کش، دل کش وغیرہ۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۱۴)

آرا: آراستن مصدر کا صیغۂ امر ہے جو کسی اسم کے ساتھ آ کر اسم فاعل بنا دیتا ہے معنی سجانے والا، مثلاً: چمن آرا، جہاں آرا، دل آرا وغیرہ۔ آراستہ کرنے والا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۵ ☆ لغات کشوری، ص ۲۵ ☆ کریم اللغات، ص ۷)

ستان: لینے والا، جگہ، موقع، مقام، مرکبات میں لاحقے کے طور پر آتا ہے، مثلاً: دل ستاں، گلستاں وغیرہ، آستاں، چوکھٹ و جگہ جہاں کسی چیز کا انبوہ ہو مثلاً: گلستان، کبھی بمعنی مطلق جگہ کے بھی آتا ہے، مثلاً: ادبستان، شبستان وغیرہ، وہ شخص جو چت لیٹا ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۸۷۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۶۹ ☆ کریم اللغات، ص ۸۸)

کان: معدن، وہ جگہ جہاں سے کھود کر دھات یا جواہرات وغیرہ نکالتے ہیں۔ منبع، سرچشمہ۔ (فیروز اللغات، ص ۹۸۲ ☆ لغات کشوری، ص ۵۷۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۲۷)

جان: روح، آتما، زندگی، حیات، طاقت، قوت، ہمت، حوصلہ، تاب و تواں، جوہر، مغز، معشوق، لب لباب، نہایت عزیز چیز، پیارا بیٹا، خوبی، خوبصورتی، زیب و آرائش،

بچہ، پیار کا کلمہ۔ (فیروز اللغات، ص ۴۴۳ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۵ ☆ کریم اللغات، ص ۴۶)

شان: عظمت، شوکت، دبدبہ، عزت، توقیر، قدرت، طاقت، انداز، طرز، وضع، نسبت، حق میں خاصیت، خوبی، حال، حق، عظمت کا م۔

(فیروز اللغات، ص ۸۳۴ ☆ لغات کشوری، ص ۴۱۰)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''جان'' کا مطلب ''جوہر'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''جان'' کا مطلب ''تاب وتواں'' ہے۔

دوسرے مصرع میں آخر والے لفظ ''جان'' کا مطلب ''روح'' ہے۔

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''شان'' کا مطلب ''دبدبہ'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''شان'' کا مطلب ''قدرت، طاقت'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا ومولیٰ افضل الخلق والخلائق، سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت، شان وشوکت، دبدبہ وطاقت، توقیر وعزت اور قدر ومنزلت کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف ایک دلکش انداز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک دل کُشا یعنی دل کو کھولنے والی، دل کَش یعنی دل کو کھینچنے والی، دل آرا یعنی دل کو سجانے والی یا چمکانے والی اور دل ستاں یعنی دل کو لینے والی ہے، کیوں کہ یہ وہ آقا ومولیٰ ہیں جو کان جان یعنی جوہر کی کھان، جان جان یعنی روح وحیات کی تاب وتواں اور شان شان یعنی قدرت وطاقت اور دبدبہ رکھتے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''جان'' کا تین مرتبہ اور لفظ ''شان'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ ان پانچوں الفاظ کو ایک ہی مصرع میں استعمال فرمایا ہے

یعنی کہ مصرعِ ثانی میں پہلی مرتبہ جو لفظ ''جان'' ہے وہ جوہر، خوبی، حوصلہ وغیرہ کے معنی میں ہے، دوسری مرتبہ تاب وتواں، لب لباب، مغز وغیرہ کے معنی میں ہے اور تیسری مرتبہ روح، حیات، زندگی، وغیرہ کے معنی میں ہے۔ تینوں لفظ جان حروف و اعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب میں متفرق ہیں۔ اسی طرح پہلی مرتبہ جو ''لفظ شان'' ہے وہ دبدبہ، شوکت، عظمت وغیرہ کے معنی میں ہے۔ دوسری مرتبہ طاقت، قدرت، انداز وغیرہ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ ''شان'' حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی ومطلب کے اعتبار سے متفرق ہیں۔ اس شعر میں فن شاعری کی ڈھائی (2.5) تجنیسات کامل ہیں۔ ڈیڑھ تجنیس لفظ جان کے تین مرتبہ استعمال کی وجہ سے اور ایک تجنیس لفظ شان کی وجہ سے۔

یہ شعر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس نعت شریف کا ہے جو آپ نے تغزل کے انداز میں ایک بے مثال نعت لکھی ہے۔ فن شاعری میں ایک صنعت غزل الشفتین ہے، یعنی دونوں ہونٹوں کو ملنے سے موقوف رکھنا۔

لغت میں ''غزل'' بمعنی موقوفی آتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۸۹۶)

اور ''شفتین'' لفظ ''شفت'' کا تثنیہ یعنی وہ صیغہ جس میں کسی چیز کو دو سمجھا جائے۔ لفظ ''شفت'' عربی ہے، اور اس کے معنی ''ہونٹ'' ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس صنعت کا مطلب ہوا دونوں ہونٹوں کو نہ ملنے دینا۔ دنیائے اردو ادب میں فن شاعری کے اعتبار سے بڑے بڑے نامور شعراء گزرے ہیں اور ان شعراء کو صرف ''فن شاعری'' کی وجہ سے بہت اہمیت اور شہرت دی گئی ہے اور موجودہ دور میں بھی دی جارہی ہے، مثلاً: مرزا غالبؔ، جگرؔ مرادآبادی، فانیؔ بدایونی، فراقؔ گورکھپوری، شکیلؔ بدایونی، مؤمن خان مؤمنؔ، عرشؔ ملسیانی، جوشؔ ملیح آبادی، اکبرؔ الہ آبادی، حفیظؔ جالندھری، مجروحؔ سلطانپوری، جاں نثار اخترؔ، میر تقی میرؔ، حسرتؔ موہانی، میر دردؔ، میر انیسؔ، علامہ اقبالؔ، آتشؔ، تاباںؔ، بیدلؔ، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان تمام شعراء کے مجموعوں کے سامنے حضرت رضا بریلوی تن تنہا ان پر حاوی ہیں

اور وہ بھی فن شاعری کے اعتبار سے۔ مذہبی اعتبار سے تو ان تمام شعراء کے مجموعہ کا حضرت رضا بریلوی کے سامنے کوئی شمار وحساب ہی نہیں، کیوں کہ ان مذکورہ شعراء کے دیوان کا جائزہ لینے سے شاید ہی ایک دو شاعر کے دیوان میں ایک دو شعر فن ''غزل الشفتین'' کے ملیں گے۔ لیکن حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس فن میں ۱۲/اشعار پر مشتمل پوری نعت نظم فرمائی ہے۔ اس نعت کی خوبی یہ ہے کہ پوری نعت پڑھ جائیں، لیکن پوری نعت پڑھنے کے دوران پڑھنے والے کے دونوں ہونٹ ایک دوسرے سے مس (Touch) نہیں ہوں گے، بلکہ جدا رہیں گے۔ قارئین کی فرحت طبع کے لئے وہ پوری نعت پیش خدمت ہے۔

سید کونین سلطان جہاں ظل یزداں شاہ دیں عرش آستاں

کل سے اعلیٰ کل سے اولیٰ کل کی جاں کل کے آقا کل کے ہادی کل کی شاں

دل کشا دل کش دل آرا دل ستاں کان جاں و جان جاں و شان شاں

ہر حکایت ہر کنایت ہر ادا ہر اشارت دل نشیں و دل نشاں

دل دے دل کو جان جاں کو نور دے اے جہان جاں و اے جان جہاں

آنکھ دے اور آنکھ کو دیدار نور روح دے اور روح کو روح جناں

اللہ اللہ یاس اور ایسی آس سے اور یہ حضرت یہ در یہ آستاں

تو ثنا کو ہے ثنا تیرے لئے ہے ثنا تیری ہی دیگر داستاں

تو نہ تھا تو کچھ نہ تھا گر تو نہ ہو کچھ نہ ہو تو ہی تو ہے جان جہاں

تو ہو داتا اور اوروں سے رجا تو ہو آقا اور یاد دیگراں

التجا اس شرک و شر سے دور رکھ ہو رضاؔ تیرا ہی غیر از این و آں

جس طرح ہونٹ اس غزل سے دور ہیں دل سے یوں ہی دور ہو ہر ظن و ظاں

اس پوری نعت کو از اول تا آخر پڑھنے کے دوران دونوں ہونٹ ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔ علاوہ ازیں ان بارہ اشعار کی نعت میں چار اشعار میں صنعت تجنیس کامل پائی جاتی

ہیں۔شعر نمبر 2 میں ڈھائی تجنیسات، شعر نمبر 5 میں تین تجنیسات، شعر نمبر 6 میں دو تجنیسات اور شعر نمبر 8 میں ایک تجنیس کامل کا شمار ہوا۔ علاوہ ازیں فن شاعری کی دیگر صنائع، مثلاً: صنعت استعارہ، صنعت تضاد، صنعت تشبیہ، تلمیح، لف ونشر وغیرہ کا شمار اور تفصیل کرنے میں کئی صفحات درکار ہوں گے۔ یہ کہنے میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ صرف یہی ایک نعت فن شاعری کے اعتبار سے دنیائے اردو ادب کے تمام شعراء کی تمام تخلیقات پر فائق ہے۔تمام شعراء حضرت رضا بریلوی کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ تمام شعرائے اردو ادب کا ایک ہی مشغلہ تھا، اور وہ مشغلہ تھا شعر وسخن میں ہمہ وقت محو رہنا۔ جب کہ حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر دنیا میں نہیں آئے تھے، بلکہ تجدید دین وملت کے لئے حدیث کے ارشاد کے مطابق بحیثیت مجدد دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔شاعری ان کا مشغلہ نہ تھا اور نہ ہی آپ شاعری کی طرف زیادہ ملتفت ہوتے تھے۔اس کے باوجود یہ عالم ہے کہ فن شاعری میں آپ کے کمال وتبحر کے سامنے غالبؔ مغلوب نظر آتا ہے۔جگرؔ کا کلیجا پھٹ گیا ہے۔ فانیؔ فنا ہوگیا ہے، عرشؔ فرش پر تڑپتا نظر آرہا ہے، حسرتؔ پشیماں ہوگیا ہے۔شکیلؔ مشکل میں پڑ گیا ہے۔فراقؔ کا وصل جاتا رہا ہے، اکبرؔ بہت چھوٹا دکھائی دے رہا ہے۔دردؔ کی کلفت بڑھ گئی ہے۔ مجروحؔ کا خون خشک ہوگیا ہے۔تاباںؔ کی چمک جاتی رہی ہے، حفیظؔ بے نگہبان ہوگیا ہے۔اخترؔ کی روشنی ماند پڑ گئی ہے۔ بیدلؔ کا دل کھو گیا ہے اور انیسؔ کا کوئی ہمدم نظر نہیں آتا۔

المختصر! حضرت رضا بریلوی اردو ادب میں میدان سخن کے شہسوار کی حیثیت سے تمام شعراء پر چھا گئے ہیں۔ حضرت رضا نے اردو ادب کو چار چاند لگا دیا ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ، مالک کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں۔

● دل کشا	● دل کش	● دل آرا
● دل ستاں	● کان جاں	● جان جاں

● شان شاں

کل سات اوصاف جمیلہ کا ذکر کیا ہے اور ان ساتوں اوصاف کو اس ترتیب سے بیان کیا ہے کہ ان میں پے در پے ربط اور تسلسل ہے۔ مصرع اول میں جو چار اوصاف بیان کئے وہ اس ترتیب سے بیان کئے ہیں کہ طبیعت مچل جائے۔ دل کشا، دل کش، دل آرا اور دل ستاں یعنی دل کو کھولنے والے، دل کو کھینچنے والے، دل کو سجانے والے اور دل کو لینے والے۔ ان چاروں میں ایک لازمی ربط ہے۔ کیوں کہ دل جب کھلتا ہے تب کسی کی طرف کھنچتا ہے اور دل جب کسی کی طرف کھنچتا ہے تب ہی وہ دل کسی کا دل لیتا ہے۔ اسی طرح مصرع ثانی میں کان جاں، جان جاں اور شان شاں ہے یعنی جوہر کی کان یعنی کھان، معدن، روح وحیات کی تاب وتواں اور قدرت وطاقت کا دبدبہ۔ ان تینوں میں بھی ربط ہے۔ یعنی جو جوہر کی کھان ہوتا ہے وہی کسی کی روح وحیات کی تاب وتواں بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور جس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے اسی کی قدرت وطاقت کا دبدبہ قائم ہوتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو سات اوصاف کریمہ اس شعر میں بیان فرمائے ہیں وہ اتنے کثیر المعنی ہیں کہ اس کی تفصیلی وضاحت کے لئے دفاتر درکار ہوں گے۔ یہاں ہر وصف کے تعلق سے بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کی جائے گی۔ حالاں کہ اس کتاب میں اس شعر کے ماقبل ۱۲۴/ اشعار کی تشریح میں بہت سے واقعات ایسے درج ہیں جو ان اوصاف پر دلالت کرتے ہیں۔

● **دل کشا:** یعنی حضور دل کھول دینے والے ہیں۔ حاکم نے صحیح بتا کر اور بیہقی نے حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف بھیجا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے بھیجتے ہیں، حالاں کہ میں نوجوان ہوں۔ کس طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کروں گا۔ اور میں جانتا بھی نہیں کہ قضا کیا ہے؟ تو حضور نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا اور دعا کی کہ اے خدا! ان کے دل کو

ہدایت دے اور ان کی زبان کو مستحکم بنا۔ تو قسم ہے اس ذات کی! جس نے دانہ کو پھاڑا، دوفریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں مجھے ذرہ بھر تذبذب نہ ہوا۔

(خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد۲، ص۱۷۵)

اس سے پتہ چلا کہ حضور نے حضرت علی کے دل کو کھول دیا۔

● **دل کش:** یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی خوبصورتی اور نورانیت کا یہ عالم تھا کہ اس چہرۂ اقدس کو جس نے ایک نظر دیکھ لیا وہ اس پر وارفتہ ہو گیا۔ اس چہرۂ اقدس کی نورانیت کا یہ عالم تھا کہ طبرانی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری جانب اس شان سے توجہ فرمائی کہ گویا چاند کا نصف پارہ ہے۔ (مدارج النبوت، از: شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، اردو ترجمہ، جلد۱، ص۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ضحک فرماتے (آہستہ ہنسنا اس طرح کہ آواز بلند نہ ہو) تو دیواریں روشن ہو جاتیں اور آپ کے دانتوں کا نور دھوپ کی طرح ان پر پڑتا۔

(سرور القلوب فی ذکر المحبوب، از: امام المتکلمین نقی علی، ص۱۱۲)

● **دل آرا:** یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم دلوں کو چمکانے والے ہیں۔ دارمی، ابوداؤد اور ترمذی نے اپنی سنن میں، امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ اِلَيْكُمْ لَيْسَ بِوَهْنٍ وَلَا كَسَلٍ لِيُحْيِيَ قُلُوْبًا غُلْفًا وَ يَفْتَحُ اَعْيُنًا عُمْيًا وَيُسْمِعُ اٰذَا نًا صُمًّا وَيُقِيْمُ اَلْسِنَةً عَوْجَاءَ حَتّٰى يُقَالَ لَا اِلٰهَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ''

ترجمہ: بیشک تشریف لایا تمہارے پاس وہ رسول تمہاری طرف بھیجا ہوا جو ضعف اور کاہلی سے پاک ہے۔ تاکہ وہ رسول زندہ فرمادے غلاف چڑھے دل اور وہ رسول کھول دے اندھی آنکھیں اور وہ رسول شنوا کر دے بہرے کانوں کو اور وہ رسول سیدھی کر دے ٹیڑھی

زبانوں کو۔ یہاں تک کہ لوگ کہہ دیں کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہیں۔

(الامن والعلی، از امام احمد رضا محدث بریلوی، ص ۱۰۸)

بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میرا حافظہ بہت کمزور تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سنی بات یاد ہی نہ رہتی تھی، احادیث بھول جاتا تھا۔ ایک دن میں نے خدمت اقدس میں قوت حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی۔ حضور نے حکم دیا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ میں نے اپنی چادر پھیلائی تو حضور نے اپنے دونوں خالی ہاتھوں سے اس چادر میں کچھ ڈالنا شروع کیا۔ بظاہر کوئی چیز نظر نہ آئی، لیکن حضور اپنے دونوں ہاتھوں سے کوئی چیز میری چادر میں ڈال رہے تھے، پھر اپنا دست اقدس اس خالی چادر پر رکھا۔ پھر فرمایا کہ اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگاؤ۔ میں نے ویسا ہی کیا۔ اس وقت سے مجھے قوت حافظہ کی وہ نعمت حاصل ہوئی کہ میں کوئی بات بھولتا نہیں۔

(مدارج النبوت، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۳۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل ایسا چمکا کہ وہ علوم حدیث کا گنجینہ بن گیا۔ اور حضرت ابو ہریرہ کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جنھوں نے کثیر تعداد میں احادیث روایت کی ہیں، بلکہ اکابر مکثر الرواۃ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

● **دل ستاں:** یعنی حضور نے اپنے عاشقوں کے دل ایسے لے لئے کہ ان عشاق کے دل کی دھڑکن بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بن گئے۔ حضرت شیبہ بن عثمان عجمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں قریش کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں آئی تھی، میں بھی ان میں تھا اور اس مقصد کے تحت ساتھ میں تھا کہ اگر موقع میسر آیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کر دوں گا۔ یہ کینہ میرے باپ کے روز احد مارے جانے کی بنا پر تھا۔ میں اس ارادے سے حضور کے عقب میں آیا اور چاہا کہ آپ پر تلوار کا وار کروں کہ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک آگ کا شعلہ بجلی کی مانند نمودار ہو کر میری طرف لپکا،

اور قریب تھا کہ وہ مجھے جلا ڈالے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آواز دی، اے شیبہ! قریب آؤ۔ میں حضور کے قریب ہوا، حضور نے اپنا دست اقدس میرے سینے پر مار کر فرمایا اے خدا! اسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھ، حق تعالیٰ نے اسی وقت میرے دل سے وہ کینہ دور فرما دیا، خدا کی قسم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی لمحہ میری آنکھ، کان سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ حضور نے فرمایا جاؤ، کافروں کے ساتھ جنگ کرو۔ اس کے بعد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتا اور کافروں سے جنگ کرتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر اس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا تو یقیناً میں اسے تلوار سے قتل کر دیتا۔ (مدارج النبوت، جلد۲، ص۵۲۱)

اس شعر کے مصرع ثانی میں حضرت رضا بریلوی نے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کان جاں، جان جاں اور شان شاں کے تعظیم بھرے الفاظ کا استعمال فرمایا ہے۔ اس تعلق سے بھی بہت مختصر گفتگو کی جائے گی۔

● **کان جاں:** یعنی جوہر کی کھان۔ بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو جوہر اور کمال عطا فرمایا تھا وہ کسی کو نہیں ملا۔ آپ محبوب اعظم کے رتبۂ عالی پر فائز ہوئے اور ہر کمال میں آپ بے مثل و بے مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ اختیارات اور تصرفات عنایت فرمائے تھے کہ پوری کائنات آپ کی نظروں کے سامنے اور آپ کے زیر حکم تھی۔

جنگ موتہ کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ سے اسلامی لشکر روانہ فرمایا تو اسلامی لشکر کے امیر حضرت زید بن حارثہ کو مقرر فرمایا۔ موتہ ایک موضع یعنی ایک گاؤں کا نام ہے جو بیت المقدس (فلسطین) سے دو منزل کے فاصلہ پر بلقاء نامی مقام کے قریب ہے۔ بیہقی، ابو نعیم سے مروی، اور علامہ واقدی نے کہا کہ مجھ سے ربیعہ بن عثمان نے عثمان بن الحکم سے، اور انھوں نے اپنے والد سے حدیث بیان کی کہ نعمان بن رہطی نام کا یہودی آیا اور وہ لوگوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہو گیا۔ حضور

فرمارہے تھے کہ زید بن حارثہ لشکر کے امیر ہیں۔ اگر یہ شہید ہوجائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں اور اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں، اور اگر عبداللہ بھی شہید ہوجائیں تو پھر مسلمان جس شخص کو پسند کریں امیر لشکر بنالیں۔ نعمان یہودی نے یہ سن کر کہا اے ابوالقاسم! اگر واقعی آپ نبی ہیں تو جن اشخاص کا آپ نے نام لیا ہے وہ ضرور شہید ہوں گے۔ کیوں کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے جن انبیاء کو ایسے معرکے پیش آئے اور انھوں نے یکے بعد دیگرے امیر مقرر کئے تو وہ مقرر شدہ امیر شہید ہوگئے۔ اس کے بعد وہ یہودی حضرت زید بن حارثہ سے مخاطب ہوا اور کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنے دعویٔ نبوت میں سچے ہیں تو تم ہرگز اس سفر سے زندہ نہ لوٹو گے۔

(خصائص کبریٰ، جلد۱، ص۴۹۵ ☆ مدارج النبوت، جلد۲، ص۴۵۳)

واقعی! حضور نے جن جن حضرات کا نام لیا وہ شہید ہوگئے۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جنگ موتہ میں مجاہدین اسلام لشکر کفار کے ساتھ مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ آپ کی نظر مبارک سے حجابات اٹھ گئے تھے، اور جنگ موتہ کے تمام حالات بچشم خود اس طرح ملاحظہ فرمارہے تھے جس طرح میدان کارزار میں خود تشریف فرما ہوکر معاینہ فرمارہے ہوں۔ اپنے صحابہ سے فرماتے جاتے کہ زید بن حارثہ نے علم اٹھایا اور وہ شہید ہوگئے۔ ان کے بعد حضرت جعفر بن ابو طالب نے علم لے لیا ہے، وہ بھی شہید ہوگئے، ان کے بعد حضرت عبداللہ بن روحہ نے علم لیا ہے، وہ بھی شہید ہوگئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ آپ یہ فرماتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار یعنی حضرت خالد بن ولید نے علم لیا ہے۔ اور انھیں کے ہاتھ پر فتح حاصل ہوگی۔ اسی دن سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) ہو گیا۔

(مدارج النبوت، جلد۲، ص۴۶۰ ☆ خصائص کبریٰ، جلد۱، ص۴۹۸)

بیہقی اور ابو نعیم نے بروایت موسیٰ بن عقبہ حضرت ابن شہاب سے روایت کی کہ حضرت یعلی بن منیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام سے جنگ موتہ کے مجاہدین کی خبریں لے کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے حضرت یعلی کے بیان کرنے سے قبل تمام حالات مفصل طور پر جزئیات کی صراحت کے ساتھ بیان فرمادیئے۔ حضرت یعلی بن منیہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میدان جنگ کے مربوط، مکمل اور تفصیلی حالات جس صحت کے ساتھ آپ نے بیان فرمائے ہیں، میں یقین کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ جنگ کے میدان میں موجود ہو کر بھی کوئی دیکھنے والا اس طرح واقعات بیان کرنے پر قدرت نہ رکھ سکے گا۔ اس پر عالم ما کان و ما یکون، غیب جاننے والے پیارے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے زمین کے تمام حجابات اٹھا دیئے تھے اور میں بحیثیت مجموعی پورے لشکر مجاہدین کو اور انفرادی طور پر ان میں سے ہر فرد کو دیکھتا رہا ہوں۔

(خصائص کبریٰ، جلد۱، ص۴۹۸)

ویسے تو کئی واقعات جو ہر تصرفات سے مرصع کتب احادیث و سیر میں مرقوم ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر یہاں ممکن نہیں۔

حضرت رضا بریلوی اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک وصف یہ بیان کرتے ہیں کہ میرے آقا و مولیٰ جان جان یعنی روح و حیات کی تاب و تواں ہیں۔ انھیں کے دم سے ہماری زندگی کی بقا ہے، بلکہ پوری کائنات میں انھیں کے دم قدم سے بہار ہے۔ اور یہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، اور اگر یہ نہ ہوں تو کچھ بھی نہ ہو۔ کیوں کہ یہ کائنات کی جان ہیں۔ اللہ نے ان کو اتنا اختیار عطا فرمایا ہے کہ بے روح جسم میں بھی جان ڈال دیں۔ ارے جسم میں روح ڈالنا تو کیا! بلکہ جمادات و نباتات کہ جن میں روح کا امکان ہی نہیں ایسی ثقیل اشیاء میں بھی

جان ڈال کران کو گویا کردیا ہے۔ سابقہ اشعار کی تشریح میں درخت کا سلام کرنا، حکم ملتے ہی درخت کا خدمت میں حاضر ہونا، پتھروں کا سلام کرنا، کنکریوں کا کلمہ وغیرہ پڑھنا مذکور ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان تمام واقعات کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ صرف ایک دو واقعات تبرکاً پیش خدمت ہیں۔

بیہقی نے دلائل النبوت میں اور امام اجل احمد بن محمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس شخص نے کہا کہ میں اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا جب تک آپ میری اس لڑکی کو جو مر چکی ہے زندہ نہ فرمائیں۔ حضور نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ اس شخص نے حضور کو اپنی لڑکی کی قبر دکھائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو آواز دی۔ لڑکی نے جواب میں کہا ''لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ'' (یعنی حاضر ہوں، فرماں بردار ہوں) پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تو دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ! میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا ہے۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ۱، ص ۳۵۹)

ابونعیم نے نقل کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بکری ذبح کر کے اسے سالم دم پخت کیا اور اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ پھر ساری جماعت نے کھایا۔ حضور نے کھانے والوں سے فرمایا کہ تم سب کھاؤ، لیکن اس کی ہڈیاں نہ توڑنا، اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب ہڈیوں کو جمع فرمایا اور ان پر دست مبارک رکھ کر کچھ پڑھا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ بکری زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کان ہلانے لگی۔ (مدارج النبوت، جلد ۱، ص ۳۶۱)

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اس شعر کے اختتام پر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں کہ

● **شان شان:** یعنی قدرت وطاقت کا دبدبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو طاقت، قدرت، تصرف، اختیار اور حکمرانی عطافرمانے کے ساتھ ساتھ آپ کو ان تمام اوصاف کے شایان شان دبدبہ بھی عطافرمایا تھا۔

امام احمد اور ابوبکر بن شیبہ سیدنا مولیٰ علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت، حضور مالک ومختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اُعْطِیْتُ مَا لَمْ یُعْطَ اَحَدٌ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ''

ترجمہ: مجھے وہ عطاہوا، جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملا۔ رعب سے میری مدد فرمائی گئی (کہ مہینہ بھر کی راہ پر دشمن میرا نام سن کر کانپے) اور مجھے ساری دنیا کی کنجیاں عطا ہوئیں۔

(الامن والعلی، ص۵۷)

حافظ ابوزکریا یحییٰ بن عائذ اپنی مولد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ زہریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ رضوان خازن جنت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد ولادت حضور کو اپنے پروں کے اندر لے کر گوش اقدس میں عرض کی کہ حضور کے سامنے نصرت کی کنجیاں ہیں۔ رعب ودبدبہ کا جامہ حضور کو پہنایا گیا ہے۔ جو حضور کا چرچا سنے گا اس کا دل ڈر جائے گا اور جگر کانپ اٹھے گا اگرچہ حضور کو نہ دیکھا ہو، اے اللہ کے نائب۔ (الامن والعلی، ص۶۰)

سبحان اللہ! ایمان کی آنکھ میں نور ہو تو صرف اللہ کا نائب کہنے میں ہی سب کچھ آ گیا، کیوں کہ جو اللہ کا نائب ہے اس کے تصرفات واختیارات اور قدرت کا دبدبہ عظیم الشان ہے۔

(126)

رنگ اڑے زرد رخ ماہ درخشاں ہوجائے
پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہوجائے

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۲۹)

حل لغت:

رنگ اڑنا: رنگ جاتا رہنا، رنگ پھیکا پڑ جانا، چہرے کا رنگ متغیر ہونا۔ (فیروز اللغات، ص ۷۲۰)

زرد: پیلا، سنہرا، اور کبھی مراد شام سے ہوتی ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۷۴۵ ☆ لغات کشوری، ص ۳۴۷)

رخ: رخسار، منہ، گال، طرف، جانب، سمت، کنارہ، حاشیہ، افق، توجہ، التفات، سامنا، آگاہ، ایک فرضی جانور سیمرغ جس کا ذکر الف لیلہ میں آتا ہے جو بہت بڑا ہوتا ہے۔ ایک تاج جو شاہان ایران پہنا کرتے تھے، نام ایک زبردست جانور کا جو ہاتھی اور گینڈے تک کو اٹھالے جاتا ہے، نام شطرنج کے ایک مہرہ کا، چہرہ، رو۔

(فیروز اللغات، ص ۷۰۷ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۱ ☆ کریم اللغات، ص ۷۸)

ماہ: چاند، قمر، ماہتاب، چندرما، مہینہ، ماس۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۹۰)

درخشاں: چمکتا ہوا، تاباں، روشن، جگمگاتا ہوا۔

(فیروز اللغات، ص ۶۲۱ ☆ لغات کشوری، ص ۲۸۵ ☆ کریم اللغات، ص ۷۱)

پنجہ: پانچ چیزوں کا مرکب، ہاتھ مع انگلیوں کے، لپ، مٹھی، پاخانہ صاف کرنے کی ہڈی یا ٹھیکرا، آدمی کے ہاتھ کی شکل کا چاندی کا نشان جو تعزیوں کے ساتھ بانس میں لگا ہوتا ہے، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں کہ ہر ایک کی تعداد پانچ ہے۔

(فیروز اللغات، ص ۳۰۴)

پنجہ خورشید: سورج کی کرنیں۔ (فیروز اللغات، ص۳۰۴)

لرزاں: لرزنے والا، ہلنے والا، لرزیدن مصدر کا اسم فاعل بمعنی کانپنے والا۔

(فیروز اللغات، ص۱۱۵۳ ☆ لغات کشوری، ص۶۳۷ ☆ کریم اللغات، ص۱۳۷)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''پنجہ'' کا مطلب ''کرنوں والا'' ہے۔

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''پنجہ'' کا مطلب ''ہاتھ'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

یہ شعر حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس نعت پاک کا ہے جو آپ نے حضور اقدس شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس آرام گاہ یعنی روضۂ انور کی شان وعظمت میں نظم فرمائی۔ یہ نعت آپ نے فن شاعری کی صنعت ''ترجیع بند'' کے اعتبار سے نظم فرمائی ہے۔ ''ترجیع بند'' یعنی اصطلاح شعر میں شاعر کا چند ایسے بند نظم کرنا جو بحر میں موافق اور قافیہ مختلف ہوں اور اس میں یہ طرز اختیار کی جائے کہ پوری نظم میں ایک بیت یعنی ہم وزن کے دو مصرعے یعنی ایک شعر ہر بند کے آخر میں آئے اور ہر بند کے آخری شعر کے ساتھ وہ شعر جو تکرار کے ساتھ ہر بند کے آخر میں آتا ہے وہ شعر ہر بند کے آخری شعر کے مضمون کے ساتھ موافقت کرے۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو فن شاعری میں وہ عبور اور کمال حاصل تھا کہ آپ نے فن شاعری کی جس صنعت کی طرف التفات فرمایا ہے۔ اس صنعت کے تمام جوہر آپ نے دکھا دیئے، بلکہ اس صنعت کو اپنے کلام سے زینت بخشی، جس طرح روضۂ اطہر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں آپ نے ترجیع بند کی صنعت کو زینت بخشی ہے، اس کلام امام کو جو کہ حقیقت میں امام الکلام ہے اس کو ملاحظہ فرمانے سے اس بات کا صحیح اندازہ

ہوجائے گا۔

یہ وہ درگہ ہے کہ جرم آئے تو غفراں ہوجائے
اتقا شوق شفاعت میں گنہ یاں ہوجائے
نار بھی آئے تو نور چمنستاں ہوجائے
غازۂ روئے سحر شام غریباں ہوجائے
بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست
سجدہ گاہ ملک و روضۂ شاہنشاہ ست

●

فیض وہ ہے کہ خزاں فصل بہاراں بن جائے
شجر خلد ہر ایک خار بیاباں بن جائے
تیغ پھل لائے سپر پھولوں کا بستاں بن جائے
بے زباں مدح کرے مرغ صفاہاں بن جائے
بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست
سجدہ گاہ ملک و روضۂ شاہنشاہ ست

●

رعب یہ ہے کہ اگر اس کا گزر یاں ہوجائے
بے پر و بال ملک یہ ہو کہ انساں ہوجائے
رنگ اڑے زرد رخ ماہ درخشاں ہوجائے
پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہوجائے
بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست
سجدہ گاہ ملک و روضۂ شاہنشاہ ست

مندرجہ بالا اشعار کی طرز بندش سے قارئین کرام ''ترجیع بند'' کو اچھی طرح جان چکے ہوں گے۔ پھر بھی مزید تفہیم کے لئے گوش گزار ہے کہ مندرجہ بالا اشعار میں کل تین بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعے ہیں اور ہر بند کے اختتام پر ''بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ست'' والا شعر مکرر آ رہا ہے۔ پوری نعت میں کل آٹھ بند ہیں اور ہر بند کے بعد مذکورہ بالا شعر ہے، اور یہی شعر ہر بند کے مضمون کے ساتھ موافقت کرتا ہے۔ مذکورہ بالا تینوں بند کے الفاظ ایسے وسیع معنویت کے حامل ہیں کہ ان کی تشریح یہاں ممکن نہیں۔ لہٰذا ہم صرف اس شعر کی ہی تشریح کرنے کی کوشش کریں گے جس میں صنعت تجنیس کامل کا استعمال کیا گیا۔

قارئین کی خدمت میں ایک ضروری بات کی وضاحت کر دینا مناسب بلکہ لازمی ہے کہ ہم حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے اشعار کی تشریح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار کی تشریح کرنا مجھ جیسے کم علم بلکہ بے علم، بے عمل، حقیر و فقیر کے بس کی بات نہیں۔ جید علماء و ادباء بھی حضرت رضا بریلوی کے اشعار کے معنی کما حقہ سمجھنے سے قاصر ہیں، تو میری کیا بساط؟ میں تو علمائے اہل سنت کے نعلین بردار کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

راقم الحروف سے ایک مرتبہ مارہرہ مطہرہ کے عظیم بزرگ، خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے سجادہ نشیں، ہادیٔ ملت، حامیٔ سنت، ناصر مسلک اعلیٰ حضرت، ماحیٔ بدعت و ضلالت، قاطع وہابیت ونجدیت، مرجع خلائق، صوفیٔ باصفا، عالم باعمل، پیر طریقت، احسن العلماء، افضل الفضلاء، حضور قبلہ سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہٗ نے فرمایا اور ان کے در کے غلام و سوالی راقم الحروف نے اپنے کانوں سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کھڑک (بمبئی) کی مسجد میں غزالیٔ دوراں، سیف الحق، پرتو جلال فاروقی، مظہر شجاعت حیدری، سید العلماء حضرت قبلہ سید آل مصطفیٰ مارہروی قدس سرہٗ سے ملنے آئے۔ دوران گفتگو دونوں بزرگوں میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر

بلبل و نیلپر و کبک بنو پروانو ☆ مہ وخورشید پہ ہنستے ہیں چراغان عرب

پر بات چلی، اوراس شعر میں حضرت رضا کا کیا منشاء ہے؟ اس پر ان دونوں بزرگوں میں گھنٹوں گفتگو ہوتی رہی، اوراتنی طویل گفتگو کے بعد دونوں بزرگوں نے یک زبان ہوکر فرمایا کہ اس شعر کا صحیح مطلب وہی جانیں، جنھوں نے لکھا ہے، یا وہ جانیں جن کی شان میں لکھا گیا ہے۔ اللہ اللہ! جب اہل سنت و جماعت کے شہرۂ آفاق بزرگ حضرت رضا کے اشعار کے لئے یہ فرماتے ہوں تو ماوشما کا کیا شمار؟ اسی لئے میں نے یہ عرض کیا ہے کہ شعر کی تشریح کرنے کی کوشش کریں، کیوں کہ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے اشعار کی تشریح کرنا لوہے کے چنے چبانے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار اقدس یعنی روضۂ اطہر کی عظمت اور شان رعب و دبدبہ کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رنگ اڑے زرد رخ ماہ و درخشاں ہوجائے

پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہوجائے

یعنی یہ وہ دربار عالی ہے کہ اگر اس دربار کی حاضری کا شرف چاند کو ملے اور وہ حاضر بارگاہ رسالت ہوتو رعب و دبدبہ، جلال و ہیبت و دہشت کی وجہ سے اس کا چہرہ پیلا (زرد) ہوجائے، بلکہ اگر سورج بھی یہاں حاضر ہوتو سورج کی کرنیں (پنجہ خورشید) بھی خوف و ڈر کی وجہ سے لرزنے والے ہاتھ (پنجۂ لرزاں) کی طرح کانپنے لگیں۔

اس شعر میں لفظ ''پنجہ'' کا استعمال دو مرتبہ کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ پنجہ ہے وہ کرن و شعاع کے معنی میں ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ پنجہ ہے وہ ہاتھ کے معنی میں ہے۔ دونوں لفظ پنجہ حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی و مطلب میں متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت چاند اور سورج

کی حالت کا ذکر فرمایا ہے۔ چاند زرد ہو جائے اور سورج کی کرنیں کانپنے لگیں، اور یہ بوجہ رعب ودبدبہ کے ہے، کیوں کہ یہ شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دربار ہے۔ ہر دربار کی کوئی نہ کوئی وقعت وحیثیت ہوتی ہے اور وہ رعب ودبدبہ بادشاہ کے درجہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یعنی بادشاہ جتنا ذی شان اس کا دربار بھی اتنا ہی ذی وقار۔ جتنی بادشاہ کی شان بلند اتنی ہی اس کے دربار کی عزت وتعلیم اعلیٰ۔ دنیا میں بہت سے دربار، دفاتر، کچہریاں، محکمے، کورٹ وغیرہ ہیں، لیکن ہر ایک کا درجہ اور رتبہ الگ الگ ہے۔ مثال کے طور پر میونسپل کارپوریشن (بلدیہ) کے ایک کارکن کی آفس اور ملک کے وزیر اعظم کی آفس کے وقار ودبدبہ میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ بلدیہ کے کارکن کی آفس میں ہر ادنیٰ آدمی، میلے کچیلے کپڑے، بکھرے ہوئے بال اور غیر مہذب طریقے سے بلا کسی شرم کے اور بلا مقدم اجازت کے گھس جائے گا اور اس آفس میں بلا تکلف بلا کسی قسم کی جھجھک کے، بلا کسی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، کارکن سے بات چیت کر کے اپنا کام نپٹا کر واپس آجائے گا۔ لیکن ملک کے وزیر اعظم سے کچھ کام پڑے تو وہ بلدیہ کے کارکن کے کام کی طرح اتنی آسانی سے پار نہ ہوگا۔ ملاقات کا وقت مانگا جائے گا۔ وقت مقررہ پر ہی جانا ہوگا۔ وہاں داخل ہونے سے پہلے داخلے کا اندراج کرانا ہوگا۔ پھر وزیر اعظم کی سلامتی اور تحفظ کے لئے نافذ کئے گئے قانون تحفظ کے تحت تفتیش کروانی ہوگی۔ ملاقات کے لئے جانے والا اچھے کپڑے پہن کر بن سنور کر جائے گا۔ وزیر اعظم سے ملنے کے وقت ادب ووقار کا تکلف کرے گا۔ بات بہت ہی سلیقے سے کرے گا، وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ ہر بادشاہ یا حاکم کے درجے کے مطابق اس کے دربار کا رعب ودبدبہ ہوتا ہے۔ گنبد خضریٰ مدینہ منورہ میں اس شہنشاہ کا دربار ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اس دربار کے منگتا اور سوالی ہیں۔

بقول حضرت رضا:

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھر تے ہیں

●

تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا
سارے داراؤں کی دارا ہوئی دارائی دوست

حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار عالی کی شان، مرتبہ، عظمت، بلندی، تعظیم، رعب، دبدبہ، وقار اور آداب وغیرہ کے تعلق سے تفصیلی گفتگو شعر نمبر 13، 14، 17، 28، 31، 32، 51، 59، 68، 71، 74، 80، 95، 101، 108، 111 اور 115 میں کی گئی ہے۔ قارئین مذکورہ اشعار کی طرف رجوع فرمائیں۔

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے دربار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری کے وقت چاند کا زرد پڑنا اور سورج کی کرنوں کا لرزاں ہونا بیان کیا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں اور اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت یہ ہے کہ چاند اور سورج دونوں ایسے روشن سیارے ہیں کہ وہ اپنی روشنی سے پوری دنیا کو روشن کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام بجلی کے بلب مجموعی طور پر بھی چاند اور سورج کی روشنی کا مقابلہ نہیں کر سکتے، کیوں کہ بجلی کے ان قمقموں کی روشنی ایک محدود خطے تک ہی پہنچتی ہے۔ جب کہ چاند اور سورج کی روشنی پوری دنیا میں پھیلتی ہے۔ علاوہ ازیں بارہا کا مشاہدہ ہے کہ رات کی تاریکی میں دن کا اجالا کرنے لئے کثیر طاقت کے بجلی کے قمقمے روشن کئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے رات کے وقت بھی دن جیسا ماحول اور سماں قائم ہو جاتا ہے۔ ہیلوجن کی لائٹ اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس پر نظریں جمانے سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، لیکن جب صبح کو آفتاب طلوع ہوتا ہے تب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہیلوجن لائٹ ایک موم بتی ہے۔ اس لائٹ میں رات کے وقت جو سفیدی تھی وہ اب زرد پڑ گئی ہے۔ اس کا رنگ اڑ گیا ہے، اس کا طمطراق جاتا رہا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے نکلنے والی روشن

کرنیں کانپ رہی ہوں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بجلی کا قمقمہ بلاشبہہ روشن اور منور ہے،لیکن اس وقت اس کا سامنا ایسے روشن قمقمے یعنی سورج سے ہے کہ اس سورج کی روشنی بجلی کے قمقمہ کی روشنی سے کئی گنا زیادہ ہے۔یہی کیفیت سورج اور چاند کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور ہے۔ بے شک چاند اور سورج روشن، تاباں، درخشاں ،منور، چمک اور دمک والے سیارے ہیں،لیکن ان کی یہ چمک دمک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت کے سامنے ماند ہے، کیوں کہ چاند اور سورج کو بھی اسی دربار سے روشنی کی خیرات ملی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''یٰـاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّـآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا '' (سورۂ احزاب، آیت، ۴۵/۴۶)

ترجمہ: اے غیب کی خبر بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر، ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

(کنزالایمان)

اس آیت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''سِـرَاجًـا مُّـنِیۡرًا'' یعنی چمکا دینے والا سورج فرمایا گیا ہے۔

اب یہ دیکھیں کہ قرآن شریف میں چاند اور سورج کو کیا کہا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اَلَـمۡ تَـرَوۡا كَیۡفَ خَـلَـقَ الـلّٰـهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ القَمَرَ فِیۡهِنَّ نُوۡرًا وَّجَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا'' (سورۂ نوح، آیت ۱۵/۱۶)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے کیوں کر سات آسمان بنائے ایک پر ایک، اور ان میں چاند کو روشن کیا۔اور سورج کو چراغ۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں چاند کو روشن اور سورج کو چراغ فرمایا گیا ہے۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی یعنی سورۂ احزاب کی آیت کی تفسیر میں وارد ہے کہ حضور

اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کی شان یہ ہے کہ ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی نور نبوت نے پہنچائی اور کفر وشرک کے ظلمات شدیدہ کو اپنے نور حقیقت افروز سے دور کر دیا اور خلق کے لئے معرفت وتوحید الٰہی تک پہنچنے کی راہیں روشن اور واضح کر دیں اور ضلالت کی تاریک وادی میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے انوار ہدایت سے راہ یاب فرمایا اور اپنے نور نبوت سے ضمائر وبصائر اور قلوب وارواح کو منور کیا۔ حقیقت میں آپ کا وجود مبارک ایسا آفتاب عالم تاب ہے، جس نے ہزار ہا آفتاب بنا دیئے۔ اسی لئے آپ کی صفت میں ''منیر'' ارشاد فرمایا گیا۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۷۶۴)

مذکورہ سورۂ نوح کی آیت میں چاند کو نور یعنی روشن کہا گیا ہے، لیکن ساتھ میں یہ قید بھی لگادی گئی کہ چاند کو آسمان میں روشن کیا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب نور فرمایا گیا تو اس میں کوئی قید نہ لگائی گئی بلکہ مطلقاً نور کہا گیا، یعنی آپ پوری کائنات کو چمکانے والے نور ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''قَدۡ جَاۤءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ'' (سورۃ المائدہ، آیت، ۱۵)

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔

(کنز الایمان)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا، کیوں کہ آپ سے کفر کی تاریکی دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔

(تفسیر خزائن العرفان، ص ۱۹۸)

اب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کے تعلق سے کچھ احادیث پیش خدمت ہیں۔

دارمی، بیہقی، طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی،

انھوں نے کہا اگر تم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے تو کہتے کہ سورج نے طلوع کیا ہے۔

(خصائص کبریٰ، از: علامہ جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۱۷٦)

بیہقی نے ابواسحاق سے اور انھوں نے ایک ہمدانی عورت سے روایت کی، اس نے کہا میں نے آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ حضور کی مشابہت کیسی تھی؟ اس نے جواب دیا چودھویں رات کے چاند کی مانند، میں نے کسی کو آپ کی مانند نہ پہلے دیکھا نہ بعد۔ (خصائص کبریٰ اردو، جلد ا، ص ۱۷۵)

ابن سعد، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہ دیکھا۔ محسوس ہوتا کہ آپ کے چہرۂ انور میں آفتاب تیر رہا ہے۔ (خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۱۷٦)

چاند اور سورج بارگاہ رسالت میں خادم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نائب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محکوم ہیں اور آپ کا اشارہ پاتے ہی تعمیل حکم میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ بلکہ چاند تو اس محبوب اعظم رب عظیم کے بچپن کے زمانے کا کھلونا تھا۔ آپ گہوارے سے اشارہ فرماتے اور چاند آپ کے اشارے پر چلتا تھا۔

بیہقی اور صابونی نے ''المأتین'' میں اور خطیب وابن عساکر نے اپنی کتاب ''تاریخ'' میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا، یارسول اللہ! مجھے تو آپ کی نبوت کی نشانیوں نے آپ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ گہوارے میں چاند سے باتیں کرتے اور اپنی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے اور جس طرف آپ اشارہ فرماتے چاند اس طرف جھک جاتا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ میں چاند سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا، اور اس کے عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتے وقت میں اس کی تسبیح کرنے کی آواز کو سنا کرتا ہوں۔

(خصائص کبریٰ، جلد ا، ص ۱۳۷)

یہ تو بچپن کے زمانے کی حالت تھی، جوانی کے ایام میں تو انگلی کا اشارہ پاتے ہی چاند دوٹکڑے ہو گیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں چاند کے دوٹکڑے ہوئے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ادھر اور دوسرا اُدھر تھا۔ اس روایت کو صحابۂ کرام کی جماعت کثیرہ نے نقل فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کفار قریش نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا اور کہنے لگے اگر صادق ہو تو چاند کے دوٹکڑے کر دو۔ حضور نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ دوٹکڑے ہو گیا اور لوگوں نے کوہ حراء کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ (مدارج النبوت، اردو، جلد ا، ص ۳۳۸)

اسی طرح مقام صہبا میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز عصر کے لئے سورج کو واپس لوٹایا، حالاں کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ (مدارج النبوت، جلد ا، ص ۳۳۰)

جو چاند اور سورج اسی شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سلطنت قاہرہ کے خادم کی حیثیت سے اس شہنشاہ کا حکم بجالاتے ہوں اور باادب حکم کی تعمیل کرتے ہوں، وہی چاند و سورج جب اس شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہوں گے تب یقیناً ان کا رنگ زرد ہو جائے گا اور ان کی روشنی اس آفتاب نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کے سامنے ماند پڑ جائے گی۔ ان تمام شواہد و حقائق کی روشنی میں حضرت رضا نے فرمایا ہے:

رنگ اڑے زرد رخ ماہ درخشاں ہوجائے
پنجہ خورشید کا اک پنجہ لرزاں ہوجائے

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے چاند اور سورج کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار کا خادم، کھلونا سوالی، طفیلی، منگتا وغیرہ قرار دیتے ہوئے کئی اشعار نظم فرمائے ہیں، جو آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں گوہر ایمان بن کر درخشاں ہیں۔ وہ اشعار قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ کرنے اور ایمان کو تازگی دینے کی غرض سے ذیل

میں پیش کیے جاتے ہیں۔

یَـا شَمۡسُ نَظَرۡتِ اِلٰی لَیۡلِی چوں بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

●

لَكَ بَـدۡرٌ فِیۡ الۡوَجۡهِ الۡاَجۡمَل خطہ ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

●

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

●

تاب مرآت سحر گرد بیابان عرب
غازۂ روئے قمر دود چراغان عرب

●

مہر کس منھ سے جلوداریٔ جاناں کرتا
سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست

●

رہا جو قانع یک نان سوختہ دن بھر
ملی حضور سے کان گہر جزائے فلک

●

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

●

جابجا پرتو فگن ہیں آسماں پر ایڑیاں
دن کو ہیں خورشید شب کو ماہ و اختر ایڑیاں

●

چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آگئی
کرچکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں

●

ان کے جلال کا اثر دل سے لگائے ہے قمر
جو کہ ہو لوٹ زخم پر داغ جگر مٹائے کیوں

●

ہے انھیں کے نور سے سب عیاں
ہے انھیں کے جلوہ میں سب نہاں
بنے صبح تابش مہر سے
رہے پیش مہر یہ جاں نہیں

●

رخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

●

خورشید تھا کس زور پہ کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

●

ماہ شق گشتہ کی صورت دیکھو کانپ کر مہر کی رجعت دیکھو
مصطفٰی پیارے کی قدرت دیکھو کیسے اعجاز ہوا کرتے ہیں

●

اشک شب بھر انتظار عفو امت میں بہیں
میں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ واہ

●

نیم جلوے کی نہ تاب آئے قمر ساں تو سہی
مہر اور ان تلوؤں کی آئینہ داری واہ واہ

●

جس کو قرص مہر سمجھا ہے جہاں اے منعمو
ان کے خوان جود سے ہے ایک نان سوختہ

●

مہر عالم تاب جھکتا ہے پئے تسلیم روز
پیش ذرات مزار بے دلان سوختہ

●

روکش خورشید محشر ہو تمھارے فیض سے
اک شراء سینۂ شیدائیان سوختہ

●

جس نے ٹکڑے کیئے ہیں قمر کے وہ ہے
نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی (ﷺ)

●

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

●

چاند اشارے کا ہلا حکم کا باندھا سورج
واہ کیا بات شہا تیری توانائی کی

●

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

●

مہ بے داغ کے صدقے جاؤں
یوں دمکتے ہیں دمکنے والے

●

اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں
اے جان جاں میں جان تجلّا کہوں تجھے

●

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

●

تم تو چاند عرب کے ہو پیارے تم تو عجم کے سورج ہو
دیکھو مجھ بے کس پر سب نے کیسی آفت ڈالی ہے

●

شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السلام
خوبی انھیں کی جوت سے شمس و قمر کی ہے

●

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

●

ستم کیا کیسی مت کٹی تھی قمر وہ خاک ان کے رہ گزر کی
اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب کو دیکھتا مٹے تھے

●

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

●

بھیک لے سرکار سے لا جلد کاسہ نور کا
ماہ نو طیبہ میں بٹتا ہے مہینہ نور کا

●

تاب مہر حشر سے چونکے نہ کشتہ نور کا
بوندیاں رحمت کی دینے آئیں چھینٹا نور کا

●

یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

●

تاب سم سے چوندھیا کر چاند انھیں قدموں پھرا
ہنس کے بجلی نے کہا دیکھا چھلاوہ نور کا

●

عکس سم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند
پڑ گیا سیم و زر گردوں پہ سکہ نور کا

●

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

●

کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

●

دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کف پا چاند سا
سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروروں درود

●

چھینٹ تمھاری سحر چھوٹ تمھاری قمر
دل میں رچا دو ضیا تم پہ کروروں درود

●

مہر چرخ نبوت پہ روشن درود
گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام

●

صاحب رجعت شمس و شق القمر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام

●

جن کے آگے چراغ قمر جھلملائے
ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

●

مہد والا کی قسمت پہ صدہا درود
برج ماہ رسالت پہ لاکھوں سلام

●

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

●

یہ شمس و قمر یہ شام و سحر یہ برگ و شجر یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر یہ تاج و قمر یہ حکم رواں تمھارے لئے

●

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خر کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمھارے لئے

●

یہ کسی کا حسن ہے جلوہ گر کہ تپاں ہیں خوبوں کے دل جگر
نہیں چاک زیب گل و سحر کہ قمر بھی سینہ فگار ہے

●

میری ظلمتیں ہیں ستم مگر ترا مہ نہ مہر کہ مہر گر
اگر ایک چھینٹ پڑے ادھر شب داج بھی تو نہار ہے

●

تو نیاز سبق شمیہ ہے شمس منیر
نور آموز ہے یا رب یہ دبستاں کس کا

●

ہے بجا مہر و قمر پر ناز روئے آئینہ
چاند طیبہ کا ہے روشن ساز روئے آئینہ

●

ہمارے دیکھے ہوئے ہیں مدینے کے ذرے
سنادو مہر کو اب دعویٔ ضیا نہ کرے

مذکورہ اشعار میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضور اقدس، شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلے میں چاند اور سورج کو حضور کے نور کا طفیلی، حضور کے چہرۂ اقدس کے نور کا سوالی، حضور کے اشارے پر چلنے والے، حضور کی سواری کی گرد کی خیرات حاصل کرنے والے، حضور کے قدم ناز اور تلوؤں کے آئینہ دار، حضور کے صدقے میں چمکنے والے، حضور کے دربار کی سلامی بجالانے والے، حضور کی تعظیم کے لئے جھکنے والے، حضور کی سرکار میں کاسۂ گدائی لئے ہوئے اور حضور کے نور سے بھیک حاصل کرنے والے کا صریح الفاظ میں وضاحت کی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو سراج منیر، بدرالدجیٰ، شمس الضحیٰ، مہر چرخ نبوت، ماہ رسالت، طیبہ کا چاند، ماہ کامل، مہ رو، سورج اور چاند سے بھی زیادہ روشن تلوؤں والے، عرب کے چاند، عجم کے سورج، چاند سورج کو اپنے چہرۂ اقدس کے نور کی خیرات سے منور و مجلّٰی فرمانے والے وغیرہ صفات کا حامل بتایا ہے۔

(127)

ہوئی کالے گورے کی پلٹن میں بدلی
کہ بدلی کے آتے ہی تارے تھے غائب

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۲۴)

حل لغت:

کالا: سیاہ، اسود، کالے رنگ کا آدمی، سیاہ فام، سانپ، ناگ، مار سیاہ۔

(فیروز اللغات، ص ۹۷۶)

گورا: چٹا، سفید رنگ والا، خوبصورت، حسین، یورپین، فرنگی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۱۳)

پلٹن: پیادہ فوج کا دستہ۔ (فیروز اللغات، ص ۳۰۱)

بدلی: تبدیلی، منتقلی، ایک شخص کے کام پر دوسرے کا جانا، بادل کی تصغیر، بادل کا ٹکڑا۔

(فیروز اللغات، ص ۱۸۸)

غائب: غیر حاضر، پوشیدہ، جو موجود نہ ہو۔

(فیروز اللغات، ص ۹۰۹ ☆ لغات کشوری، ص ۵۰۱ ☆ کریم اللغات، ص ۱۱۳)

پہلے مصرع میں لفظ ''بدلی'' کا مطلب ''تبدیلی'' ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ''بدلی'' کا مطلب ''بادل کا ٹکڑا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب، خلیفۃ المسلمین، امیر المؤمنین، غیظ المنافقین، امام المجاہدین،

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ عالی میں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ سیاہ فام اور سفید رنگ والے سپاہی کی پلٹن یعنی پیادہ فوج میں بدلی (تبادلہ) ہوئی اور وہ بدلی ایسی تھی کہ جیسے بدلی (بادل کا ٹکڑا) آتے ہی فوراً ستارے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''بدلی'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ ''بدلی'' ہے اس کا مطلب تبدیلی منتقلی اور تبادلہ وغیرہ ہے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ ''بدلی'' ہے اس کا مطلب بادل کا ٹکڑا ہے۔ دونوں لفظ بدلی حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

یہ شعر اس قصیدہ مبارکہ کا ہے جو حضرت رضا بریلوی نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں مرقوم فرمایا ہے۔ اس قصیدہ میں حضرت رضا نے مختلف عنوانات کے تحت ایک ہی بحر میں (۲۰۷) دو سو سات اشعار کہے ہیں۔ اس قصیدہ میں فضائل فاروق اعظم، جہاد غازیان اسلام، قتال بہ کفار، ذم بدمذہبان، ہجوئے مبتدعان، دعا وغیرہ متفرق عنوانات کے تحت عالی شان اشعار فرمائے ہیں۔ اس قصیدہ کی ابتداء اس شعر سے کی ہے:

عمر وہ عمر جس کی عمر گرامی ☆ ہوئی صرف ارضائے خلاق واہب

یعنی حضرت عمر فاروق اعظم کی ذات وہ ذات ہے کہ جن کی پوری زندگی خلاق واہب یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں صرف ہوئی۔ اس شعر سے قصیدہ کی ابتداء کرنے کے بعد حضرت رضا بریلوی نے احادیث کی روشنی میں آپ کے مناقب، دین متین کی خدمات، آپ کا عدل و انصاف، آپ کا رعب و دبدبہ، امور خلافت کا انتظام، تصلب فی الدین، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ، محبت رسول کا جذبہ، شان محدثانہ، شان تفقہ، آپ کی رائے کی موافقت میں نزول آیات قرآن، آپ کی فراست ایمانی، آپ کے دور میں فروغ اسلام اور فتوحات وغیرہ کا ایک دلکش انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔ اس قصیدے کے چند اشعار

بطور نمونہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

وہ ملک خدا کا اولو العزم ناظم | وہ شرع رسالت کا ذوالقدر نائب
وہ ربانی عالم و حقانی حاکم | وہ دقت شناس رموز غرائب
یہ ارشاد بھی ہے کہ قرآں میں داخل | جناب عمر کے ہیں آرائے ثاقب
وہ گھنگھور اُمڈے وہ پُر شور برسے | عدالت کے بادل کرم کے سحائب

پورا قصیدہ واقعی قابل دید وصد تحسین ہے۔ اس قصیدے میں عنوان ''صفت جہاد غازیان اسلام بر کفار لئام'' کے تحت آپ نے سیاہ پوش مجاہدین کا تذکرہ فرمایا ہے، اوران واقعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اسلامی لشکر کے مجاہدین رات کے اندھیرے میں سیاہ لباس پہن کر دشمنوں کے قلعوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔اور دشمنوں پر بادل کی طرح چھا گئے اور قلعہ فتح کرلیا۔اسلامی لشکر کا قلعہ پر تسلط ہوتے ہی قلعہ کے اندر ہمیشہ قائم ہونے والی رقص و سرور اور فسق و فجور کی محفلیں بند ہوگئیں اوران محافل میں ستاروں کی مانند جگمگانے والے قمقمے غائب ہوگئے۔اسی کا تذکرہ حضرت رضا نے اس شعر میں فرمایا۔سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی لشکر نے جو فتوحات حاصل کیں،اوران فتوحات کو حاصل کرنے کے لئے مجاہدین اسلام نے جس بہادری، جواں مردی، جاں بازی اور جس جذبۂ ایثار وقربانی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی داستان تاریخ کے اوراق پر سنہرے حروف سے منقش ہے۔خصوصاً حضرت ابوعبیدہ بن جراح،حضرت خالد بن ولید،حضرت ضرار بن ازور،حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر،حضرت شرحبیل بن حسنہ،حضرت عکرمہ بن ابوجہل،حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن جعفر بن عبدالمطلب ،حضرت زبیر بن العوام،حضرت سعید بن عامر،حضرت یزید بن ابوسفیان، حضرت ربیعہ بن عامر، حضرت عمرو بن العاص بن وائل، حضرت سعید بن خالد بن سعید، حضرت رافع بن عمیرہ الطائی، حضرت کعب بن مالک انصاری، حضرت عبداللہ

بن عمر بن خطاب ،حضرت عبادہ بن صامت ،حضرت خولہ بنت ازور وغیرہ۔ان واقعات کی تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے حضرت علامہ واقدی کی تصنیف فتوح الشام ومصر کا مطالعہ کریں۔

ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن شریف میں اکثر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کی تائید موجود ہے۔

علامہ شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''فضائل الامامین'' میں حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ میرے رب نے میری موافقت اکیس جگہ فرمائی ہے۔یعنی قرآن شریف میں اکیس مقام پر حضرت فاروق اعظم کی رائے کے مطابق آیات قرآن نازل ہوئی ہیں۔ (تاریخ الخلفاء:از:علامہ امام جلال الدین سیوطی،ص ۹۸،اردو ترجمہ)

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی سے اسلام کو بہت ہی تقویت اور غلبہ حاصل ہوا ہے،اور یہ سب آقا ومولیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس دعا کا ثمرہ تھا۔

حاکم نے حضرت ابن عباس سے،طبرانی نے اپنی معجم اوسط میں حضرت ابوبکر صدیق سے اور معجم کبیر میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی کہ:''اِلٰہَ الْعَالَمِیْنَ! عمر بن خطاب سے اسلام کو غلبہ عطا فرما''، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی۔آپ کا اسلام لانے کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔آپ تلوار لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے نکلے تھے۔ راستہ میں پتہ چلا کہ آپ کی بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں۔آپ انھیں تعزیر کرنے ان کے مکان پر گئے۔اس وقت وہ دونوں اور حضرت حباب مل کر قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔آپ نے اپنے بہنوئی اور بہن کو زدوکوب کیا۔بعدہٗ جب قرآن مجید کی مقدس آیات ملاحظہ فرمائیں تو دل کی دنیا بدل گئی اور آپ حاضر بارگاہ رسالت ہوکر ایمان لے آئے۔آپ کے قبول اسلام سے مسلمانوں کو طاقت اور ہمت حاصل ہوئی۔آپ نے اپنا

اسلام لانا مخفی نہیں رکھا، بلکہ علی الاعلان ظاہر کیا۔ بلکہ اپنے ماموں ابوجہل بن ہشام اور دیگر سرداران قریش کے گھر جاجا کر اپنے اسلام قبول کرنے کی حقیقت سے ان کو واقف کرایا۔ ابوجہل رشتے میں آپ کا ماموں ہوتا تھا۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ عنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ ابوجہل کی بہن تھیں۔ آپ کے اسلام لانے سے کفار مکہ مرعوب ہوگئے اور مسلمان علی الاعلان نماز پڑھنے لگے اور اس دن سے اسلام عروج اور ترقی پانے لگا اور آپ کی شہادت تک ترقی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

ابن سعد اور حاکم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے، اسلام کی حالت ایسی ہوگئی جیسا ایک اقبال مند شخص جس کا ہر قدم ترقی کی جانب ہوتا ہے، اور جب سے آپ شہید ہوئے یہ حالت ہوئی کہ اسلام کے عروج و ترقی میں کمی آتی گئی اور اس کا ہر ہر قدم پیچھے کی طرف ہی پڑنے لگا۔ (تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص۱۹۰)

بخاری اور مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جس راستے سے تم گزرو گے اس راستے سے شیطان نہیں گزرے گا، بلکہ وہ دوسرے راستے سے جائے گا۔ (تاریخ الخلفاء، ص۱۹۲)

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر سے شیطان خوف کے باعث بھاگتا ہے۔

(تاریخ الخلفاء، ص۱۹۳)

ترمذی و حاکم نے عقبہ بن عامر سے، طبرانی نے ابوسعید خدری اور عصمہ بن مالک سے اور ابن عساکر نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہی ہوتے۔''

آپ ۶ھ نبوی میں ۲۶/سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جس دن انتقال ہوا، آپ اسی روز خلیفہ منتخب ہوگئے تھے یعنی بروز سہ شنبہ، ۲۲/جمادی الاخریٰ ۱۳ھ۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۰۸)

آپ نے اپنے دورِ خلافت میں عدل وانصاف قائم کیا اور آپ امیر المؤمنین ہونے کے باوجود ایک عام آدمی کی طرح سادہ زندگی بسر فرماتے تھے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر صوف کا لباس پہنتے تھے، جس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوتا۔ حالاں کہ آپ خلیفہ تھے اور اسی لباس میں درہ لئے ہوئے بازار تشریف لے جاتے اور اہل بازار کو تادیب وتنبیہ فرماتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۰۶)

حضرت عبداللہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سفر حج کیا۔ سفر کے دوران آپ منزل پر جب پڑاؤ کرتے تو کوئی خیمہ یا شامیانہ نہیں لگواتے تھے۔ بلکہ یوں ہی کسی درخت کے نیچے کمبل یا کپڑے وغیرہ کا سائبان ڈال لیا کرتے تھے اور اسی کے سایہ میں آرام فرمالیا کرتے تھے۔ (ایضاً)

حضرت محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خسر بیت المال سے کچھ لینے آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ کیا آپ کی یہ خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان بادشاہوں کی فہرست میں شامل کرے جو خیانت کیا کرتے تھے؟ اس کے بعد آپ نے اپنے ذاتی مال سے دس درہم ان کو دیئے۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۰۷)

آپ کی بے شمار کرامات یہاں پر تفصیلاً بیان کرنا ممکن نہیں، لہٰذا صرف دو کرامتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بیہقی اور ابونعیم نے دلائل النبوت میں اور لالکائی نے شرح السنہ میں اور ابن العربی نے

کرامات الاولیاء میں اورالخطیب نے رواۃ مالک میں حضرت نافع سے بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلامی لشکر کا امیر بنا کر نہاوند نامی مقام پر جنگ کے لئے بھیجا تھا۔ کچھ عرصہ بعد آپ نے اثنائے خطبہ جمعہ فرمایا ''یَا سَارِیَۃُ اَلْجَبَلَ'' یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف۔ یہ جملہ آپ نے دوران خطبہ تین مرتبہ دہرایا۔ چند روز کے بعد اس لشکر کا فرستادہ ایلچی آیا۔ آپ نے اس سے جنگ کے حالات دریافت کئے اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! ہم کو شکست ہو چکی تھی کہ یکا یک ہم نے تین بار یہ آواز سنی کہ ''اے ساریہ! پہاڑ کی طرف'' چنانچہ ہم نے فوراً پہاڑ کی طرف رخ کیا۔ ہمارا ادھر رخ کرنا تھا کہ جنگ کا رخ بدل گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کو شکست دی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب خطبہ کے دوران آپ نے ''یَا سَارِیَۃُ اَلْجَبَلَ'' کہا تھا تو لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا تھا کہ حضرت ساریہ تو نہاوند (عجم) میں ہیں اور آپ ان کو یہاں پکار رہے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء، ص۲۰۱)

ابوالشیخ کتاب العصمت میں قیس بن حجاج سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر فتح کیا تو ایک مقررہ دن پر جو اہل عجم کا معمول تھا بہت سے لوگ حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہماری کھیتی باڑی کا دارومدار دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایک قدیم طریقہ (ٹوٹکے) کے بغیر جاری نہیں ہوتا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ قدیم طریقہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ جب چاند کی گیارہ تاریخ آتی ہے تو ہم ایک کنواری لڑکی کا انتخاب کر کے اس کے والدین کی رضا مندی سے اسے اعلیٰ درجہ کے زیورات اور کپڑے پہناتے ہیں اور پھر اسے دریائے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ پس اس مرتبہ بھی دریائے نیل میں پانی نہیں، لہٰذا ہمیں بھینٹ چڑھانے کی اجازت دی جائے۔

حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ یہ تمام لغو اور بے سروپا باتیں ہیں۔ اسلام ان تمام باطل باتوں اور وہموں کو مٹانے آیا ہے، لہٰذا میں اجازت نہیں دیتا۔ آپ نے اجازت نہ دی اور دریائے نیل بالکل خشک ہوگیا۔ بہت سے لوگ ہجرت کر کے ترک وطن پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صورت حالت سے آگاہ کیا۔ حضرت عمر نے جب حضرت عمرو کا خط پڑھا تو آپ نے ان کو جواب میں لکھا کہ تم نے مصریوں کو بہت اچھا جواب دیا ہے۔ اسلام ان تمام لغو باتوں کو مٹانے آیا ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ ملفوف کر رہا ہوں، اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب حضرت عمرو بن العاص کے پاس امیر المؤمنین کا وہ خط آیا تو اس میں دریائے نیل کے نام جو رقعہ تھا اس میں یہ لکھا تھا:

''بندۂ الٰہی عمر امیر المؤمنین کی طرف سے۔ دریائے نیل کو معلوم ہو کہ اگر تو خود بخود جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو اور اگر تجھے اللہ تبارک وتعالیٰ جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد قہار سے استدعا کرتا ہوں کہ تجھے جاری کر دے۔ فقط''

حضرت عمرو بن العاص نے اس رقعہ کو صبح سورج طلوع ہونے کے پہلے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ جب اہل مصر صبح کو خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح جاری کر دیا ہے کہ معمول سے سولہ گز پانی زیادہ چڑھ گیا ہے، اور اسی دن سے اہل مصر کی یہ مذموم اور جاہلانہ رسم بھی ختم ہوگئی۔ (تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص ۲۰۳)

آپ کے دور میں بے حد فتوحات حاصل ہوئیں اور اسلام جزیرۂ عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے ممالک عجم میں دور دور تک پہنچ گیا۔ آپ کے دور خلافت میں جو فتوحات حاصل ہوئی ہیں ان میں سے اہم اہم چند فتوحات کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

۱۴ھ : دمشق، حمص، بعلبک، بصرہ، اریکہ، اجنادین، سحنہ، تومر۔

۱۵ھ : اردن، طبریہ، یرموک، قادسیہ، نجم، بنج، تابلس، یراعہ، جوسیہ، جابیہ۔

۱۶ھ : اہواز، مداین، عراق، جلولا، تکریت، بیت المقدس، قنسرین، سروج، حلب، انطاکیہ، منبج، اعزاز۔

۱۸ھ : قرقیسا، نیشاپور، حلوان، سمساط، حران، نصیبین۔

۱۹ھ : قیساریہ۔

۲۰ھ : مصر، تستر۔

۲۱ھ : اسکندریہ، نہاوند۔

۲۲ھ : آذربائیجان، دینور، ماسبذان، ہمدان، طرابلس، الغرب، رے، عسکر، قومس۔

۲۳ھ : کرمان، سجستان، مکران، اصفہان۔

۲۳ھ ہجری کے آخر میں حج سے تشریف آوری کے بعد آپ کی شہادت واقع ہوئی، حضرت سعید بن مسیّب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ سے ابطح واپس آتے ہوئے اپنے اونٹ کو راستہ میں بٹھایا اور اس کی پشت سے تکیہ لگا کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی! میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میرے قُویٰ میں ضعف آ گیا ہے۔ رغبتوں میں انتشار آ گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں ناکارہ ہو جاؤں اور میری عقل میں فتور پیدا ہو جائے، تو مجھے اپنے پاس طلب فرما لے۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور ابھی ذوالحجہ کا مہینہ ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔ (تاریخ الخلفاء، اردو ترجمہ، ص ۲۱۰)

آپ کی شہادت کا سبب یہ ہے کہ زہری اور ابورافع اور عمرو بن میمون انصاری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ کسی نابالغ لڑکے کو مدینہ منورہ میں باہر سے داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک بار حاکم کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو لکھا کہ یہاں ایک بہت ہی ہوشیار اور کاریگر لڑکا موجود ہے اور اس کو بہت سے ہنر آتے ہیں۔ لوہاری، بڑھئی گیری اور نقاشی کا کام عمدہ کرتا ہے۔ لہٰذا اس کو مدینہ میں داخلہ کی

اجازت دیں، تاکہ وہ اہل مدینہ کے کام آسکے۔آپ نے اسے اجازت دے دی۔ وہ لڑکا کوفہ سے مدینہ آیا اور آکر اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی شکایت کی کہ انھوں نے کوفہ میں مجھ پر سو درہم کا خراج (ٹیکس) لگا دیا ہے۔آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ ٹیکس زیادہ نہیں۔آپ کا یہ جواب سن کر وہ لڑکا جس کا نام ابولولو تھا وہ غصہ سے تلملا اٹھا۔ ناگواری کے عالم میں آپ کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا اور اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کرلیا۔ ایک دودھارا خنجر زہر میں بجھا کر اسے اپنی آستین میں چھپا کر مسجد کے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر کے لئے لوگوں کو جگاتے ہوئے اس کے پاس سے گزرے تو اس نے آپ کے جسم پر پے در پے تین وار کئے۔شوروغل ہونے پر مسجد میں موجود لوگ وہاں پہنچے تو ابولولو نے بارہ (۱۲) اور افراد کو بھی زخمی کیا۔ان مجروحین میں سے چھ افراد کا انتقال ہوگیا۔اس حال میں کہ ابولولو لوگوں کو زخمی کررہا تھا۔ایک عراقی نے اس پر کپڑا ڈال دیا تاکہ وہ الجھ جائے اور اسے گرفتار کرلیا جائے۔جب وہ اس کپڑے میں الجھ گیا تو اس نے اسی وقت خودکشی کرلی۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۱۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ ابولولو مجوسی تھا۔اور عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میری موت کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۱۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۶/ذی الحجہ ۲۳ھ بروز چہارشنبہ (بدھ) شہید ہوئے، اور یک شنبہ (اتوار) کے دن محرم کی چاند رات کو دفن ہوئے۔آپ کے جنازے کی نماز حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت حاصل کرکے آپ کو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوار میں دفن کیا گیا۔(اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ)

(128)

میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن
حق یہ میرا ہے احمد نوری

(حدائق بخشش، حصہ۳،ص۷۷)

حل لغت:

حق: سچ، صدق، لائق، واجب، درست، بجا، ٹھیک، ثابت، قائم، فرض، ذمہ دار، جائز، مباح، انصاف، صحت، واقعہ، منصب، اختیار، ملکیت، درست، راست، سزاوار، وعدہ پورا کرنا، بات سچ بولنا، خدائے تعالیٰ کا ایک صفاتی نام۔

(فیروز اللغات، ص۵۷۱☆لغات کشوری، ص۲۳۷)

حقدار: مستحق، حق رکھنے والا، وارث، جس کا حق ہو، حصہ والا۔

(فیروز اللغات، ص۵۷۲☆لغات کشوری، ص۲۳۸☆کریم اللغات، ص۵۸)

حق میں: بارے میں، متعلق، تعلق سے، درباب، بابت۔

پہلے مصرع میں لفظ ’’حق‘‘ کا مطلب ’’بارے میں‘‘ ہے۔

دوسرے مصرع میں لفظ ’’حق‘‘ کا مطلب ’’حقدار‘‘ ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے پیر و مرشد آقائے نعمت، خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ کے سجادہ نشین اور خلیفہ سراج السالکین، نورالعارفین، حضرت

سیدشاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں معروضہ پیش کررہے ہیں۔اور استدعا والتجا کرتے ہیں کہ اے میرے آقا! میرے حق (بارے) میں آپ کے پاس کوئی میرا مخالف آکرشکایت کرے یااورکوئی درخواست لائے تو براہ کرم آپ اس پر التفات نہ فرمائیں اورسماعت نہ کریں۔میں آپ کے درمقدس کا غلام ہونے کے ناطےایک وفادار غلام کی حیثیت سے آپ کی جناب میں یہ معروضہ اس امید پرپیش کرتا ہوں کہ سرکارایک آقا کی حیثیت سے اپنے غلام پرکرم فرماکرشرف قبولیت سےنوازیں گے۔

اس شعر میں لفظ''حق'' کا دومرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔مصرع اول میں جو لفظ''حق'' ہےاس کے معنی بارے میں، تعلق سے، متعلق وغیرہ ہیں۔مصرع ثانی میں جولفظ''حق'' ہے اس کے معنی صلہ،حق، بدلہ،سزاوار،منصب،اختیاروغیرہ ہیں۔دونوں لفظ حق حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی،لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعرفن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔''میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن'' کا جملہ اس بات پردلالت کرتا ہے کہ حضرت رضا بریلوی تک یہ بات پہنچ چکی تھی کہ کچھ مخالف لوگ میرے مرکز عقیدت اورمیرے پیرخانہ تک پہنچ گئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ میرے لئے جو شخصیت واجب التعظیم والاحترام ہے۔یعنی حضور قبلہ سیدشاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کی بارگاہ میں میرے خلاف شکایتیں اندراج کریں۔اور وہ مخالفین کوئی بدعقیدہ گروہ کے نہ تھے،کیوں کہ اگر وہ بدعقیدہ گروہ کے ہوتے تو کبھی بھی مارہرہ شریف حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کے پاس شکایت لےکرنہ آتے،کیوں کہ آپ کے یہاں کسی بدعقیدہ کے آنے کا امکان ہی نہیں تھا۔اس لئے کہ متصلب فی الدین ہونے کی وجہ سے کسی بھی بدعقیدہ کا آپ کے دربار میں گزر نہ تھا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے وقت کے مجدد تھے۔دین کے معاملہ

میں آپ کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ دین کے معاملے میں آپ کے یہاں اپنے و پرائے میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ بلکہ جو شریعت کا حکم ہوتا اسے آپ کسی کی رعایت ملحوظ رکھے بغیر بلا خوف لومۃ لائم بیان فرمادیتے تھے۔ جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد ہونی چاہیئے یا اندرون مسجد، منبر کے قریب ہونی چاہیئے یا دور؟ اس مسئلہ میں آپ کا علمائے بدایوں و رامپور سے اختلاف ہوا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کا موقف یہ تھا کہ جمعہ کی اذان خارج مسجد ہونی چاہیئے۔آپ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلائل و شواہد کے انبار لگا دیئے۔صرف اذان جمعہ کے تعلق سے آپ نے چار کتابیں تصنیف فرمادیں۔

(۱) اٰذان من الله لقيام سنة نبی الله

(۲) اوفی اللمعه فی اذان يوم الجمعه

(۳) شمامة العنبر فی محل النداء وراء المنبر

(٤) شمائم العنبر

آپ کی تصانیف میں مرقوم علمی دلائل کا جواب دینے سے مخالفین عاجز و قاصر رہ گئے۔ لہٰذا انھوں نے میدان دلائل سے ہٹ کر الزامات، افتراءات، اتہامات کا سہارا لیا۔ وثائق و تعلقات کا استعمال کرنا شروع کیا اور یہاں تک معاملہ پہنچایا کہ کورٹ میں مقدمہ بھی دائر کردیا۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل حضرت رضا بریلوی کو فتح مبین عطا فرمائی۔ حالاں کہ مخالفین نے جو طرز مخالفت اپنایا تھا وہ اتنا گھناؤنا اور غیر مہذب تھا کہ حضرت رضا بریلوی بہت کبیدہ خاطر ہوئے تھے اور اسی کبیدگی کے عالم میں بارگاہ غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں استغاثہ و استعانت کرتے ہوئے عرض کیا کہ:

عدو بددین مذہب والے حاسد ‏ ‏ ‏ تو ہی تنہا کا زور دل ہے یاغوث

حسد سے ان کے سینے پاک کردے ‏ ‏ ‏ کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یاغوث

عطائیں مقتدر غفار کی ہیں   عبث بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث

اس شعر میں حضرت رضا بریلوی نے بند لفظوں میں مولوی عبد المقتدر بدایونی اور مولوی عبد الغفار رامپوری کی طرف اشارہ فرمایا۔

خیر! مخالفین نے امام احمد رضا بریلوی کے پیر خانے تک شکایتیں کیں، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت رضا بریلوی خاندان برکات، مارہرہ مطہرہ کے بے حد معتقد تھے۔ مارہرہ مطہرہ کے سادات کرام کا آپ اتنا ادب واحترام کرتے تھے کہ ان حضرات کا حکم حضرت رضا کے لئے حرف آخر ہوتا تھا۔ مخالفین اس حقیقت سے واقف تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ صرف سادات کرام مارہرہ مطہرہ ہی حضرت رضا بریلوی کو کچھ کہنے سننے کا اختیار رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہاں سے دباؤ ڈالو۔ افتراءات وکذب بیانی کا سہارا لے کر حضرت رضا بریلوی کے خلاف مہم چلاؤ۔ لیکن وہ اس حقیقت کو شاید فراموش کر گئے تھے کہ خاندان برکات کے افراد ہمیشہ حق وصداقت پر ہی گامزن رہے۔ احقاق حق اور ابطال باطل میں وہ ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں۔ تصلب فی الدین اور اعلاء کلمۃ الحق کا جذبہ ان کے آباء واجداد نے ان کو گھٹی میں پلایا ہے۔ وہ ہر معاملے کو شریعت مطہرہ کے میزان عدل پر تولتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان تمام حضرات کو مارہرہ مطہرہ کے مقدس آستانے کے مرید حضرت رضا بریلوی کی حقانیت پر اعتماد و بھروسہ بھی تھا اور ان کی علمی صلاحیت سے واقف بھی تھے، بلکہ ان کو ناز تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اذان ثانی کے مسئلہ کے تنازع میں حضرت رضا بریلوی کو آستانہ عالیہ قادریہ، برکاتیہ، مارہرہ کی بھرپور تائید حاصل ہوئی، یہاں تک کہ اس مقدس آستانہ کے شہزادے وسجادہ نشین پیر طریقت، حامیٔ سنت، ماحیٔ بدعت و ضلالت، ناصر ملت، قاطع نجدیت ولامذہبیت، عالم باعمل، تاج العلماء، اولاد رسول حضرت علامہ سید محمد میاں قبلہ مارہروی قدس سرہٗ نے یہ ذمہ داری اٹھائی کہ حضرت رضا بریلوی پر بدایوں کی کورٹ میں جو مقدمہ دائر ہوا ہے اس کی تمام قانونی کارروائی اور مقدمہ کے تعلق سے

تمام جواب دہی میں کروں گا۔ چنانچہ آپ نے حسن اسلوبی سے اس مقدمہ کو حل کیا اور فتح مبین حاصل کی اور یہ ثابت کر دیا کہ حضرات سادات مارہرہ کی پشت پناہی حضرت رضا بریلوی کو حاصل ہے۔ حضرت رضا بریلوی ہمارے لئے پرائے نہیں بلکہ اپنے ہیں۔

حضرت رضا بریلوی اور حضرات سادات کرام مارہرہ مقدسہ کے مابین جو محبت، عقیدت اور تعلقات تھے اس کی نظیر شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ بریلی کا مرید اپنے آقاؤں پر قربان تھا اور مارہرہ کے پیر اپنے مرید پر مہربان تھے۔ بریلی کا مرید اپنے آقاؤں کے لئے اپنا دل بچھاتا تھا تو مارہرہ کے پیر اپنے مرید کے لئے آنکھیں بچھاتے تھے۔ بریلی کا مرید مارہرہ پر فدا تھا تو مارہرہ کے پیران عظام بریلی پر نازاں تھے۔ بریلی کا مرید اپنے مرشد کامل کی محبت میں فنائیت کی منزل میں پہنچ چکا تھا تو مارہرہ مقدسہ کے نفوس قدسیہ بریلی کے مرید کو ہمہ وقت نگاہ لطف وعنایت میں رکھتے تھے۔ بریلی کے مرید نے مارہرہ کے سادات کرام کے قدموں میں جگہ پانا باعث فخر سمجھا، تو مارہرہ کے پیروں نے بریلی کے مرید کے لئے اپنے دلوں میں مسکن عطا فرمایا۔ بریلی کا مرید اپنے آقاؤں کا خود کو غلام، گدا اور منگتا کہنے میں فخر محسوس کرتا تھا تو مارہرہ کے مرشدان کرام بریلی کے مرید کو اپنے خاندان کا چشم و چراغ کہنے میں فرحت و شادمانی محسوس کرتے تھے۔ بریلی کے مرید کو مارہرہ کے سادات کرام سے نسلاً کوئی نسبت نہ تھی۔ وہ پٹھان گھرانے کے اور یہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس اولاد۔ دونوں کا سلسلۂ نسب الگ، لیکن ایمانی نسبت اور بیعت کے رشتے نے وہ ترقی پائی کہ دونوں کے تعلقات میں اجنبیت کا شائبہ بھی نہ رہا۔ حضرت رضا بریلوی کو مارہرہ مطہرہ کے آقاؤں نے چشم و چراغ قوم پٹھان نہ کہا۔ ہاں، اگر کہا تو ایسا کہا کہ اس کے لہجے اور اس کہنے میں پوشیدہ اور عیاں محبت پر سب کچھ قربان، حضرت رضا بریلوی کو ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کا لقب مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں نے ہی عطا فرمایا ہے۔

محبت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جب محبت کی آگ دونوں طرف سے بھڑکتی ہے تو اس کے شعلے جہاں میں رونما ہوتے ہیں۔ محبت کا یہی رشتہ ثبات و دوام کو پہنچتا ہے۔ بریلی اور مارہرہ کی اٹوٹ اور لافانی محبت کا رشتہ اہل محبت کے لئے مشعل راہ ہے۔ پیرومرید کے باہم ایسے تعلقات تھے کہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون کس پر نازاں ہے۔ پیرومرید میں نوازش اور فنائیت کا ایسا مرکب جذبہ تھا کہ دیکھنے والے متعجب تھے، اور یہ جذبہ پہلی ہی ملاقات میں نظر کے اول ٹکراؤ کے وقت ہی پیدا ہوگیا اور اب تک باقی ہے اور انشاء اللہ تا قیامت قائم رہے گا۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے والد ماجد رئیس الاتقیاء حضرت مولانا نقی علی خان قدس سرہٗ کے ساتھ بہ معیت تاج الفحول، محبّ رسول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ بارادۂ بیعت حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول قدس سرہٗ کی خدمت میں مارہرہ شریف حاضر ہوئے تو پہلی ہی نشست میں حضور سیدنا آل رسول مارہروی قدس سرہٗ نے حضرت رضا بریلوی کو مرید بنانے کے ساتھ ساتھ خلافت بھی عطا فرمادی اور اپنے رنگ میں ایسا رنگ دیا کہ جب حجرۂ بیعت سے پیرومرید باہر تشریف لائے تو درگاہ معلیٰ میں حاضر خادموں نے یہ دیکھا کہ پیر اور مرید شکل وصورت میں اتنے مشابہ ہوگئے ہیں کہ پیر کون؟ اور مرید کون؟ یہ امتیاز صرف ڈاڑھی کے بالوں کی سفیدی اور سیاہی سے ہی ہو رہا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ پہلی ہی ملاقات میں مرید بنانے کے ساتھ ساتھ خلافت بھی عطا کردی۔ ایک شور بپا ہوگیا، کیوں کہ مارہرہ مقدسہ کا آستانہ وہ مقدس آستانہ ہے کہ جہاں سے خلافت حاصل کرنا تو بہت دور کی بات ہے، صرف مرید ہونے کے لئے بھی مارہرہ کی گلیوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ یہاں پر مرید ہونے کی غرض سے آنے والے کو ایک عرصہ تک عبادت وریاضت کی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، تب جا کر کہیں مرید ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ماحول میں خلافت کا متمنی ہونا بہت بڑی بات تھی اور اسی تمنا میں علماء ومفتیان

کا ایک گروہ سالہا سال سے آستانہ برکاتیہ مارہرہ میں سکونت پذیر تھااور مشغول عبادت وریاضت ،مصروف اورادووظائف تھا۔جب ان کو پتہ چلا کہ ایک نوجوان کوخلافت سے سرفراز کیا گیا ہے تو وہ حضورسیدنا آل رسول کی خدمت میں شکایت کناں ہوئے۔حضور آل رسول مارہروی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تم لوگ جب میرے پاس آتے ہوتب میلا کچیلا دل لے کر آتے ہو، جسے میں عبادت وریاضت سے صیقل کرتا ہوں اور یہ (حضرت رضا) تو صاف ستھرے آئے ہیں۔

حضرت خاتم الاکابرسید آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کا یہ مقولہ قابل غور وفکر ہے۔اس سے آپ کی فراست ایمانی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ایک نظر میں حضرت رضا بریلوی کے ظاہراور باطن دونوں کو دیکھ لیا۔

حدیث میں حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا''اِتَّقُوا فَرَاسَةَ الْمُؤمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ''یعنی مومن کی فراست سے بچو کہ بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

فراست کے لغوی معنی دانائی،تیز فہمی،سمجھ داری اور قیافہ شناسی ہے۔

(فیروز اللغات،ص۹۲۶)

حضورسیدنا آل رسول نے حضرت رضا کوفراست ایمانی سے دیکھا اور جان لیا کہ اس وقت مجھ سے بیعت ہونے کے لئے جو آرہا ہے یہ کوئی معمولی مولوی نہیں، بلکہ اپنے وقت کا عظیم مجدد ہے۔جوفتنوں کی آندھیوں سے تن تنہا مقابلہ کرے گا۔اس کی ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔روحانیت کی طاقت سے اسے مزین کرنا چاہیئے۔لہٰذا آپ نے بلاتأمل حضرت رضا بریلوی کو منصب خلافت سے پہلی ہی ملاقات میں مشرف فرمایا۔بعض ناعاقبت اندیش بزعم خویش اپنے کو ماہر مصنف سمجھنے کے مغالطہ میں میدان فن تصنیف میں جولانی کرنے

کی جرأت کرتے ہوئے اپنی موٹی موٹی انگلیوں میں قلم پکڑ لیتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ قلم کا گلا ہی دبا دیتے ہیں اور گلا دبانے کے نتیجہ میں قلم اشک سیاہ بہاتا ہے۔ جس کو وہ اپنے منہ میاں مٹھو مصنف صفحۂ قرطاس پر پھیلا کر اوراق ضائع کرتا ہے۔ اور اپنی بقراطی چھانٹتے ہوئے یہاں تک لکھ دیتا ہے کہ حضرت رضا بریلوی مرید ہونے سے قبل تک صرف مولانا احمد رضا تھے اور مرید ہونے کے بعد ان کو منصب مجدد حاصل ہوا۔ ایسا شخص اس مغالطہ میں ہے کہ اس جملہ کے ذریعہ میں حضور سیدنا سرکار آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت وفضیلت بیان کررہا ہوں، لیکن درحقیقت وہ عظمت بیان کرنے کے بھرم میں نادانستہ تنقیص کررہا ہے۔ اگر حضرت رضا بریلوی بیعت ہونے تک صرف مولانا احمد رضا ہی تھے تو حضور خاتم الاکابر نے پہلی ہی ملاقات میں خلافت کیوں دے دی؟ اور اپنا معمول اور اصول کیوں توڑا؟ جب کہ علمائے کرام ومفتیان عظام کی ایک جماعت عرصۂ دراز سے خلافت کی متمنی تھی اور حصول تمنا کے لئے خانقاہ شریف میں مسلسل حاضر رہ کر مشغول عبادت وریاضت تھی۔ ان تمام معمر اور جید علماء کو محروم رکھ کر ایک نوجوان کو خلافت عطا کرنے میں سبقت اور عجلت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا حضور خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ نے پہلی ہی نشست میں ایسے شخص کو خلافت دے دی جو صرف مولانا احمد رضا تھا۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ مارہرہ مقدسہ کے آستانہ عالیہ کی خلافت کوئی معمولی خلافت نہ تھی کہ آؤ اور خلافت لے لو۔ ارے جس مقدس آستانہ کے سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے بھی سخت ریاضتیں کرنی پڑتی ہوں، وہاں کیا اتنی آسانی سے خلافت دی جاسکتی ہے؟ اور وہ بھی ایسے شخص کو جو صرف مولانا ہے۔ کیا حضور خاتم الاکابر قدس سرہٗ میں حضرت رضا بریلوی کے منصب مجدد سے بے خبر تھے؟ کیا بے خبری میں خلافت دے دی؟ حاشا اللہ! وہ بے خبر نہ تھے، بلکہ ولایت کی اس اعلیٰ منزل پر فائز تھے کہ آنے والے کے ظاہر وباطن کو ایک نظر میں جانچ لیتے تھے۔ مومن کی فراست ایمانی کی بصارت کے حامل تھے۔

آنے والے ہر شخص کو آپ پہلی نظر میں ناپ لیتے تھے کہ کون کتنے پانی میں ہے؟ کون کور باطن ہے، اور کون قلب نورانی کا حامل ہے؟ یہ آپ کسی سے پوچھ کر معلوم نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ ایمانی ونورانی فراست سے اول نگاہ میں جان لیتے تھے، اور اسی لئے آپ نے پہلی نظر میں حضرت رضا بریلوی کو پہچان لیا کہ یہ صرف مولانا احمد رضا نہیں، بلکہ اپنے وقت کا مجدد اعظم ہے اور آپ کے اس تصرف کا اقرار کرنا ہی آپ کی یعنی حضور سید آل رسول مارہروی کی شان عظمت کا صحیح اعتراف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت رضا بریلوی بیعت ہونے کے وقت صرف مولانا تھے اور بیعت ہونے کے بعد مرتبۂ مجددیت کو پہنچے اور اس نظریہ سے یہ استدلال حاصل کرنا کہ میں حضور خاتم الاکابر سید آل رسول مارہروی قدس سرہٗ کی شان وعظمت ظاہر کر رہا ہوں تو یہ سراسر غلط ہے۔ کیا ایسے مضحکہ خیز استدلال کو حب علی یا بغض معاویہ نہیں کہا جاسکتا؟ بلکہ یہاں تو خطرناک معاملہ در پیش ہے۔ حضرت رضا بریلوی کے مجدد ہونے کا انکار کرنے سے حضور خاتم الاکابر مارہروی قدس سرہٗ کی شان فراست ایمانی پر حرف آتا ہے۔

علاوہ ازیں مجدد کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں یہ الفاظ ہیں کہ ''اِنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ'' یعنی مبعوث فرمائے گا۔

مبعوث کے لغوی معنی اٹھایا گیا، بھیجا گیا، پیدا کیا گیا ہے۔ (فیروز اللغات، ص۱۱۹۳)

ان تینوں معنی سے اور علاوہ ازیں علمائے ملت اسلامیہ کی تشریحات کے مطابق بحیثیت مجدد مبعوث ہونے والا پیدائشی مجدد ہوتا ہے۔ اس بحث کو طول نہ دیتے ہوئے صرف اتنا کہنا ہے کہ مبعوث کے جو تین لغوی معنی ہم نے لغت سے پیش کئے ہیں اس میں یہ کہیں بھی نہیں کہ مرید ہونے کے بعد۔ البتہ حضرت رضا بریلوی نے اپنے پیر ومرشد سے بہت کچھ فیض پایا۔ کامل بن کر آئے تھے لیکن پیر نے اکمل بنا دیا۔ پیر ومرشد نے اپنے اس مرید کو اتنا نوازا جس کا شمار کرنا مشکل ہے۔ پیر نے کیا دیا؟ مرید نے کیا حاصل کیا؟ یہ دینے والے پیر ومرشد جانیں

اور لینے والا مرید جانے۔ ہم کوتھرما میٹر لگانے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ بے تکی بکواس کہنے یا لکھنے کی ضرورت ہے کہ مرید ہوتے وقت صرف مولانا تھے۔ ایسے عظیم الشان پیر اور عظیم الشان مرید کے آپسی تعلقات اور درجۂ مراتب کے بیچ میں ٹانگ لڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کون؟ کس وقت؟ کس مرتبہ پہ تھے؟ ہمیں تو صرف یہی کرنا چاہیئے کہ حضرت رضا بریلوی کے نقش قدم پر چل کر جس آستانۂ عالیہ کی عظمت واحترام میں حضرت رضا بریلوی نے جن جذبات کا اظہار فرمایا ہے انہیں خلوص دل سے اپنائیں۔

حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دل میں آستانۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف اور خاندان برکات کے نفوس قدسیہ حضرات کی کیا عظمت ومحبت تھی، اس کا جائزہ لینے کے لئے آپ کی سوانح حیات اور آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' کی ورق گردانی کرنی ضروری ہے۔ حدائق بخشش میں حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کل ۱۲۶۵ اشعار خاندان برکات کے بزرگوں کی شان میں کہے ہیں۔ ان اشعار میں آپ نے اپنے دلی جذبات واعتقاد کا اظہار فرمایا ہے۔ سب سے زیادہ آپ نے سراج السالکین، نورالعارفین، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اشعار کہے ہیں۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۲۳/اشعار پر مشتمل منقبت:

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

۹۳/اشعار پر مشتمل منقبت:

ماہ سیما ہے احمد نوری
مہر جلوہ ہے احمد نوری

(حدائق بخشش، حصہ سوم، ص۲۷)

ایک شعر قصیدۂ نور کا مقطع:

اے رضاؔ یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

(حدائق بخشش، حصہ دوم)

ایک شعر لاکھوں سلام میں:

زیب سجادہ سجاد نوری نہاد
احمد نور طینت پہ لاکھوں سلام

ایک شعر منقبت اچھے میاں میں:

احمد نوری دریں ظلمات رنج و تشنگی
رہنمائم سوئے تو اے آب حیواں آمدہ

(حدائق بخشش، حصہ دوم)

اور کل ۱۱۹/ اشعار حضرت رضا بریلوی نے حضور سید شاہ ابوالحسین مارہروی کی شان میں قلم بند فرمائے ہیں۔ ان اشعار میں حضرت رضا بریلوی نے آپ کی عظمت و بزرگی کی شان کا اظہار کرنے کے ساتھ آپ کے ساتھ اپنی عقیدت، والہانہ محبت، حصول فیض، رشتہ گدائیت وغیرہ کا اظہار فرمایا ہے۔

چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

وارستہ پائے بستہ دام ابوالحسین — آزاد نار سے ہے غلام ابوالحسین
ہاں طالع رضاؔ تیری اللہ رے یاوری — اے بندۂ جدود کرام ابوالحسین

●

شکل دیکھو تو نور کی تصویر — نوری پتلا ہے احمد نوری
شب بدعت سے کہئے ہو کافور — نور افزا ہے احمد نوری

جس کا میں خانہ زاد اس کا تو　　پیارا بیٹا ہے احمد نوری

خاندانی کرم قدیمی جود　　تیرا حصہ ہے احمد نوری

اتنا کہہ دے رضاؔ ہمارا ہے　　پار بیڑا ہے احمد نوری

ہیں رضاؔ کیوں ملول ہوتے ہو　　ہاں تمھارا ہے احمد نوری

اسی طرح حضرت رضا نے اپنے پیرو مرشد آقائے نعمت خاتم الاکابر حضور سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کئی اشعار کہے ہیں۔ مثلاً:

۴۲؍اشعار پر مشتمل منقبت:

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول

خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول

ایک شعر شجرۂ منظوم میں:

دوجہاں میں خادم آل رسول اللہ کر

حضرت آل رسول مقتدا کے واسطے

ایک شعر لاکھوں سلام میں:

نور جاں عطر مجموعۂ آل رسول

میرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام

ایک شعر منقبت اچھے میاں میں:

بہر آں رنگیں ادا گلبرگ چند آل رسول

برکش از دل خار آلامے کہ درجاں آمدہ

۱۱؍اشعار منقبت در مدح تاج الفحول محبّ رسول مولانا عبدالقادر بدایونی میں۔

۵؍اشعار آپ کی تاریخ وصال میں بزبان عربی۔

یہ کل ۶۱؍اشعار ہیں۔ ان کی جھلک ملاحظہ فرمانے کے لئے شعر نمبر 119 ’’عین حق کا بنا

محبّ رسول'' کی تشریح کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

حضرت رضا بریلوی خاندان برکات، مارہرہ مطہرہ کے ساتھ ایسے گھل مل گئے تھے کہ خاندان والے حضرت رضا کو اپنے گھرانے کے ایک فرد کی حیثیت دیتے تھے۔ البتہ حضرت رضا نے تو اپنے آپ کو اس مقدس خاندان برکات کا غلام، گدا، منگتا اور سوالی ہی سمجھا اور اسی میں اپنی سعادت اور خوش نصیبی جانی، بلکہ انھوں نے اپنے کو خاندان برکات کا خانہ زاد ہی سمجھا۔ خانہ زاد یعنی مالک کے گھر میں پیدا ہونے والا، غلام، لونڈی کا بچہ۔

(فیروز اللغات، ص۵۸۴)

ان تمام تعلقات و رشتۂ عقیدت کی بناء پر حضرت رضا بریلوی حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں

میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن
حق یہ میرا ہے احمد نوری

اس شعر کے مصرع ثانی میں حق یہ میرا ہے کا جملہ استعمال فرما کر حضرت رضا بریلوی اپنا حق غلامی جتا رہے ہیں۔ کہ اے میرے کریم آقا! میں آپ کے در کا سوالی اور منگتا ہوں۔ اور کوئی حق اور شرف ہم کو آپ پر حاصل نہیں، البتہ آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہو کر آپ کے حلقۂ غلامی میں شمولیت کا شرف ضرور حاصل ہے اور اسی شرف غلامی کی بناء پر ایک غلام کی حیثیت سے آپ کی بارگاہ عالیہ میں اس امید کے ساتھ گزارش کرتا ہوں کہ آپ کریم آقا ہیں۔ سخی داتا ہیں، اور اپنے در کے منگتا اور غلاموں کی بات آپ کبھی نہیں ٹالتے، بلکہ اسے شرف قبولیت سے نوازتے ہیں۔

(129)

یہ رضاؔ آپ کا ادنیٰ سگ در ہے واللہ
اس پر ہو لطف و رضا حضرت غوث الثقلین

(حدائق بخشش، حصہ ۳، ص ۶۲)

حل لغت:

رضا: امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا تخلص ہے۔

ادنیٰ: کمینہ، چھوٹے درجہ کا، کم قدر، نیچ، اعلیٰ کی ضد، خفیف، تھوڑا، فقیر، کنگال، مفلس، بے دولت، بہت نزدیک، نالائق، کم رتبہ۔

(فیروز اللغات، ص ۷۸ ☆ لغات کشوری، ص ۲۳ ☆ کریم اللغات، ص ۶)

سگ: کتّا۔ (فیروز اللغات، ص ۸۰۴ ☆ کریم اللغات، ص ۹۲)

در: دروازہ، پھاٹک، چوکھٹ، اندر، بیچ۔

(فیروز اللغات، ص ۶۱۸ ☆ لغات کشوری، ص ۲۸۳ ☆ کریم اللغات، ص ۷۰)

واللہ: قسم خدا کی، بے شک، یقیناً، سچ مچ، فی الحقیقت۔

(فیروز اللغات، ص ۱۴۰۳ ☆ لغات کشوری، ص ۷۹۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۹۰)

لطف: عنایت، مہربانی، خوبی، عمدگی، نرمی، ملائمت، لذت، مزہ، حلاوت، خوش طبعی، نازکی، باریک بینی۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۵۶ ☆ لغات کشوری، ص ۶۳۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۷)

رضا: راضی ہونا، خوش ہونا، خوشنودی، خوشی، خوش۔

(فیروز اللغات، ص ۷۱۲ ☆ لغات کشوری، ص ۳۲۵ ☆ کریم اللغات، ص ۷۹)

غوث: فریاد کو پہنچنے والا، فریادرس، اہل اسلام میں ولایت الٰہی کا ایک درجہ، فریاد، عرض سننا۔

ثقلین: دونوں جہان، انسان اور جن، دو گروہ انس اور جن کے۔

(فیروز اللغات، ص ۴۳۷ ☆ لغات کشوری، ص ۱۸۰ ☆ کریم اللغات، ص ۴۵)

پہلے مصرع میں وارد لفظ ''رضا'' سے مراد ''حضرت امام احمد رضا بریلوی'' ہیں۔

دوسرے مصرع میں وارد لفظ ''رضا'' کا مطلب ''راضی ہونا'' ہے۔

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق و محبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان حضور غوث الثقلین، غوث اعظم پیران پیر دستگیر، سید شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی نسبت حلفیہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ بارگاہ غوثیت مآب میں عنایت ومہربانی کی درخواست کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اے دو جہاں اور گروہ جن اور انسان کی فریاد سننے والے اور فریاد پوری کرنے والے! یہ احمد رضا بریلوی آپ کے در کا ادنیٰ سگ ہے اور اپنے در پاک کے ادنیٰ سگ پر اے آقا! آپ مہربانی اور کرم فرمائیں۔ اس شعر میں لفظ ''رضا'' کا دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جو لفظ رضا ہے اس سے مراد حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی ہے۔ آپ اپنے نعتیہ کلام میں اپنا تخلص رضاؔ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ دوسری مرتبہ جو لفظ رضا ہے اس کے معنی راضی ہونا خوش ہونا وغیرہ ہیں۔ دونوں لفظ رضا حروف واعراب کے اعتبار سے مساوی، لیکن معنی اور مطلب کے اعتبار سے متفرق ہونے کی وجہ سے یہ شعر فن شاعری کی صنعت تجنیس کامل کا شعر ہے۔

اس شعر میں حضرت رضاؔ اپنے آپ کو سرکار غوث اعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در کا سگ یعنی کتا بتاتے ہیں، اور صرف کتا نہیں، بلکہ سگ کے ساتھ ادنیٰ کی اضافت فرما کر معمولی کتا کہہ رہے ہیں۔ حضور غوث اعظم کے در کا کتا ہونا بھی بڑی سعادت ہے آپ کے در کے کتے زمانے کے بڑے بڑے شیروں پر غالب آجاتے ہیں۔ جو مشہور واقعہ دیگر اشعار کی تشریح میں مذکور ہے حضرت رضا بریلوی اپنے آپ کو سرکار غوث اعظم کے در کا ادنیٰ سگ حلفیہ کہہ

رہے ہیں۔ مصرع اول کے اختتام پر ''واللہ'' سے اپنی بات کو خدا کی قسم کے ساتھ بیان کر رہے ہیں کہ خدا کی قسم! میں سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در کا ادنیٰ سگ ہوں۔ اپنی اسی ایک نسبت پر حضرت رضا بریلوی قانع اور متوکل ہو کر سرکار غوثیت مآب میں لطف و رضا کی درخواست کرتے ہوئے سرکار غوث اعظم کی مدح وثنا میں غوث الثقلین کا جملہ استعمال فرماتے ہیں۔ غوث کے لغوی معنی فریادرس، فریاد کو پہنچنے والا ہیں، اور ثقلین کے معنی ہوئے دونوں جہان اور گروہ انس وجن، تو غوث الثقلین کے معنی ہوئے دونوں جہان اور جنات و انسان کی فریاد کو پہنچنے والے۔ اور یہ حقیقت ہے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت دونوں جہاں اور گروہ جن وانس کو عام تھی، اسی طرح سرکار غوث اعظم دستگیر کی ولایت اور غوثیت بھی دونوں جہاں اور گروہ جن وانس کو عام تھی۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبداللہ سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے شیخ محی الدین عبدالقادر بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، جب کہ آپ اپنے مدرسہ میں کرسی پر بیٹھ کر فرماتے تھے کہ ہر ولی کسی نہ کسی کے قدم پر ہے، اور میں اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں قدم رکھا ہے میں نے بھی وہیں قدم رکھا ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ وہ نبی کا قدم ہے وہاں تک مرتبۂ نبی کے سوا اور کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص۵۴)

شیخ عارف ابو محمد بن ادریس یعقوبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے ''انسانوں کے مشائخ ہوتے ہیں، جنوں کے بھی مشائخ ہوتے ہیں اور فرشتوں کے بھی مشائخ ہوتے ہیں، میں سب کا شیخ ہوں۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص۵۵)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اپنے محبوب کے

محبوب حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا وسیع تصرف اوراختیارات عطافرمایا تھا کہ آپ انسان، جنات، فرشتے، چرند، پرند اور حیوانات پر بھی حکومت فرماتے تھے۔ چرنداور پرند پرحکومت کے تعلق سے کچھ واقعات شعرنمبر 56 ''بندہ قادر کا ہے، قادر بھی ہے عبدالقادر'' کی تشریح میں آپ ملاحظہ فرما چکے۔ آیئے آپ کو کچھ واقعات ایسے سناتے ہیں جن سے آپ کی جنات پر حکومت کا ثبوت ملتا ہے۔

شیخ ابوسعد بن عبداللہ بن احمد بن علی بن محمد بغدادی ازجی بیان کرتے ہیں کہ میری بیٹی جس کا نام فاطمہ تھا وہ ہمارے مکان کی چھت پر چڑھی۔ اچانک اس کو کوئی اٹھالے گیا۔ وہ کنواری تھی اوراس کی عمراس وقت ۱۶ سال تھی۔ میری لڑکی گم ہوگئی، میں پریشانی کے عالم میں شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوااور تمام ماجرابیان کیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ آج کی رات تم کرخ (ایک مقام ہے) کے جنگل کی طرف جاؤاور وہاں پانچویں ٹیلے کے پاس ٹھہرنا۔ زمین پر اپنے اردگرد ایک دائرہ کھینچ لینا، اور دائرہ کھینچتے وقت ''باسم اللہ تعالیٰ عبدالقادر'' کہنا اور پھر اس دائرے کے اندر ہی بیٹھے رہنا۔ پھر جب تھوڑی رات گزرے گی توتمھارے پاس جنوں کا گروہ آئے گا۔ جن کی صورتیں مختلف ہوں گی۔ تم ان سے مت ڈرنا۔ جب صبح ہوجائے گی تواس وقت ان کا بادشاہ ایک لشکر کے ساتھ تمھارے پاس آئے گااور تم سے تمھارا مقصد پوچھے گا۔ تم ان سے کہہ دینا کہ مجھ کو شیخ عبدالقادر جیلانی نے تمھارے پاس بھیجا ہے اوراس سے اپنی لڑکی کا معاملہ بیان کردینا۔ شیخ ابوسعد بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے حکم کے مطابق اسی جگہ گیااور حکم کے موافق عمل کیا،اور دائرہ کھینچ کر اندر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میرے پاس ڈراؤنی شکل والی صورتیں آنے لگیں۔ لیکن کسی کو مجال نہ تھی کہ اس دائرے کے قریب آئے جس میں کہ میں تھا۔ رات بھراسی طرح گروہ درگروہ آتے رہے، یہاں تک کہ جنات کا بادشاہ گھوڑے پرسوار ایک لشکر کے ساتھ آپہنچا۔ وہ آکر دائرے

کے پاس کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ اے انسان! تمھاری کیا حاجت ہے؟ میں نے کہا کہ مجھ کو شیخ عبدالقادر بغدادی نے تمھاری طرف بھیجا ہے۔

حضور غوث پاک کا نام سنتے ہی جنات کا بادشاہ گھوڑے سے اتر پڑا اور زمین کو بوسہ دے کر دائرے کے باہر بیٹھ گیا۔اس کے ساتھی بھی اس کی اطاعت کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ جنات کے بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ بتاؤ، تمھارا معاملہ کیا ہے؟ تب میں نے اپنی لڑکی کا حال بیان کیا۔اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تمام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ان ساتھیوں میں سے کچھ لوگ ایک جن کو پکڑ لائے۔اس جن کے ساتھ وہ لڑکی بھی تھی،اس جن کو پکڑ لانے والے جنات نے بادشاہ سے کہا کہ یہ ملک ''چین'' کا جن ہے۔ بادشاہ نے چین کے اس جن سے پوچھا کہ تم کو کس چیز نے اس امر پر برانگیختہ کیا کہ قطب کی رکاب کے نیچے چوری کرے؟ اس جن نے کہا کہ میں نے اس لڑکی کو دیکھا تو دیکھتے ہی فریفتہ ہوگیا اور اس کی محبت میرے دل میں سرایت کرگئی اور میں اس کو اٹھالایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑادی جائے۔ چنانچہ اس کو قتل کر کے میری لڑکی میرے حوالے کی۔ میں نے جنات کے بادشاہ سے کہا کہ آج رات جیسا معاملہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ تم شیخ عبدالقادر کی اس قدر فرماں برداری کرتے ہو۔اس نے کہا کہ ہاں! بیشک! وہ اپنے گھر بیٹھ کر ہم جنوں کو دیکھتے ہیں۔حالاں کہ وہ جنات دور کے رہنے والے ہوتے ہیں۔آپ جب جنات کی طرف دیکھتے ہیں تب آپ کی ہیبت کی وجہ سے جنات اپنے مکانوں کی طرف بھاگ جاتے ہیں، اور خدائے تعالیٰ جب کسی قطب کو مقرر کرتا ہے تو اس کو جنات اور انسانوں پر غلبہ دیتا ہے۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص ۲۱۱)

شیخ نصر اللہ بن قاسم، شیخ احمد بن ہاشمی کرخی، شیخ ابو صالح نصر، شیخ ابو عبدالرزاق، شیخ ابوالخیر بشیر بن محفوظ بن غنیمہ وغیر ہم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص شیخ محی الدین عبدالقادر

جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں اصفہان کا رہنے والا ہوں۔ میری ایک بیوی ہے جس کو اکثر مرگی کا دورہ رہتا ہے۔تعویذ، منتر وغیرہ کرنے والے بھی میری بیوی کے علاج سے عاجز آ گئے ہیں۔لہٰذا آپ کچھ توجہ فرما دیں۔آپ نے فرمایا کہ یہ ایک جن ہے جو سراندیپ کے جنگل کا رہنے والا ہے۔ اس کا نام خانس ہے۔اب جب بھی تیری بیوی کو مرگی کا دورہ آئے تو اس کے کان میں یہ کہہ دینا کہ اے خانس! شیخ عبدالقادر جو کہ بغداد میں رہتے ہیں، وہ تم سے کہتے ہیں کہ اب پھر نہ آئیو، اور اگر اب بھی منع کرنے کے باوجود آؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔وہ شخص واپس گیا اور حضور غوث پاک کے کہنے کے مطابق اس نے اپنی بیوی کے کان میں مرگی کے وقت کہہ دیا۔ دس سال کے بعد وہ شخص جب بغداد آیا اور اس سے پوچھا گیا، تو اس نے کہا کہ اس وقت سے لے کر اب تک میری بیوی کو مرگی کا کچھ بھی اثر نہیں۔اور منتر کرنے والوں کے سردار نے یہ بات کہی ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں چالیس سال تک بغداد میں کسی پر مرگی کا اثر نہیں ہوا۔جب آپ کا انتقال ہوا تو وہاں مرگی کا اثر ہوا۔ (بہجۃ الاسرار، اردو ترجمہ، ص۲۱۲)

(130)

وہ گل ہیں لبہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

حل لغت:

گل: پھول، معشوق، داغ، دھبہ، پھانسی، حقے کا جلا ہوا تمبا کو، وغیرہ۔

(فیروز اللغات، ص ۱۱۰۰ ☆ لغات کشوری، ص ۶۱۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۴)

لبہا: جمع ہے لب کی، ہونٹ، کنارہ، طرف، جانب، حاصل، کراڑا، حاشیہ، دور، کنی، منڈیر، تھوک، لعاب دہن، ہونٹوں کے اوپر کے بال، موچھیں، مغز، خالص ہر چیز کا۔ (فیروز اللغات، ص ۱۱۴۵ ☆ لغات کشوری، ص ۶۳۲ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۶)

نازک: پتلا، دبلا، چھریرا، لطیف، نفیس، نرم، کومل، جلد ٹوٹ جانے والا، خوبصورت، کمزور، باریک، دقیق، تیز، تند، ناز پرورده، ناز کا پلا ہوا، خطرناک، پیچیدہ۔

(فیروز اللغات، ص ۱۳۴۱ ☆ لغات کشوری، ص ۶۳ ۷ ☆ کریم اللغات، ص ۱۷۸)

جھڑنا: گرنا، ٹپکنا، بچت ہونا، نفع ہونا، انزال ہونا، منتر پھونکنا۔ (فیروز اللغات، ص ۴۹۴)

گلشن: پھول کا مقام، باغ۔ (لغات کشوری، ص ۶۱۹ ☆ کریم اللغات، ص ۱۳۴)

دوسرے مصرع میں شروع والے لفظ ''گلاب'' کا مطلب ''گلاب کا پھول''

ہے۔ ______________________

دوسرے مصرع میں بعد والے لفظ ''گلاب'' کا مطلب ''معشوق کا ہونٹ''

ہے۔ ______________________

شعر کی تشریح اور اس کے فنی محاسن

اس شعر میں امام عشق ومحبت حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فنافی الرسول کے جذبے کی کامل طور پر عکاسی کی ہے اور اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ الفت کے جذبے کا اظہار کرتے ہوئے جو تصور باندھا ہے، اس کی مثال اردو ادب میں درکنار کسی بھی زبان میں ملنا مشکل ہے۔ ایک عاشق صادق جب اپنے محبوب کے عشق کی اعلیٰ منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اسے کائنات کی ہر شئے میں اپنے محبوب کا جلوہ ہی نظر آتا ہے اور یہی کیفیت حضرت رضا کے عشق کی اس شعر میں محسوس ہورہی ہے۔ اس شعر میں حضرت رضا نے عشق ومحبت کی نادرزمن مثال پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے بڑے بڑے شعراء اور ادباء کو بھی حیرت اور سکتہ میں ڈال دیا ہے۔ کیوں کہ مصرع ثانی میں دو تجنیس کامل بیان کر کے امام الکلام کی اپنی حیثیت باور کرادی، جس کا صحیح اندازہ شعر کے مفہوم کو سمجھنے کے بعد ہی ہوگا۔

اس شعر میں حضرت رضا اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لبہائے مقدسہ یعنی مبارک لبوں کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ بے مثل ومثال آقا کے نازک ہونٹ مثل پھول کے ہیں، کہ جن سے ہزاروں پھول جھڑتے ہیں۔ پھر بلبل کا ذکر کرتے ہوئے مصرع ثانی میں فرماتے ہیں کہ اے بلبل! تو نے گلاب کے پھول کو گلشن میں کھلتا اور لہلہاتا ہوا دیکھا ہے۔ لیکن میرے آقا کے نازک لب ایسے گلاب ہیں کہ اس گلاب میں گلشن کھلتا ہوا نظر آرہا ہے۔ قارئین کی خاص توجہ درکار ہے کہ یہ مسلم دستور ہے کہ گلاب کا پھول باغ یعنی گلشن میں کھلتا ہے اور کئی گلاب کے پودے اور دیگر پھولوں کے پودے جمع ہوکر گلشن کہلاتے ہیں۔ صرف ایک پھول پر گلشن کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی گل میں گلشن کھلتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ گلشن میں گل کھلتا ہے، لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ کیوں کہ یہ دنیا کے کسی گلشن کے پھول کا معاملہ

نہیں ہے، بلکہ گلبن رحمت کے پھول کا معاملہ ہے۔ خالق کائنات جل جلالہ کی سب سے افضل وبہترین تخلیق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کے ہونٹ کا معاملہ ہے۔ یہ گل (ہونٹ) وہ گل ہے کہ جومحتاج گلشن نہیں، بلکہ گلشن اس کا خوشہ چیں ہے۔تو شعر کا مطلب یہ ہوا کہ عام طور پر گلشن میں پھول کھلتے ہیں،لیکن میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نازک ہونٹ ایسے پھول ہیں کہ جس پھول میں گلشن کھلتے ہیں۔ حضرت رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ مقدس تصور کوئی شاعرانہ تُک بندی نہیں ہے، بلکہ حقیقت پر مبنی ہےاور قرآن وحدیث کے ثقہ شواہد اس کی بناء ہیں۔اس شعر میں حضرت رضا نے ہونٹ کی صفت میں لفظ ''نازک'' کا استعمال فرما کر کتب احادیث کی ترجمانی کی ہے۔

طبرانی میں ہے:

''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْطَفُ عِبَادِ اللّٰهِ شَفَتَيْنِ''

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہونٹ اللہ کے تمام بندوں سے نرم و نازک تھے۔ وہ نازک ہونٹ جو پھول ہیں ان سے ہزاروں پھول جھڑتے ہیں۔اس سے مراد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوش گو زبان فیض ترجمان سے رشد و ہدایت کے جو جملے اور الفاظ نکلتے تھے وہ تمام الفاظ رشد وہدایت کے شاداب پھول ہیں اور ان کی تعداد ہزاروں، لاکھوں میں ہے۔ اور وہ تمام ہدایت کے پھول جمع ہوکر گلشن اسلام کی صورت اختیار کرتے ہیں۔تو ثابت ہوا کہ گلاب دہن سے خوش بیانی،لینت کلامی، رشد و ہدایت اور معرفت الٰہیہ کے گلشن لہک اور مہک رہے ہیں۔ یہ وہ دہن مبارک ہے کہ بقول حضرت رضا بریلوی ''وہ دہن جس کی ہر بات وحیٔ خدا'' ہے۔جس پر قرآن مجید کی گواہی موجود ہے۔

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوحٰى'' (سورہ النجم، آیت ۳)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔ (کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دہن شریف کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَایَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا الْحَقَّ ''یعنی قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس منھ سے حق کے سوا کچھ نکلتا نہیں۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا الْحَقَّ ''یعنی میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ حضرت رضا بریلوی کا حسن تخیل در پردہ قرآن و حدیث کی ترجمانی ہے کہ جن مبارک ہونٹوں سے علم و حکمت اور حق و صداقت کے شاداب پھول ہمیشہ جھڑتے ہوں۔ ان ہونٹوں کو گل سے تشبیہ دے کر یہ ثابت کرنا کہ اس پھول سے اور اس پھول میں گلشن آباد ہے۔ لہٰذا اے بلبل یعنی اے عاشق! اگر تجھے گلشن کی تمنا ہے تو پیارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہونٹ (گل) کا فدائی ہو جا، کیوں کہ اس گل کے شیدا کو دنیا و آخرت میں رحمتوں کے صرف پھول ہی نہیں، بلکہ پورا گلشن عنایت کیا جائے گا اور اس گلشن کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس پر خزاں تو درکنار بلکہ خزاں کا سایہ بھی نہیں پڑے گا، بلکہ گلشن پر دائمی طور پر بہار ہی بہار رہے۔

ماخذ و مراجع

نمبر	اسمائے کتب	صاحب کتاب	المتوفی
١	قرآن مجید	کلام اللہ	
٢	بخاری شریف	محمد بن اسمٰعیل بخاری	٢٥٦ھ / ٨٦٩ء
٣	مسلم شریف	مسلم بن الحجاج قشیری	٢٦١ھ / ٨٧٤ء
٤	سنن ابن ماجہ شریف	محمد بن یزید بن ماجہ	٢٧٣ھ / ٨٨٦ء
٥	ابوداؤد شریف	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	٢٧٥ء / ٨٨٨ء
٦	ترمذی شریف	محمد بن عیسیٰ ترمذی	٢٧٩ھ / ٨٩٢ء
٧	سنن نسائی شریف	احمد بن شعیب نسائی	٣٠٣ھ / ٩١٥ء
٨	وفاء الوفاء	علامہ سمہودی	٩١١ھ / ١٥٠٥ء
٩	جواہر البحار	علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی	١٣٥٠ھ
١٠	مسند بزار	سلیمان بن داؤد بن الجارود طیالسی، فارسی	٢٠٤ھ / ٨١٩ء
١١	الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو اندلسی	٥٤٤ھ / ١١٤٩ء
١٢	المواہب الدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	امام احمد بن محمد المصری القسطلانی	٩٢٣ھ
١٣	انباء الازکیاء فی حیوٰۃ الانبیاء	امام جلال الدین عبدالرحمن بن کمال سیوطی	٩١١ھ / ١٥٠٥ء
١٤	جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب	شیخ محقق عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	١٠٥٢ھ / ١٦٤٢ء

نمبر	کتاب	مصنف	وفات
١٥	بهجة الاسرار شريف	امام نور الدين ابوالحسن علی شطنونی	؟
١٦	کتاب الاضام	ابوالمنذر ہشام کلبی	سنہ ٢٠٤ھ/سنہ ٨١٩ء
١٧	حیات الانبیاء	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	سنہ ٤٥٨ء/سنہ ١٠٦٥ء
١٨	مسند ابویعلیٰ	احمد بن علی بن المثنی بن یحیٰ موصلی	سنہ ٣٠٧ھ/سنہ ٩١٩ء
١٩	معجم کبیر	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی	سنہ ٣٦٠ھ/سنہ ٩٧٠ء
٢٠	خصائص کبریٰ فی المعجزات خیر الوریٰ	امام جلال الدین عبدالرحمن بن کمال سیوطی	سنہ ٩١١ھ/سنہ ١٥٠٥ء
٢١	مستدرک حاکم	عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد نیشاپوری	سنہ ٤٠٥ھ/سنہ ١٠١٤ء
٢٢	دلائل النبوت	ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی	سنہ ٤٣٠ھ/سنہ ١٠٣٨ء
٢٣	مسند دارمی	عبداللہ بن عبدالرحمن بن فضل دارمی سمرقندی	سنہ ٢٥٥ھ/سنہ ٨٦٨ء
٢٤	معجم اوسط	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی	سنہ ٣٦٠ھ/سنہ ٩٧٠ء
٢٥	الدولة المکیہ بالمادة الغیبیہ	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	سنہ ١٣٤٠ھ/سنہ ١٩٢١ء
٢٦	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروز الدین	
٢٧	مدارج النبوت	شیخ محقق عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	سنہ ١٠٥٢ھ/سنہ ١٦٤٢ء
٢٨	شواهد النبوت	علامہ نورالدین عبدالرحمن جامی بن احمد بن محمد ایرانی	سنہ ٨٩٨ھ/سنہ ١٤٩٢ء

۲۹	لغات کشوری		
۳۰	اسماء الاربعین فی شفاعۃ سیدالمحبوبین	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء
۳۱	تفسیر کبیر	الامام فخرالدین رازی	۶۰۶ھ
۳۲	کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء
۳۳	خزائن العرفان فی تفسیرالقرآن	صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی	۱۳۶۷ھ
۳۴	کریم اللغات	ملا کریم بخش بن ارادت اللہ برکاتی، بدایونی	
۳۵	معجم صغیر	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی	۳۶۰ھ/ ۹۷۰ء
۳۶	مسند بزار	علامہ ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بزار	۲۹۲ھ/ ۹۰۴ء
۳۷	نسیم الریاض	امام علامہ احمد شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۳۸	برکات الامداد لاہل الاستمداد	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء
۳۹	اصح التواریخ	تاج العلماء علامہ سید محمد میاں مارہروی	
۴۰	تفسیر بیضاوی شریف	قاضی امام ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بیضاوی شافعی	۶۸۵ھ/ ۱۲۸۶ء
۴۱	تقویت الایمان	مولوی اسمٰعیل دہلوی،وہابی	۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء
۴۲	شرف البنوت	حافظ ابوسعید عبدالملک بن عثمان	

۴۳	الزبدة الزكية لتحريم السجود التحية	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۴۴	تفسیر سورۂ الم نشرح	رئیس الاتقیاء علامہ نقی علی خان بریلوی	۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء
۴۵	مغازی الصادقہ ترجمہ مغازی الرسول	شیخ الاجل امام العدل علامہ محمد بن عمرو الواقدی	۲۰۷ھ/۸۲۳ء
۴۶	فتاوی رشیدیہ	مولوی رشید احمد گنگوہی، وہابی	۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء
۴۷	مشکوٰۃ المصابیح	امام ابوعبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ عمری	۷۴۲ھ
۴۸	سمع و طاعة لاحادیث الشفاعة ۱۳۰۲ھ	امام احمد رضا محدیث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۴۹	الایمان بعوالم الآخرہ	امام قرطبی	۶۶۸ھ
۵۰	فتوح الشام	شیخ الاجل امام العدل علامہ محمد بن عمرو الواقدی	۲۰۷ھ/۸۲۳ء
۵۱	برکات مارہرہ		
۵۲	تفسیر ابن کثیر	ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر	۷۷۴ھ
۵۳	بہار شریعت	صدرالشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی	۱۳۶۷ھ
۵۴	الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
۵۵	تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ		

٥٦	حفظ الایمان	مولوی اشرف علی تھانوی، وہابی	١٣٦٢ھ/ ١٩٤٣ء
٥٧	زاد المعاد علی ھامش الزرقانی	شیخ ابن قیم جوزیہ	٧٥١ھ
٥٨	حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	١٣٤٠ھ/ ١٩٢١ء
٥٩	حیوٰۃ الکرام		
٦٠	ماثر الکرام		
٦١	برکات قادریت	مداح رسول جمیل الرحمن قادری بریلوی	
٦٢	تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین	امام احمد رضا محدیث بریلوی، مجدد	١٣٤٠ھ/ ١٩٢١ء
٦٣	سیرت رسول عربی	علامہ محمد نور بخش توکلی	
٦٤	کتاب الاسماء و الصفات	ابوبکر احمد بن حسین بیھقی الشافعی	٤٥٨ھ/ ١٠٦٥ء
٦٥	انباء المصطفیٰ بحال سرو اخفیٰ	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	١٣٤٠ھ/ ١٩٢١ء
٦٦	بسط البنان	مولوی اشرف علی تھانوی، وہابی	١٣٦٢ھ/ ١٨٧٩ء
٦٧	سرور القلوب فی ذکر المحبوب ١٢٨٤ھ	رئیس الاتقیاء علامہ نقی علی خاں بریلوی	١٢٩٧ھ/ ١٨٧٩ء
٦٨	سیرت ابن ھشام	عبدالملک بن ھشام	٢١٨ھ
٦٩	صلات الصفافی نور المصطفیٰ	امام احمد رجا محدث بریلوی، دھلوی	١٣٤٠ھ/ ١٩٢١ء

٧٠	مرثیہ گنگوہی	مولوی محمود الحسن دیوبندی، وہابی	
٧١	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	١٣٤٠ھ / ١٩٢١ء
٧٢	قصیدۂ غوثیہ	شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی ، غوث اعظم	٥٦١ھ / ١١٦٦ء
٧٣	تذکرۃ الاولیاء		
٧٤	المہند علی المفند	مولوی خلیل احمد انبٹوی، وہابی	١٣٤٦ھ/ ١٩٢٧ء
٧٥	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ دہلوی	١١٧٦ھ
٧٦	فقہ الشہنشاہ و ان القلوب بیدالمحبوب بعطاء اللہ	امام احمد رضا محدیث بریلوی، مجدد	١٣٤٠ھ/ ١٩٢١ء
٧٧	تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین عبدالرحمن بن کمال سیوطی	٩١١ھ/ ١٥٠٥ء
٧٨	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی	شیخ أحمد سرہندی	١٠٣٤ھ
٧٩	تاریخ ابن کثیر	ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر	٧٧٤ھ
٨٠	شرح فقہ اکبر	ملا علی قاری	١٠١٤ھ
٨١	کتاب الرویہ	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	٤٥٨ھ/ ١٠٦٥ء
٨٢	طبقات ابن سعد	امام محمد بن سعد	٢٣٠ھ
٨٣	طبقات الامم	صاعد اندلسی	
٨٤	مسند امام احمد	إمام احمد بن حنبل	٢٤١ھ
٨٥	بیاض اسما علیہ		

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ
٨٦	الهدايه	علامه ابوالحسن ابوبکر مرغینانی	٥٩٣ھ
٨٧	الشمائل المحمدية	محمد بن عیسیٰ ترمذی	٢٧٩ھ/٨٩٢ء
٨٨	خاندان برکات		
٨٩	تذکرۂ نوری	پروفیسر محمد ایوب قادری	
٩٠	افضل القریٰ لقراء ام القریٰ	امام ابن حجر هیتمی شافعی	٩٧٤ھ
٩١	تفسیر روح البیان	علامه اسمٰعیل حقی	١١٣٧ھ
٩٢	خالص الاعتقاد	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	١٣٤٠ھ/١٩٢١ء
٩٣	شرح المواهب اللدنية	علامه شمس محمد بن عبدالباقی الزرقانی	١١٢٢ھ
٩٤	موضوعات کبیر	ملا علی قاری	١٠١٤ھ
٩٥	الجامع الصغیر	امام جلال الدین عبدالرحمن بن کمال سیوطی	٩١١ھ/١٥٠٥ء
٩٦	ازاحة العیب بسیف الغیب	امام احمد رضا محدث بریلوی، مجدد	١٣٤٠ھ/١٩٢١ء
٩٧	حیات صاحب البرکات		
٩٨	معالم التنزیل	امام محی السنه علامه بغوی	٥١٠ھ/١١١٧ء
٩٩	شجرۂ عالیه قادریه برکاتیه	احسن العلماء سید مصطفی حیدر حسن مارهروی	
١٠٠	منبهات ابن حجر	إمام شهاب احمد بن علی	٨٥٢ھ
١٠١	جامع معجزات		
١٠٢	خزینة الاصفیاء		

١٠٣	مسالك السالكين		
١٠٤	سبل الهدیٰ والرشاد	علامہ محمد بن یسوف شامی	٩٤٢ھ
١٠٥	حجة الله علی العٰلمین فی معجزات سید المرسلین	علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی	١٣٥٠ھ
١٠٦	اولیاء رجال الحدیث		
١٠٧	مطالع المسرات	علامہ فاسی	
١٠٨	خمیس	علامہ دیار بکری	
١٠٩	مدارک شریف	امام نسفی	
١١٠	حاشیہ سیرت الحلبیہ		
١١١	عرائس البیان	شیخ مہائمی	
١١٢	الشرف المؤید		
١١٣	تیسیر	علامہ عبدالرؤف مناوی	١٠٠٣ھ
١١٤	ریاض الریاحین	علامہ یافعی	
١١٥	سیدنا محمد رسول الله (عربی)		
١١٦	برکات اولیاء		
١١٧	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل بخاری	٢٥٦ھ/٨٦٩ء
١١٨	شجرة الکاملین		